حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت

علامہ خالد محمود

زاویہ پبلشرز
6- مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور
فون: 042-7248657 موبائل: 0300-9467047

زاویہ پبلشرز

جملہ حقوق محفوظ میں

۲۰۰۳ء

بار اوّل ______ ۱۰۰۰

ہدیہ ______ 80 روپے

297.922

زیرِ اہتمام

نجابت علی تارڑ

ملنے کے پتے

- زاویہ پبلشرز۔ ۶، مرکز الاویس۔ دربار مارکیٹ۔ لاہور ۰۳۰۰-۹۴۶۷۰۴۷
- مکتبہ جمالِ کرم۔ ۹، مرکز الاویس۔ دربار مارکیٹ۔ لاہور ۰۴۲-۷۳۲۴۹۴۸
- ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور ۰۴۲-۷۲۲۱۹۵۳
- ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ انفال سنٹر، اردو بازار۔ کراچی ۰۲۱-۲۲۱۰۲۱۲
- احمد بک کارپوریشن۔ کمیٹی چوک۔ راولپنڈی ۰۵۱-۵۵۸۳۲۰
- مکتبہ المجاہد۔ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ۔ بھیرہ شریف ۰۴۵۲۱-۹۱۱۷۶۳
- حق پبلی کیشنز۔ ۲۔ اے سید پلازہ چیٹرجی روڈ۔ اردو بازار۔ لاہور ۰۴۲-۷۲۰۶۳۱
- مکتبہ مرتضویہ۔ بیربل شریف ضلع سرگودھا ۰۴۵۱-۷۹۹۵۹۲-Ex۲۲۸

فہرست

1	سیدنا عمر فاروقؓ	13
2	نام ونسب	13
3	سلسلہ نسب	13
4	ولادت	13
5	ابتدائی مشاغل	14
6	تعلیم وتربیت	14
7	شروع میں اسلام کے دشمن تھے	14
8	قبول اسلام	15
9	دوسری روایت	16
10	حضرت عمر اسلام لانے کے بعد	17
11	حضرت عمرؓ کی ہجرت مسلمانوں کے لئے نصرت	18
12	حضرت عمرؓ کی غزوات میں شرکت	18
13	حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید وحی کے ذریعہ	18
14	غزوہ احد میں بھگڈر کی وجوہات	19
15	حضرت عمرؓ کو اہم مورچہ پر متعین کرنا	21
16	حضرت عمرؓ صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر	22
17	غزوہ خیبر میں حضرت عمرؓ کی میمنہ کی سرداری	22
18	قطعہ اراضی وقف کرنا	23
19	فتح مکہ کے روز حضرت عمرؓ کا عورتوں سے بیعت لینا	23

20	حضرت عمرؓ کا عشق رسول میں مقام	23
21	حضرت عمرؓ کی حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر پہلے بیعت	24
22	حضرت عمرؓ مشیر خاص کی حیثیت سے	24
23	حق گوئی اور بے باکی حضرت عمرؓ کے امتیازی اوصاف میں	25
24	صحابہ کی نظر میں حضرت عمرؓ کا مقام	25
25	فرمان رسولؐ کہ حق عمرؓ کی زبان پر رہتا ہے	26
26	حضرت عمر فاروقؓ کے مناقب	28
27	خلیفہ اول کی جانشینی	31
28	جہاد کی ترغیب	32
29	تین اہم احکام	32
30	ایک شبہ کا ازالہ	33
31	حضرت خالدؓ بن ولید کی تنزل کی وجہ	35
32	کفار کے دلوں میں خالدؓ بن ولید کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی	35
33	مسلمانوں کا کام دعوت حق پہنچانا ہے	37
34	اسلام ملک گیری کے لئے نہیں ملک داری کے لئے آیا ہے	38
35	حضرت خالد بن ولید کی حقیقی عظمت	39
36	نجران کے عیسائی	41
37	عراق کے عیسائیوں سے مراعات	41
38	نجران کے عیسائیوں کے لئے ایک متبادل نظام	41
39	فاروقی دور خلافت میں فتوحات	42

40	نمارق کی فتح	42
41	سپہ سالار اسلام مجاہد کی عطا کردہ امان کو تسلیم کر لیتا ہے	43
42	کسکر کی فتح	43
43	جنگ جسر میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب	45
44	جنگ بویب میں مسلمانوں کی فتح عظیم	46
45	ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے عرب میں جہاد کا اعلان	47
46	امیر المومنین نے قادسیہ کے میدان میں صف آرائی کا حکم دیا	48
47	وہ سفیر جو دربار ایران میں بھیجے گئے	49
48	سفارت ناکام ثابت ہوئی	49
49	رستم کے دربار میں حضرت ربعیؓ میں عامر بطور سفیر گئے	51
50	رسم اور حضرت ربعیؓ کی گفتگو	52
51	حضرت حذیفہ بن محض کا سفیر بننا	52
52	تیسرے روز حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا سفیر بننا	53
53	جنگ قادسیہ کا پہلا روز	53
54	جنگ قادسیہ کا دوسرا روز	54
55	ابو محجن ثقفی کا واقعہ	55
56	جنگ کا تیسرا روز	56
57	قادسیہ کی فتح	57
58	امیر المومنین عوام میں سے ہیں	57
59	بہرہ شیر پر قبضہ	59

60	بحرظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے	59
61	دارالخلافہ مدائن پر قبضہ	60
62	مدائن کا مال غنیمت مدینہ منورہ کے مسلمانوں میں تقسیم ہوا	60
63	معرکہ جلولا	61
64	امیرالمومنین کا آبدیدہ ہوجانا	61
65	کوفہ کا شہر	62
66	کوفہ شہر ایک منصوبہ بندی کے تحت آباد ہوا	62
67	بصرہ کا شہر	62
68	الجزیرہ کی فتح	63
69	راحہ ہرمز پر قبضہ	63
70	امیرالمومنین کی سادگی دیکھ کر اہواز کا بادشاہ کانپ گیا	64
71	امیرالمومنین اور ہرمزان کے درمیان بات چیت	64
72	اسلام دنیا میں امن وامان کا پیغام لے کر آیا ہے	66
73	قیصروکسریٰ کی حکومتوں سے ٹکر لینے کی وجوہات	66
74	فتح دمشق	67
75	شہر کو صلح نامہ کے تحت مفتوح سمجھا گیا	67
76	رومی لشکر کی مرج روم کے مقام پر شکست	69
77	بیت المقدس کا تمام علاقہ مفتوح ہوگیا	71
78	امیرالمومنین حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کی طرف سفر	72
79	امیرالمومنین کا ایلیا والوں کے ساتھ صلح نامہ	73

80	امیر المومنین کا بیت المقدس میں داخلہ	74
81	حضرت بلالؓ نے مسجد اقصی میں اذان دی	75
82	مسجد عمر کی تعمیر	75
83	حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی کے اسباب	76
84	مشاہیر پرستی اسلام میں نہیں	77
85	پرچہ نویسی کا محکمہ	78
86	حضرت خالدؓ بن ولید فاروقی عدالت میں	79
87	حضرت خالد بن ولید کی تنزلی اور معزولی پر بحث	80
88	سپیشل انعام دینا اسلام میں جرم نہیں	80
89	ڈسپلن کی بہترین مثال	81
90	اسراف کی برائی	82
91	امیر المومنین کی اپنی ذات بھی احتساب سے بری الزمہ نہ تھی	83
92	اصحاب رسول ﷺ کا مقصد "الحب للہ والبغض للہ" ہے	83
93	ملک مصر پر حملہ کرنے کی وجہ	85
94	باب لیون کی فتح	87
95	صلح نامہ کی شرائط	87
96	مصر میں اسلام کی اشاعت	80
97	دریائے نیل میں طغیانی	91
98	دریا کے نام مکتوب عمرؓ	91
99	طاعون کی وجہ سے ہزار مجاہدین شہید	92

100	تقسیم رسد کا طریقہ	94
101	امیر المومنین عام لوگوں میں بیٹھ کر کھانا کھاتے	94
102	عام الرماد میں امیر المومنین کا کردار	96
103	عوام کے حکمرانوں کا ہمہ وقتی پروگرام	96
104	معرکہ نہاوند کی وجہ	97
105	نہاوند کی فتح	99
106	امیر المومنین بے اختیار رو پڑے	100
107	امیر المومنین کا تقوی	101
108	امیر المومنین کو اصفہان کی فتح کی بہت خوشی تھی	103
109	آپؓ کا لوگوں کو احکام الٰہی کی طرف توجہ دلانا	107
110	شایان کسری کے خاتمہ کا اسباب	107
111	قیصر روم کی سلطنت	108
112	قیصر وکسری کے تمدن کے اثرات	110
113	رومی اہل کتاب تھے وہ دعوت اسلام کو سمجھتے ضرور تھے	111
114	اسلام حق ہے اور باطل باطل ہے	112
115	کسروی اقتدار نے مسلمانوں کے آگے سر تسلیم خم نہیں کیا	113
116	حضورؐ کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی	115
117	مسلمانوں کے اصول جہانگیری	116
118	حضرت عمرؓ فتوحات کے دامن کو سمیٹنا چاہتے تھے	117
119	ملک شام پر وسیع پیمانہ پر پیش قدمی کرنے کا سبب	118

120 یزدجرد بادشاہ ایران کا تکبر اور غرور 120

121 ایک واقعہ 121

122 ڈاکٹر براؤن مشہور مستشرق کی رائے 124

123 ایک اہم واقعہ 125

124 امیر المومنین کو قتل کی دھمکی 126

125 ابولولو کا قاتلانہ حملہ 126

126 ابولولو نے خودکشی کر لی 126

127 حضرت عائشہؓ کا عمرؓ کو حجرہ میں دفن ہونے کی اجازت دینا 128

128 امیر المومنین بیت المال کا روزینہ اپنا ذاتی مکان بیچ کر ادا کیا 128

129 جانشینی کے بارے میں غور وفکر 129

130 عشرہ مبشرہ میں سے چھ رکنی کمیٹی مقرر کی 130

131 امیر المومنین کی تجہیز و تکفین 131

132 ابولولو کے الفاظ کہ عربوں نے ایرانیوں کے جگر چبالیا ہے 136

133 جفینہ کون تھا؟ 140

134 کیا اس قتل کی سازش کا علم ہرمزان اور جفینہ کو تھا 142

135 امیر المومنین پر قاتلانہ حملہ قومی عصبیت کے تحت ہوا 143

136 ازواج واولاد 143

137 حضرت عمر فاروقؓ کے ذاتی خصائل 144

138 جلوت وخلوت میں حضور اکرم ﷺ کے مشیر خاص 144

139 حضرت عمر فاروق کی طبیعت میں سختی اور نرمی کا امتزاج 143

140	حضرت عمر فاروقؓ کا پہلا خطبہ	145
141	حضرت عمر فاروقؓ میں احساس ذمہ داری	146
142	بچے کا روزینہ پیدائش کے روز سے ہی مقرر کر دیا گیا	146
143	قحط سالی کے موقعہ پر امیر المومنین کا دستور العمل	147
144	امیر المومنین کے روز و شب کا دستور العمل	148
145	حضرت عمرؓ کا لباس	149
146	حضرت عمرؓ پر خشیت الٰہی کا اثر	149
147	ایک عورت کی اپنے خاوند کے متعلق شکایت	150
148	قلب و فکر کی دولت تمام ممالک محروسہ میں پھیلی ہوئی تھی	151
149	گورنروں اور سپہ سالاروں پر کڑی نگرانی	152
150	گورنر مصر کو ہدایت	153
151	امیر المومنین عمر فاروقؓ کو حضور اکرم ﷺ سے کس قدر محبت تھی	153
152	عدل و انصاف	154
153	فرض شناسی کا جذبہ	155
154	سنہ ہجری کا اجراء	155
155	امیر المومنین کوئی جاگیردارانہ نظام چلانا نہیں چاہتے تھے	158
156	نماز تراویح کو باجماعت ادا کرنے کا طریق	160
157	نماز جنازہ کی چار تکبیرات پر امت کا اجماع	160
158	شراب پینے کی سزا اسی درے مقرر کر دی گئی	161
159	غلاموں کے بارے میں سرکلر کا اجراء	162

160	عشور	163
161 *	امام اور موذن کی تنخواہیں مقرر کر دیں	164
162 *	مسجد نبوی کی توسیع	164
163	میقات کی حدود	165
164 *	پرچہ نویسی کا محکمہ	165
165	امیر المومنین کے عدل وانصاف کی چند جھلکیاں	166
166	خلافت راشدہ کا نظام حکومت	169
167	اسلامی دستور وقوانین کا ماخذ	170
168	اسلامی طرز حکومت کا طریق اور اس کا ماخذ	171
170 *	ممالک محروسہ کے صوبہ جات	173
171 *	امیر المومنین کے دور خلافت کے گورنرز	174
172	نہر سویز کی تیاری کے بارے میں چند خدشات	175
173	شام کی گورنری	176
174	کوفہ کی گورنری	176
175 *	رشوت کا انسداد	177
176 *	صوبہ عراق کی پیمائش	177
177	عراق کی زمین کاشتکاروں کو دی گئی	178
178	عراق کی کل آمدنی	179
179 *	محکمہ آبپاشی	179
180	آمدنی کی مدات	181

181	اخراجات کی مدات	181
182	محکمہ دفاع	182
183	سپاہی کی ٹریننگ	183
184	سپاہیوں کی چھٹیوں کا انتظام	183
185	اسلامی فوج کی قسمیں	184
186	شہری انتظامات کے لئے پولیس کا محکمہ	185
187	محکمہ قضاۃ	185
188	مساجد کی تعمیر	187
189	مکاتب کی عمارات بنائی گئیں	187
190	تعلیم اور اشاعت اسلام	188
191	مخالفین اسلام کے ہتھکنڈے	193
192	امیر المومنین کا نظام حکومت محض تجرباتی عمل نہیں تھا	194
193	لوہے کی تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق کی تلوار سے اسلام پھیلا	196
194	مسلمانوں کے دو ہتھیار حوصلہ اور اخلاق کی بلندی	200
195	حوصلہ سب ہتھیاروں سے بڑا ہتھیار ہے	200
196	غزوہ بدر میں دو کم سن بچوں کا کارنامہ	206
197	جہاد کی ترغیب	208
198	امیر المومنین محض فاتح نہیں	211
199	امیر المومنین کا عربوں کو غیر ممالک میں آباد نہ کرنا	213
200	حضرت عمر فاروقؓ کا اجتہاد میں مقام	214

خلیفۂ ثانی

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمر فاروق

نام ونسب

(آپ کا نام عمرؓ باپ کا نام خطاب، آپ قریش کے دس خاندانوں میں سے بنی عدی کے خاندان سے ہیں) زمانہ جاہلیت میں آپ کے خاندان کے ذمہ سفارت کا کام تھا اور تفاخر نسب کے سلسلہ میں ضرورت کے وقت آپ کے بزرگ ہی یہ کام قریش کی طرف سرانجام دیا کرتے تھے۔
آپ کا سلسلہ نسب والدہ کی طرف سے چھٹے واسطہ سے اور والد کی طرف سے ساتویں واسطہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

سلسلہ نسب

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک (قریش) ہے۔
کعب کے دو بیٹے تھے ایک عدی دوسرا مرّہ۔ مرّہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّامجد ہیں۔
حضرت عمرؓ کی کنیت ابوحفصہ، لقب فاروق اور امیر المومنین ہے۔ سب سے پہلے انہیں کو مسلمانوں نے خلیفہ کی بجائے "امیر المومنین" کے لقب سے پکارا ہے۔

ولادت

بعثت کے وقت آپ کی عمر ستائیس سال کی تھی یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

تیرہ سال چھوٹے ہیں۔

ابتدائی مشاغل

لڑکپن میں آپ اونٹ چرایا کرتے تھے۔ بڑے ہوئے تو شرفائے قریش کے دستور کے موافق تجارت کا پیشہ اختیار کرلیا۔ اس وجہ سے دور دراز ملکوں میں کئی بار آنے جانے کا اتفاق ہوا۔ اور ملکوں کے رسم و رواج، لین دین کے طریقے اور اس قسم کے دیگر تجربات حاصل کیے جو عام زندگی میں کام آنے والے تھے۔

تعلیم و تربیت

فتوح البلدان کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان میں سے ایک آپ بھی تھے۔

نسب دانی، فنون سپہ گری، شہ سواری کی تعلیم حاصل کی تھی۔ عکاظ کے میلہ پر آپ پہلوانی کے جوہر دکھایا کرتے تھے اور مشہور پہلوانوں میں شمار ہوتے تھے۔ گھوڑے کی سواری میں اتنی مہارت تھی کہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھتے اور ایسے جم کر بیٹھتے کہ جسم کو مطلقاً حرکت نہ ہوتی۔ فصاحت و بلاغت حق گوئی اور بے باکی میں اپنی نظیر آپ تھے۔

شروع میں اسلام کے دشمن تھے

اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ کو توحید و رسالت کی آواز شروع شروع میں بہت نامانوس معلوم ہوتی تھی اور جو لوگ خفیہ یا ظاہر ایمان لے آتے آپ ان کے سخت مخالف ہو جاتے اور جہاں تک بس چلتا ان کو مارنے یا ستانے میں کمی نہ کرتے۔

لبیبہ ان کے خاندان کی کنیز جب مسلمان ہو گئی تو حضرت عمرؓ کو بہت ملال ہوا۔ اس کنیز کو اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ اس طرح جس نو مسلم پر زور چلتا اس کو خوب زد و کوب کرتے تاکہ اسلام کو پھیلنے نہ دیا جائے لیکن ان تمام کوشش کے باوجود کسی ایک کو بھی اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔

قبولِ اسلام

نبوت کا چھٹا سال تھا۔ صرف انتالیس مرد اور گیارہ عورتیں اسلام میں داخل ہوئی تھیں اور وہ تمام کے تمام چھپ کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اس وقت تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت ارقمؓ ایک صحابی کے مکان پر تبلیغ کیا کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ کو دین کے احکام سکھایا کرتے یہ مکان پہاڑ کے دامن میں تھا۔

(کچھ روز پہلے حضرت امیر حمزہؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ قریش میں بہت بہادر اور نڈر شمار ہوتے تھے۔ ان کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کو تھوڑی بہت ڈھارس ہو گئی تھی۔)

حضرت امیر حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ الٰہ العالمین! عمر بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب میں سے ایک کو مسلمان کر دے جس کی وجہ سے اسلام کو تقویت ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا حضرت عمر بن خطاب کے حق میں قبول فرمائی۔

قریش مکہ اس نئے دین کے پھیلنے سے بہت پریشان ہو رہے تھے اور اس کو مٹانے کے لیے تدابیر سوچ رہے تھے کہ ادھر سے عمر آنکلے۔ انہوں نے قریش کی پریشانی کو دیکھ کر جرأت مندانہ انداز سے کہا کہ میں اس قصہ کو ابھی چکائے دیتا ہوں .... یعنی (خاکم بدہن) بانی اسلام کو ہی ...... قتل .... کیے دیتا ہوں ......

اس پر ابوجہل نے کہا کہ اگر ایسا کر دکھاؤ تو سو اونٹ اور ہزار اوقیہ چاندی نذر کروں گا۔ عمر ننگی تلوار ہاتھ میں لیے غیظ و غضب کی حالت میں دارِ ارقمؓ کی طرف جاتا ہے۔ راستہ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اسے مل جاتے ہیں اور عمر کو اس حالت میں دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ عمر کہاں جا رہے ہو؟ ...

عمر نے جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (خاکم بدہن) قتل .... کرنے جا رہا ہوں ...

...... تاکہ ہمیشہ کے لیے قریش کی مصیبت ختم ہو جائے۔ اور جھگڑا مٹ جائے۔ یہ سُن کر حضرت سعد بن ابی وقاص کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قتل .... کوئی آسان کام نہیں ہے۔

..... کیا تم بنی ہاشم کے انتقام سے نہیں ڈرتے؟ عمر نے کہا کہ جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے کوئی میرا بال بیکا نہیں کر سکتا .... اس کے بعد کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مددگار ہے!!! ..... اچھا پہلے تجھ سے نپٹ لیتا ہوں ...

سعدؓ کہنے لگے مجھ سے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تو بعد میں نپٹنا پہلے تم اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمہارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا ہے، تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت سعدؓ کی یہ بات سن کر عمر کے جسم میں ایک آگ سی تو لگ گئی فوراً بہن کے مکان کا رخ کیا۔ دستک دے کر دروازہ کھلوایا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے تم اپنے آبائی دین سے پھر گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گیا اور ان کو پچھاڑ کر مارنا شروع کر دیا۔ بہن درمیان میں آگئی اس کو بھی خوب زدوکوب کیا۔ اس طرح کہ خون ان کے جسم سے بہنے لگا...... بہن تو آخر عمر ہی کی تھی، جرأت اور بے باکی سے کہنے لگی کہ ہم نے اسلام کو قبول کر لیا ہے اب جو تیرے دل میں آئے کر گزر......

یہ بے باکانہ جواب عمر کے کانوں نے سنا اور اس کی آنکھوں نے اپنی بہن کو خون میں لت پت دیکھا تو اس کا دل قدرے پسیج گیا۔ پوچھنے لگا اچھا سناؤ تو سہی تم کیا پڑھتے ہو؟........ اس پر بہن نے سورہ طٰہٰ کی چند ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں۔ ہدایت کا وقت آچکا تھا دل میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ اسی وقت کلمہ پڑھا۔ اب اصرار ہے کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو چنانچہ دار ارقمؓ میں پہنچ کر مشرف با سلام ہو گئے جس سے مسلمانوں میں بے پناہ مسرت کی لہر دوڑ گئی اس کے بعد ابو جہل کے مکان پر گئے، دستک دی جب وہ باہر آیا تو اس کو بتایا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اس نے فوراً دروازہ بند کر لیا۔ بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اس دشمنِ اسلام کو جلایا جائے اور وہ خود ہی ان کے اسلام لانے کے متعلق تشہیر کر دے۔

ابن سعد نے مذکورہ بالا روایت حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی بیان کی ہے

دوسری روایت

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں کہ ہدایت کا وقت قریب آچکا تھا۔ آدھی رات کے وقت خانہ کعبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے رات کا سناٹا تھا۔ ساعتِ ہمایوں آچکی تھی۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا قرآن پاک کو سن رہا تھا قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت اور معانی نے میرے تمام جسم کو ہلا دیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو چپکے چپکے ان کے پیچھے ہو لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر کیا ارادہ ہے؟ عرض کی کہ حضور! اسلام قبول کر لیا ہے، اسی وقت کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور خیر و برکت کی دعا دی۔

ان ہر دو روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ باتیں اخذ ہوتی ہیں کہ حضرت عمرؓ شروع شروع

میں اسلام اور بانی اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ قساوت قلبی، جفاکشی، تندی، بے باکی اور دلیری کی صفات انہوں نے ورثہ میں پائی تھیں جن کی وجہ سے وہ اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں ہمیشہ سب سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔ حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو تھوڑی بہت جو ڈھارس ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ اے مقلب القلوب! عمر بن ہشام یا عمر بن خطاب کسی ایک کو مسلمان کر دے اور اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو تقویت دے۔

خداوند قدوس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کو حضرت عمرؓ کے حق میں شرف قبولیت بخشا اور تھوڑے دنوں کے بعد حضرت عمرؓ آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ اسلام کی برکت سے حضرت عمرؓ کی موروثی صفات جو اسلام اور بانی اسلام کے پیروؤں کو مٹانے یا اذیت پہنچانے کے کام آتی تھیں وہی خوبیاں اب ہمیشہ کے لیے دشمنانِ اسلام کے خلاف حرکت میں آگئیں۔

حضرت عمرؓ اسلام لانے کے بعد

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسلمان ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ جب اسلام سچا مذہب ہے تو ہم دب کر کیوں رہیں؟ کیوں نہ خانہ کعبہ میں جا کر نماز ادا کریں۔
چنانچہ مسلمان دو گروہوں میں دارِ ارقمؓ سے امیر حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کی سرکردگی میں خانہ کعبہ گئے اور وہاں انہوں نے نماز ادا کی۔

یہ پہلی نماز تھی جو مسلمانوں نے خانہ کعبہ میں اعلانیہ ادا کی۔ حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کو بہت تقویت ہو گئی۔ اب مسلمان کفار مکہ کے سامنے اور ان کی موجودگی میں خانہ کعبہ میں نماز پڑھ سکتے تھے اور اپنے دینِ اسلام کا اظہار کر سکتے تھے اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ٹھیک فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا مسلمانوں کی فتح، ان کی ہجرت ایک طرح کی نصرت اور ان کی خلافت اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔ انہوں نے مسلمان بن کر کفار سے اس قدر جنگ وجدال کیا کہ مسلمانوں کو خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے میں پھر کوئی دِقت نہ رہی۔ کفارِ مکہ حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے پر کہا کرتے تھے کہ آج مسلمانوں نے ہم سے پورا پورا بدلہ لے لیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی ہجرت ایک طرح کی مسلمانوں کے لیے نصرت تھی

ہجرت کا حکم آنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دے دی اور تمام صحابہؓ یثرب جانے لگے۔ بعض رات کی تاریکی میں چھپ کر اور بعض دن کی روشنی میں سفر کرنے لگے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے عجیب امتیازی صورت سے ہجرت فرمائی۔ مسلح ہو کر گھر سے باہر آئے، ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے ہاتھ میں تیر تھے اور کمان کندھے پر ڈالی ہوئی تھی۔ پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر مقام ابراہیمؑ پر آکر دو نفل ادا کیے۔ اس کے بعد قریش مکہ کے پاس آئے جو مختلف ٹولیوں میں وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان کو غصہ میں کہنے لگے کہ تمہارا ستیاناس ہو اب میں کھلے بندوں جا رہا ہوں جس نے اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ بنانا ہو وہ باہر کھلے میدان میں آکر میرا مقابلہ کرے اور مجھے روک دکھائے۔ کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ کوئی لفظ بھی منہ سے نکال سکے۔ اس جرأت اور دلیری کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ نادار غلام اور بے کس لوگ جو مکہ کو چھوڑتے ہوئے کفار سے ڈرتے تھے وہ تمام کے تمام حضرت عمرؓ کے ساتھ ہجرت میں شامل ہو گئے۔ اس طرح ان ضعیفوں اور کمزوروں کو بہت تقویت ہو گئی اور یہ لوگ حضرت عمرؓ کے ہمراہ بخیریت تمام یثرب پہنچ گئے۔

حضرت عمرؓ کی غزوات میں شرکت

آپ تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے اور اہم فرائض سرانجام دیتے رہے۔

غزوہ بدر میں جاں سپاری اور فدائیت کی بنا پر آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست تھے۔ تمام قسم کی رشتہ داریاں اور تعلقات آپ کو اسلام کے مقابلہ میں ہیچ معلوم ہوتی تھیں۔ اپنے حقیقی ماموں عاص بن ہاشم کو اپنے مقابلہ میں اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ حضرت عمرؓ کی نظر میں اسلام کے مقابلہ میں یہ تعلقات پرِ کاہ کی بھی حقیقت نہیں رکھتے تھے۔

اسیرانِ بدر کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید وحی الٰہی کے ذریعہ

یہی وجہ ہے کہ جب اسیرانِ بدر کے معاملہ میں مشورہ طلب کیا گیا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے رائے دی کہ

فدیہ لے کر جنگی قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح فدیہ کی رقم سے مسلمانوں کی مالی حالت کچھ بہتر ہو جاوے گی اور شاید ان میں سے کچھ لوگ اسلام بھی قبول کر لیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے رشتہ دار جنگی قیدی کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے تاکہ کفار مکہ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اسلام کا رشتہ اور بھائی چارہ دنیوی رشتہ داری کے مقابلہ میں نہایت اہم اور مضبوط ہے۔ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے کی تائید کی لیکن تھوڑی دیر کے بعد وحی نازل ہوئی جس سے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔[1] "لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" (پارہ ۱۰)

غزوہ احد میں بھگدڑ کی وجوہات

غزوہ اُحد کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر انداز احد پہاڑ کے عقب میں متعین کر دیئے تھے ان کو ہدایت دی گئی کہ حالات کچھ بھی ہوں تم نے اس درہ کو ہرگز نہیں چھوڑنا۔ لڑائی زوروں پر تھی۔ تیر اندازوں نے یہ دیکھ کر کہ قریش شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں اور مسلمانوں کو فتح ہوئی ہے انہوں نے جلدی میں درہ چھوڑ دیا اور وہ بھی بھاگتے ہوئے کفار کا تعاقب کرنے لگے۔ ادھر درہ کو خالی پا کر خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے درہ پر عقب سے حملہ کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ایسا اتفاق ہوا کہ ابن قمیہ قریشؓ کے ایک شہسوار نے حضرت مصعبؓ بن عمیر پر وار کیا اور وہ شہید ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی شکل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قدرے مشابہت رکھتی تھی ان کے شہید ہونے پر وہ شہسوار فوراً پکار اٹھا:۔ "قَدْ قَتَلْتُ مُحَمَّدًا"[2] اس جملہ کو سنتے ہی مسلمانوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ پھر قریش نے یکدم مسلمانوں پر سامنے اور عقب سے دوبارہ حملہ کر دیا۔ اور صحابہ کرامؓ نرغہ میں پھنس گئے اور انکی جمعیت منتشر ہو گئی۔ اس موقعہ پر بعض بے انتہا متردد ہوئے کہ کونسا طریق اختیار کیا جائے؟......

اتنے میں حضرت کعب بن مالک نے آواز دی کہ مسلمانو! خوش ہو جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بلند آواز سے فرمایا:۔

---

[1] اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے نہ لکھا ہوتا تو تم کو عذاب پہنچتا اس پر جو تم نے لیا ہے۔

[2] (خاکم بدہن) میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے۔

"اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ" تمام صحابہ کرامؓ یہ سن کر اس آواز کی طرف دوڑے۔ پھر جنگ کا مرکز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ نے جاں نثاری میں اپنی جانیں پیش کر دیں۔ اسی اثناء میں صحابہؓ بڑی جوانمردی کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک پہاڑی پر لے گئے...... ابوسفیان سپہ سالار قریش نے حملہ کا رخ اس طرف پھیر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ اس ریلے کو روکو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بڑی ہمت سے ان کو پیچھے دھکیل دیا.......

غزوہ اُحد کے خاتمہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ کو

ابوسفیان کے سوالات کے جوابات دینے کا حکم

اس طرح مسلمان سنبھل گئے ان کے پاؤں جم گئے۔ آخر کفار نے میدان جنگ سے ہٹنا شروع کیا اس بھگدڑ میں انہوں نے لوٹ مار کر چلے جانے کو ہی غنیمت سمجھا۔ جاتے ہوئے ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر ابوسفیان نے پکارا "اَفِیْکُمْ مُحَمَّدٌ؟" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے سے منع فرما دیا۔ دوسری مرتبہ ابوسفیان نے کہا "اَفِیْکُمْ اَبُوْبَکْرٍ؟" اس پر سکوت اختیار کیا گیا۔ تیسری بار قریش کا سپہ سالار کہنے لگا "اَفِیْکُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ؟" اس کا جواب بھی نہ دیا گیا۔ اس کے بعد ابوسفیان کہنے لگا "اُعْلُ ھُبَلْ اُعْلُ ھُبَلْ" اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ جواب دو "اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ" ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی زبان سے سن کر کہا "لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ"... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کے مطابق حضرت عمرؓ نے جواب دیا "اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ......" ابوسفیان نے جواب دیا کہ یہ لڑائی جنگ بدر کے برابر ہو گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں، برابر نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہمارے

۱؎ میری طرف آؤ خدا کے بندو! میں خدا کا رسول ہوں۔ ۲؎ کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔
۳؎ کیا تم میں ابوبکرؓ ہیں۔ ۴؎ کیا تم میں عمر بن الخطاب ہیں۔
۵؎ ہبل کی جے ہبل کی جے۔ ۶؎ اللہ تعالیٰ برتر اور بزرگ ہے۔
۷؎ ہمارا عُزّٰی ہے تمہارا عُزّٰی نہیں۔ ۸؎ اللہ ہمارا والی ہے تمہارا والی نہیں۔

مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین دوزخ میں ہیں۔ ابوسفیان چند سے خاموش ہونے کے بعد بولا اب تمہارا ہمارا مقابلہ پھر بدر میں ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ کہہ دو "نَعَمْ هُوَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ مَوْعِدٌ"[1]

اس تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ کفارِ مکہ کی نظر نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بڑے صحابیؓ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت کو بالترتیب تسلیم کیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حضرت عمرؓ کو جواب دینے کے لیے انتخاب فرمانا اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ قریش مکہ کے سپہ سالار کو معلوم ہو جائے کہ حضرت عمرؓ ایسے بہادر اور جوانمرد تمہارے غرور و تکبر کے نشہ کو اتارنے والے ہمارے ہاں موجود ہیں۔

غزوۂ احزاب کے موقعہ پر حضرت عمرؓ کو اہم مورچہ پر متعین فرمایا گیا

۵ھ میں غزوہ احزاب کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے اہم حصّہ کی حفاظت حضرت عمرؓ کے سپرد کر رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے فرائض احسن طریق سے ادا کیے۔ ستائیس دن کے محاصرہ کے بعد کفار مکہ خائب و خاسر ہو کر واپس مکہ لوٹ گئے۔

۶ھ میں غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت عمرؓ نے مقدمۃ الجیش کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیئے۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر عہد نامہ کی چوتھی شرط میں بظاہر مسلمانوں کی ذلت محسوس ہو رہی تھی یعنی کفارِ مکہ ان آدمیوں کو واپس لے جا سکتے تھے جو مسلم کیمپ میں دوڑ کر آجائیں لیکن مسلمان اپنے آدمیوں کو مکہ سے واپس لانے کے مجاز نہیں ہیں اس شرط کے قبول کرنے میں قدرے ناگواری اس لیے ہوگئی تھی کہ سہیل بن عمرو کفار مکہ کے مختار خاص کا لڑکا ابوجندل مکہ میں مسلمان ہو چکا تھا اس کے باپ سہیل بن عمرو نے اپنے لڑکے کو اسلام قبول کر لینے کے جرم میں گھر میں پابہ زنجیر کر رکھا تھا وہ دوڑ کر حدیبیہ کے مقام پر صلحنامہ پر دستخط ہونے کے وقت آن پہنچا۔ سہیل بن عمرو نے اپنے لڑکے کی واپسی کا مطالبہ اس چوتھی شرط کی رو سے کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] اچھا ہمیں یہ شرط منظور ہے۔

نے ابوجندل کو واپس مکہ جانے کا حکم دیا تاکہ نقضِ عہد نہ ہو اور ساتھ ہی اس کو صبر کی تلقین فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حالات بہتر پیدا کر دے گا۔

صلح نامہ حدیبیہ کے موقعہ پر

حضرت عمرؓ کی رگِ حمیت کا بھڑک اٹھنا

ابوجندل کو مکہ مکرمہ میں بہت زیادہ اذیت پہنچائی جاتی تھی۔ وہ مسلمانوں کو پاؤں کی زنجیروں اور ہاتھوں کی ہتھکڑیوں کے زخم دکھاتا اور التجا کرتا کہ اسے دوبارہ اسی مقتل میں نہ بھیجیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ کی چوتھی شرط کے تحت ابوجندل کو واپس بھیج رہے تھے۔ حضرت عمرؓ سے ابوجندل کی حالت زار دیکھ کر رہا نہ گیا۔ فوراً حمیتِ دینی اور اخوتِ اسلامی کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جب ہمارا مذہب برحق ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، پھر ہم کفار سے دب کر کیوں صلح کریں۔ اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام وہیں کھولا اور قربانی کے جانور بھی وہیں ذبح کیے۔ مدینہ منورہ کی واپسی پر سورۃ فتح نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو فتح مبین فرمایا۔ حضرت عمرؓ کو ساری عمر اس رد و کد اور بات چیت پر بہت زیادہ ندامت رہی وہ اس سلسلہ میں کثرت سے استغفار پڑھتے اور اکثر غلام بھی آزاد کرتے رہے۔

غزوہ خیبر میں حضرت عمرؓ کی میمنہ کی سرداری

۷ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو خیبر میں میمنہ کی سرداری عطا کی تھی۔ انہوں نے رات کو اپنے پہرہ میں خیبر کے ایک یہودی کو پکڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ اس یہودی سے قلعہ کے حالات معلوم ہوئے۔

یوں تو اس محاذ میں سپہ سالاری بھی حضرت عمرؓ کو ملی تھی۔ لیکن اس روز قلعہ فتح نہ ہوا تاہم یہودیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا اور اگلے روز قلعہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

٦٢٧٢٩

قطعۂ اراضی وقف کرنا

فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمین صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دی گئی اور ایک قطعہ اراضی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بھی دیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس قطعہ اراضی کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔

۸ھ میں فتح مکہ سے ایک رات قبل ابوسفیان اسلامی لشکر کو دیکھنے اور جائزہ لینے کے لیے چھپ چھپا کر اسلامی لشکر میں آگیا۔ حضرت عباسؓ نے اسے پہچان لیا اور وہ اس کو اپنے گھوڑے کے پیچھے بٹھلا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے جا رہے تھے تاکہ اسے مستقل امان دلا دی جائے۔ راستہ میں حضرت عمرؓ نے ان کو پہچان لیا۔ وہ ابوسفیان کو قتل کرنا چاہتے تھے کہ حضرت عباسؓ نے کہا کہ میں نے اسے امان دے دی ہے اور یہ کہہ کر گھوڑے کو سرپٹ کر لیا اور بہت جلد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ ادھر حضرت عمرؓ بھی بہت تیزی کے ساتھ پیدل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ کفار کے اس سرغنہ کو میرے سپرد کیا جائے تاکہ میں اس دشمنِ اسلام کا سر قلم کر دوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو منع کر دیا۔

ابوسفیان کو دعوتِ اسلام پیش کی اور ساتھ ہی امان دے دی۔ صبح کو ابوسفیان نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیانؓ کی عزت افزائی اس قدر فرمائی کہ حضرت ابوسفیانؓ کے گھر کو دارالامان کی سند دے دی کہ جو کوئی ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو گا اس کو بھی امان ہے۔

فتح مکہ کے روز حضرت عمرؓ کا عورتوں سے بیعت لینا

فتح مکہ کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کو لے کر صفا پہاڑی پر چلے گئے تاکہ لوگوں سے بیعتِ اسلام لیں۔ جب مردوں سے بیعت لے چکے تو حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ میری طرف سے تم عورتوں سے بیعت لے لو۔

۹ھ میں غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کے لیے اپیل فرمائی اس وقت حضرت عمرؓ نے اپنے گھر کا نصف سامان لا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔

حضرت عمرؓ کا عشق رسول میں مقام

حضرت عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کی خبر کو بھی کسی طرح سننا گوارا

نہیں کرتے تھے وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس قدر سرشار تھے کہ وارفتگی کے عالم میں تلوار میان سے باہر نکال کر ہوا میں لہراتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے ہیں اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ بے خودی کے عالم میں قسم کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی طرح اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے گئے ہیں، واپس آکر کافروں اور مشرکین کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے ...... یہ تو اچھا ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ جلد تشریف لے آئے اور انہوں نے ان کے سامنے

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کہہ کر وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ......

سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔ (پارہ ۴۔ رکوع نمبر ۵۔ سورہ آل عمران)

سے جس وقت استدلال کیا تو حضرت عمرؓ دھڑام سے زمین پر گرے اور پھر سنبھل کر ہوش میں آئے تو حقیقت حال ان پر کھل چکی تھی۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت عمرؓ تھے

سب سے پہلا کام جو حضرت عمرؓ، حضرت صدیقؓ نے باہم مل کر کیا وہ یہ تھا کہ وہ سقیفہ بنی سعد میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ہمراہ پہنچے اور وہاں جا کر مجمع پر قابو پایا پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں پیشقدمی فرمائی۔ اگر اس معاملہ میں ذرا تاخیر ہو جاتی تو نہ معلوم کیا حشر ہوتا !!! .... اس کا ذکر حصہ اول میں گزر چکا ہے۔

حضرت عمرؓ مشیر خاص کی حیثیت سے

بیعتِ خلافت کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے مجلس شوریٰ بلائی جس میں حضرت اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کرنے میں حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے سب پر غالب آئی۔ اس موقعہ پر حضرت صدیق اکبرؓ نے سپہ سالار حضرت اسامہؓ کی اجازت سے حضرت عمرؓ کو اپنے پاس مشورہ اور امداد کے لیے ٹھہرا لیا۔

صدیقی دور میں حضرت عمرؓ مشیر خاص تھے اور محکمہ قضا بھی آپ کے سپرد تھا۔

قرآن پاک کو صفحہ قرطاس پر یکجا لکھنے اور جمع کرنے کا کام عہد صدیقیؓ میں صرف حضرت عمرؓ کی رائے سے ہوا ہے جب کہ جنگ یمامہ میں سات سو کے قریب حفاظ شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے خطرہ محسوس کیا کہ اگر اسی طرح کی

اور جنگ میں حفاظ شریک ہوکر شہید ہو گئے تو قرآن پاک کی حفاظت کا کام آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے مشکل ہو جائے گا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے شروع میں تو اس رائے سے اتفاق نہ کیا بلکہ یہی خواہش ظاہر کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے جس طرح چلا آتا ہے اس کو ویسے ہی رہنے دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ بھی اس بات پر متفق ہو گئے چنانچہ ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی جس کے صدر حضرت زید بن ثابت انصاریؓ مقرر ہوئے جو کہ کاتب وحی بھی تھے۔

حق گوئی اور بے باکی حضرت عمرؓ کے امتیازی اوصاف ہیں

حضرت عمرؓ میں حق گوئی اور بیباکی کا وصف امتیازی حیثیت رکھتا تھا جس بات کو صحیح سمجھتے تھے۔ اس کے اظہار کرنے میں کبھی دیر نہ کرتے اور بعض اوقات یہ صاف بیانی اور اظہار رائے ایسے نازک موقعہ پر بھی ہو جاتی تھی جہاں کسی دوسرے صحابیؓ کو دخل دینے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ابوجندلؓ کو پابہ زنجیر دیکھ کر حضرت عمرؓ کی رگ حمیت بھڑک اٹھی فوراً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہار خیال کر دیا

صحابہ کی نظر میں حضرت عمرؓ کا مقام

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو چار باتوں میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

- اسیران بدر کے معاملہ میں حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس رائے کو اللہ تعالیٰ نے بھی پسند کیا۔
- شراب کے بارے میں حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ اس کو مطلقاً حرام قرار دیا جائے اکثر اس بارے میں دعا بھی کرتے رہے۔ جب لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ کو قدرے مسرت ہوئی اور جب اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "آیات نازل ہوئیں تو حضرت عمرؓ کو بے انتہا خوشی ہوئی

ا تم نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہو ۲ اے ایمان والو! بات یہ ہے کہ شراب، جوا، بت وغیرہ اور پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں سو ان سے الگ ہو جانا تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

★ حضرت عمرؓ کی بہت زیادہ خواہش تھی کہ اُمہات المومنینؓ کو پردہ میں رہنا چاہیے۔ ایک بار اس کا ذکر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا کچھ عرصہ کے بعد امہات المومنینؓ کو پردہ میں رہنے کے احکام سورۃ احزاب میں نازل ہوئے تو انہیں بہت زیادہ خوشی ہوئی۔

★ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین کی نماز جنازہ اس کے بیٹے عبداللہ (جو سچے اور پکے مسلمان تھے) کی خاطر پڑھا دی حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔ سورۃ براۃ میں آیات نازل ہوئیں۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ؏

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حق عمرؓ کی زبان پر رہتا ہے

اسی طرح نماز کے لیے مسجد میں جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا تو مختلف قسم کے طریق بحث کے طور پر آئے۔ حضرت عمرؓ کی تجویز تھی کہ توحید و رسالت کا اعلان کیا جائے اور دعوتِ الی الصلوٰۃ دی جائے۔ چنانچہ اذان کا مروجہ طریق اختیار کیا گیا اور اذان دلائی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق حضرت عمرؓ کی زبان پر رہتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمرؓ کو والہانہ محبت تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ تعالیٰ سے مانگ کر اسلام کی خدمت کے لیے لیا تھا۔ بدیں وجہ جہاں اسلام کے خلاف انہیں کوئی بات معلوم ہوتی تو وہ اپنی رائے کے اظہار کرنے اور اپنے دل کے شکوک دور کرنے اور آیات کے مطالب سمجھنے میں ہرگز جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ حق گوئی اور بے باکی ان کے خاص جوہر تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی ان کے باطن کو ظاہر

؏ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کے حق میں بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اگر آپ ان کے واسطے ستر بار بخشش مانگیں تو بھی ہرگز نہ بخشے اللہ ان کو اس لیے کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ راہ نہیں دکھاتا بے حکم لوگوں کو۔

سے بہتر سمجھتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جو بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی وہ بھی ان کی حمیت ملی اور اخوتِ اسلامی کی عکاسی کر رہی ہے اور ان کی بے باکی اور حق گوئی کی بین دلیل ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

بہت ہی نازک معاملات میں بھی حضرت عمرؓ اظہارِ خیال کرنے میں دیگر صحابہ کرامؓ کی نسبت بے باک نظر آتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دنوں کے لیے ازواجِ مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اس کا علم حضرت عمرؓ کو اس طرح ہوا کہ ایک دن انہوں نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ ہمیں ڈانٹتے ہیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض تک کر دیتی ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں آئے تو لوگوں سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں سے ناراض ہیں۔ حضرت عمرؓ اس بات کی تصدیق کرنے کے لیے حضرت حفصہؓ سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ بعض اوقات جھگڑا بھی کر لیتی ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ "ہاں"۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو نصیحت کی اور سمجھایا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے......

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے بھی دریافت کیا (وہ حضرت عمرؓ کی رشتہ دار بھی تھیں) انہوں نے غصہ میں فرمایا کہ عمرؓ! بس کرو۔ اب تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھریلو معاملات میں بھی دخل دینا شروع کر دیا ہے۔

اس واقعہ سے جہاں حضرت عمرؓ کا نازک ترین معاملات میں دخل دینا ثابت ہوتا ہے وہاں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ اتنے حساس تھے کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت جان کو نثار کرنے کے لیے تیار رہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی تکلیف کو بھی کسی حالت میں برداشت نہیں کر سکتے تھے خواہ وہ تکلیف گھریلو معاملات کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔ اور جب تک اس تکلیف کا ازالہ نہیں فرما لیتے اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ "قلم دوات" والے معاملہ میں بھی حضرت عمرؓ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں "حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ" کہنا اس لیے تھا کہ مرض کے اشتداد کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان نہ کیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کا جواب سن کر خاموش ہو گئے۔ اس "قلم دوات" کے بارے میں مفصل بحث جلد اول میں آ چکی ہے۔

حضرت عمرؓ کی ایسی ہی والہانہ کیفیت تھی جس کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی اور وصال کا لفظ بھی سننا عمرؓ ایسے جری اور نڈر کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ عمرؓ کا دل یہ باور کرنے کے لیے تیار

ہی نہیں تھا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اب اس کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اسی عشق و مستی کے جذبات نے حضرت عمرؓ کو تلوار میان سے نکال کر یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ جو کوئی یہ کہے گا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انتقال کر گئے ہیں اس کا سر قلم کر دیا جائے گا.......

حضرت عمرؓ فاروق کے مناقب

حضرت عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوت و خلوت کی مجالس میں برابر شریک ہوتے رہے ہیں ان کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مجالس میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ صحیح بخاری شریف کی چند احادیث درج ذیل کی جاتی ہے۔ جس میں حضرت عمرؓ کی علوِ شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

▲ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو جنت میں داخل ہوتے دیکھا اور میں نے وہاں ابوطلحہؓ کی بی بی رمیصا کو دیکھا اور میں نے ایک شخص کے چلنے کی آواز سنی میں نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا بلالؓ اور میں نے ایک محل دیکھا اس کے سامنے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے تو ایک شخص نے کہا عمرؓ بن خطاب کا۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ اس میں داخل ہوں اور اسے دیکھوں مگر میں نے تمہاری غیرت کا خیال کیا تو عمرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں۔ یارسول اللہ! کیا میں حضور پر غیرت کروں گا؟

(بخاری شریف پارہ چودھواں)

▲ حضرت حمزہؓ اپنے والد (عمرؓ بن خطاب) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دودھ پیا یہاں تک کہ میں نے سیرابی کو دیکھا وہ میرے ناخنوں میں دوڑ رہی تھی پھر عمرؓ کو دے دیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیا تعبیر نکالی؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "علم"

(بخاری شریف مناقب عمرؓ)

▲ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنواں پر کھڑا ہوں ایک اونٹنی کا ڈول نکال رہا ہوں پھر ابوبکرؓ آئے انہوں نے ایک یا دو ڈول نکالے مگر کمزور طریقہ سے اللہ انہیں بخش دے اس کے بعد عمرؓ بن خطاب آئے تو وہ ڈول چرس بن گیا میں نے کسی زور آور کو نہیں دیکھا کہ وہ ان جیسا کام کرتا ہو یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے اور بیٹھ گئے۔

(بخاری شریف)

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ عمرؓ بن خطاب نے ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی اجازت مانگی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ عورتیں قریش کی بیٹھی ہوئی تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کر رہی تھیں اور وہ بہت باتیں کر رہی تھیں ان کی آوازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند تھیں پس جب عمرؓ بن خطاب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو وہ اُٹھ گیئں اور پردہ میں ہو گیئں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی۔ چنانچہ عمرؓ اندر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔ عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ حضور کے دانتوں کو متبسم رکھے! (حضور اس وقت مسکرا رہے تھے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان عورتوں سے متعجب ہوں کہ جب انہوں نے تمہاری آواز سنی تو فوراً پردہ میں ہو گیئں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور اس امر کے زیادہ حقدار تھے کہ وہ حضور سے ڈرتیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے (ان عورتوں سے) کہا کہ اپنی جانوں کی دشمن! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسولِ خدا سے نہیں ڈرتی ہو؟ انہوں نے کہا کہ "ہاں" تم بہ نسبت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ سخت اور درشت ہو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن خطاب! قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کہ جب تم سے شیطان کسی راہ چلتے ہوئے ملتا ہے تو وہ تمہارے راستہ کو چھوڑ کر کسی اور راستہ پر چلنے لگتا ہے۔

(بخاری شریف)

۷۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ اپنے جنازہ پر رکھے گئے تو لوگوں نے انہیں گھیر لیا دعایئں مانگتے تھے اور نماز پڑھتے تھے قبل اس کے جنازہ اٹھایا جائے اور میں بھی ان لوگوں میں تھا پس یکایک ایک آدمی نے میرا شانہ پکڑ لیا تو وہ علیؓ تھے پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کے لیے دعائے رحمت کی اور کہا اے عمرؓ! تم نے کسی ایسے شخص کو اپنے پیچھے نہیں چھوڑا کہ اس کے عمل جیسے عمل کے ساتھ خدا سے ملنا بہ نسبت تمہارے مجھے محبوب ہو اور خدا کی قسم! میں خیال کرتا تھا کہ اللہ تمہیں تمہارے دونوں صاحبوں کے ساتھ رکھے گا۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ گئے۔ میں اور ابو بکرؓ و عمر داخل ہوئے۔ میں اور ابو بکر و عمرؓ باہر نکلے۔

(بخاری شریف)

۸۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اُحد پہاڑ پر چڑھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ بھی تھے پس پتھر ہلا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیر سے مارا اور فرمایا کہ اے اُحد! ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

(بخاری شریف)

▲ حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے اگلی امتوں میں کچھ لوگ محدث ہوتے تھے۔ میری امت میں اگر کوئی ہوگا تو وہ عمرؓ ہیں۔

دوسری روایت میں اتنا زیادہ ہے حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ہوتے تھے کہ ان سے (خدا کی طرف سے) باتیں کی جاتی تھیں وہ نبی نہ ہوتے تھے اگر ان میں سے میری امت میں کوئی ہوگا تو وہ عمرؓ ہیں۔

(بخاری شریف)

▲ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ چرواہا اپنی بکریوں میں تھا کہ بھیڑیے نے حملہ کیا اور ان میں سے ایک بکری اس نے لی اور چرواہا نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ اس بکری کو اس سے چھڑوا لیا تو بھیڑیئے نے اس سے کہا کہ درندہ والے دن اس کا کون محافظ ہوگا جس دن میرے سوا کوئی اس کا چرواہا نہ ہوگا تو لوگوں نے کہا "سبحان اللہ" پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر میں ایمان لاتا ہوں اور ابوبکرؓ وعمرؓ (ایمان لاتے ہیں) حالانکہ ابوبکرؓ اور عمرؓ وہاں موجود نہ تھے۔

(بخاری شریف)

▲ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا اس حال میں کہ میں سو رہا تھا لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے اور ان کے جسم پر کُرتے تھے بعض کرتے تو پستان تک اور بعض اس سے نیچے اور عمرؓ میرے سامنے پیش کیے گئے اور ان کے جسم پر ایک کُرتا تھا وہ اس کو کھینچتے ہوئے چلتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور نے اس کی کیا تعبیر لی؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دین"۔

(بخاری شریف)

▲ حضرت مسورؓ بن مخرمہ کہتے ہیں کہ جب عمرؓ زخمی ہوئے تو وہ رنجیدہ ہونے لگے ان سے ابن عباسؓ نے کہا (گویا ابن عباسؓ انہیں بے صبر خیال کرتے تھے) کہ اگر یہ بات ہوئی (اگر آپ کو موت آگئی تو کچھ غم نہیں) کیونکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے اور ان کا حق صحبت اچھا ادا کیا ہے پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جدا ہوئے تو وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر آپ نے ابوبکرؓ کی صحبت اٹھائی اور ان کا حق صحبت اچھا ادا کیا۔ اگر آپ ان سے جدا ہوں گے تو وہ آپ سے راضی ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ان کی رضامندی کا ذکر کیا۔ تو یہ صرف اللہ کا احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا مگر یہ بے صبری جو تم مجھ میں دیکھ رہے ہو یہ تمہاری وجہ اور تمہارے صحابہ کرامؓ کی وجہ سے ہے

(شاید ان کا حق ادا نہ کیا ہو) خدا کی قسم! اگر میرے پاس تمام دنیا بھر کا سونا ہوتا تو میں اس کو خدا کے عذاب کے فدیہ میں دے دیتا قبل اس کے کہ میں اس کو دیکھوں۔

(بخاری شریف)

▲ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب سے عمرؓ اسلام لائے ہم برابر غالب رہے۔

(بخاری شریف)

خلیفہ اوّل کی جانشینی

جلد اوّل کے گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضرت عمرؓ کی جانشینی کے بارے میں مقتدر اور صائب الرائے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لے لیا تھا۔ تمام صحابہ کرامؓ میں حضرت عمرؓ کی شخصیت جانی پہچانی تھی اس لیے کسی کو بھی ذرہ برابر اعتراض نہ ہوا بلکہ حضرت طلحہؓ نے تو حضرت عمرؓ کی جانشینی کے بارے میں حضرت صدیق اکبرؓ سے ایک سوال کر کے شکوک و شبہات کے تمام راستے بند کر دیئے کہ اے خلیفہ رسول! آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں جا کر کیا جواب دو گے۔ کہ اُمتِ محمدیہ پر اپنے بعد کس کو خلیفہ بنا کر آئے ہو؟ حضرت صدیق اکبرؓ بالکل نحیف اور کمزور ہو چکے تھے۔ اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے تاہم ساتھیوں سے کہا کہ مجھے سہارا دے کر بٹھا دیا جائے۔ جب بیٹھ گئے تو فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جا کر میں کہوں گا کہ میں تیری مخلوق پر ایسے شخص کو امیر بنا کر آیا ہوں جو ان سب سے بہتر ہے۔

پھر وصیت کے الفاظ بھی نہایت ذمہ داری کے ساتھ لکھوائے گئے ہیں مثلاً میرا اس دنیا میں آخری وقت اور آخرت میں اوّل وقت ہے۔ ایسے وقت میں کافر بھی ایمان لاتا ہے اور فاجر بھی یقین لے آتا ہے .... وغیرہ وغیرہ .... یعنی نہایت ذمہ داری سے میں خلافت کا بوجھ حضرت عمرؓ کے کاندھوں پر ڈالتا ہوں۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ کی نیک نیتی اور اصابت رائے تھی کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو خلافت سونپ دی جن کی تعریف آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد بار فرمائی ہے اور صحابہ کرامؓ نے بھی ان کی امانت، حمیتِ اسلامی، اصابت رائے، حق گوئی اور بے باکی کو ہر مقام پر اچھی طرح سے پرکھا اور جانچا ہوا تھا۔ اس لیے ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ دوشنبہ کو تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

جہاد کی ترغیب

بیعت خلافت کے بعد حضرت عمرؓ فاروقؓ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور جہاد کے لیے لوگوں کو ترغیب دی کیونکہ سر دست مسئلہ جو درپیش تھا وہ عراق کا تھا جہاں حضرت خالدؓ بن ولید کے چلے آنے کے بعد حالات خراب ہو رہے تھے اور ایرانیوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب حضرت خالدؓ بن ولید شام کی جنگوں میں مصروف ہو گئے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو آسانی سے اپنے ملک سے نکالا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ نے دنیا سے رخصت ہونے سے دو گھنٹے پہلے اس بات کی وصیت فرمائی تھی کہ حضرت مثنیٰ بن حارثہ کو کمک پہنچانے میں کسی قسم کا توقف نہ کیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ یرموک کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید کے لکی لشکر کو واپس عراق بھیج دیا جائے کیونکہ عراق کا لشکر عراق کی جنگوں میں آزمودہ کار ہو چکا ہے وہ اس ملک کے فنون سپہ گری سے بخوبی واقف ہے۔

تین اہم احکام

بدیں وجہ خلافت کا بار اٹھاتے ہوئے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے جہاد کے بارے میں لوگوں کو دعوت دی۔ تین دن تک متواتر دعوت دیتے رہے لیکن مجمع پر گرہ ہی تو بندھ گئی۔ کسی نے ملک عراق کی مہم پر جانے کے لیے دو روز تک اپنے آپ کو پیش نہ کیا۔ تیسرے روز حضرت ابو عبیدہ بن مسعود ثقفیؓ نے اپنے آپ کو عراق کی مہم پر جانے کے لیے پیش کر دیا۔ ان کے بعد حضرت سعد بن عبید انصاری کھڑے ہو گئے پھر حضرت سلیط بن قیس اور بہت سے لوگوں نے اس وقت عراق کی مہم پر جانے کے لیے اپنے نام لکھوا دیئے اور فوری طور پر ایک لشکر تیار ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ بن مسعود ثقفیؓ کو ہی اس لشکر کا سپہ سالار بنا دیا اس لیے کہ انہوں نے اس مہم پر جانے کے لیے سبقت کی تھی۔ یہ لشکر حضرت ابو عبیدہ بن مسعود ثقفیؓ کی سپہ سالاری میں حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ کے ہمراہ عراق کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

دوسرا اہم اور جرأت مندانہ کام حضرت عمرؓ نے اپنی بصیرت کے ساتھ یہ کیا کہ یرموک کے محاذ پر حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات اور جانشینی کی اطلاع بذریعہ قاصد پہنچا دی اور ساتھ ہی حکم بھیجا کہ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح حضرت خالدؓ بن ولید سے سپہ سالاری کا چارج لے لیں اور حضرت خالدؓ بطور نائب سپہ سالار ان کے ماتحت کام کریں۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو حکم دیا کہ یرموک کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ کے عراقی لشکر کو بلا تاخیر واپس عراق بھیج دیا جائے۔

تیسرا اہم کام یہ تھا کہ حضرت یعلیٰؓ بن امیہ کو حکم بھیجا کہ وہ نجران کے عیسائیوں کو کہیں کہ وہ یمن چھوڑ کر عراق یا ملک شام میں چلے جائیں اور ملک عرب کو صرف مسلمانوں کے لیے رہنے دیں اور نجران کے عیسائیوں کو یہ یقین دلادیں کہ ان کے ترک وطن کرنے پر انہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہوگی۔

یہ ہر سہ اہم کام جو حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت سنبھالتے ہی کیے ہیں وہ قدرے تشریح طلب ضرور ہیں ....

پہلا کام حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ کے ہمراہ ایک لشکر عراق کی طرف روانہ کرنا تھا تاکہ مقبوضہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

بیعتِ خلافت کے بعد حضرت امیر المومنینؓ نے خطبہ جہاد ارشاد فرمایا اور عراق کی مہم کے لیے لوگوں کو رغبت دلائی۔ وہ دو روز تک جہاد کی ترغیب دلاتے رہے لیکن کسی ایک نے بھی لبیک نہ کہی۔ تیسرے روز ایک ثقفی سردار حضرت ابوعبیدہؓ بن مسعود نے اپنے آپ کو اس مہم کے لیے پیش کیا۔ اس کے بعد دوسرے سرداروں نے بھی اپنے اپنے نام لکھوا دیئے۔ اس طرح تین روز کے بعد لشکر تیار ہوا، جس کو حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ کے ہمراہ حضرت ابوعبیدہ بن مسعود ثقفیؓ کی سپہ سالاری میں عراق کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

ایک شبہ کا ازالہ

دو دن تک صحابہ کرامؓ کا خاموش رہنا اور کسی ایک کا بھی امیر المومنینؓ کی دعوت کا جواب نہ دینا ایک عام شخص کو سوچنے پر مجبور کر رہا ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ جو صدیق اکبرؓ کی پہلی آواز پر لبیک کہہ اٹھتے تھے اور یک جان ہوکر ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے میدانِ عمل میں نکل آتے تھے آج حضرت عمرؓ کا خطبہ جہاد سن کر کیوں خاموش ہوگئے؟ اور امیر المومنینؓ کی سہ روزہ پیہم کوشش کے بعد دعوت کا جواب تاخیر سے کیوں دے رہے ہیں...؟ ذرا غور کیا جائے تو اس میں زیادہ سوچ بچار کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے شروع خلافت میں ہی مصیبت کے پہاڑ صحابہ کرامؓ کے سر پر آگرے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی فتنہ ان کے گھروں میں گھس آیا، اس لیے اصحابِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ رسول کی آواز پر فوراً کھڑے ہوکر تمام مصائب پر قابو پا جانا ضروری ہوگیا تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق کی دعوتِ جہاد داخلی معاملات کے لیے نہیں بلکہ خارجی معاملات کے لیے تھی جب اپنے گھر میں آگ لگ جائے تو پانی بجھانے کے لیے معاوضہ طے نہیں کیا جاتا۔

جب معاملہ ذرا دور کا ہو تو سوچ بچار کے بعد قدم اٹھایا جاتا ہے

یک لخت آگ میں کو دنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں داخلی معاملات پیچیدگی اختیار کر رہے تھے۔ اگر تھوڑی سی سُستی کی جاتی تو تمام جزیرۃ العرب ان پیچیدگیوں میں الجھ کر رہ جاتا۔ اس لیے تمام صحابہ کرامؓ نے اس فتنہ ارتداد کو فرو کرنے میں بلاپس وپیش حضرت صدیق اکبرؓ کی دعوتِ جہاد پر لبیک کہی۔ طریق کار میں البتہ تھوڑی بہت لے دے ہوئی لیکن عزمِ صدیقیؓ نے اس پر بھی فوراً قابو پالیا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ کی دعوتِ جہاد
پر جواب میں تاخیر کی وجہ

امیر المومنین حضرت عمرؓ کی دعوتِ جہاد کا معاملہ گھر کا نہیں بلکہ باہر کا تھا اپنے ملک کا نہیں بلکہ عراق کا تھا۔ اپنے گھر کی حفاظت اور مدافعت میں ہر شخص فوری طور پر اٹھ کھڑا ہوتا ہے خواہ مسلح ہو یا نہ ہو لیکن جہاں ہزاروں میل پہنچ کر امداد دینے کا یا کمک پہنچانے کا خیال ہو وہاں اپنے آپ کو اس سفر کے لیے تیار کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنینؓ کو انکی دعوت کا جواب سامعین سے تیسرے دن کے بعد ملتا ہے تاکہ تعمیلِ حکم کے لیے اپنے اندر صلاحیت پیدا کرلی جائے اور اپنے ظرف واستعداد کو بھی دیکھ لیا جائے۔ یہ جذباتی اور وقتی بات نہیں ہے کہ بغیر سوچے سمجھے ہاں کردی جائے باقی اس بارے میں یہ خیال آرائی کرنا کہ چونکہ لوگ امیر المومنینؓ کی خلافت کو دل سے نہیں چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی دعوت پر فوراً لبیک نہیں کہی گئی۔ محض خیال آرائی ہے۔

حضرت ابو عبیدہ بن مسعود ثقفیؓ نے جب پورے غور وخوص کے بعد اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھ لیا کہ عراق کی مہم کو سر کیا جاسکتا ہے اس وقت اپنے آپ کو پیش کیا۔ پھر ان کی تقلید میں دوسرے سرداروں نے بھی اس جہاد میں شریک ہونے کی رضامندی ظاہر کردی۔ چنانچہ ایک لشکر تیار ہوکر حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ کے ہمراہ عراق کی جانب روانہ ہوگیا۔ حضرت امیر المومنینؓ نے سبقت کرنے والوں کی عزت افزائی فرمائی اور ابو عبیدہ بن مسعود ثقفیؓ کو ہی عراق کا سپہ سالارِ اعظم بنادیا اور حضرت مثنیٰ بن حارثہ کو ان کے ماتحت کردیا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی تنزلی کی وجہ

دوسرا اہم کام...... امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید...... سپہ سالارِ اعظم کو نائب سپہ سالار بنا دیا اور یہ تنزلی کا حکم اس وقت پہنچتا ہے جبکہ فوجیں محاذِ جنگ میں کھڑی لڑ رہی ہیں اور حضرت خالدؓ بن ولید سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ امیرالمومنین کا قاصد حضرت خالد بن ولید کی تنزلی کا حکم لیے میدان جنگ میں پہنچ جاتا ہے اور حکم نامہ تعمیل کی غرض سے حضرت خالدؓ کو اسی وقت دے دیا جاتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے حکم نامہ پڑھ کر حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو پیش کر دیا اور کہنے لگے کہ اب آپ سپہ سالاری کی کمان سنبھال لیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے اس گھڑی کمان انہیں کے پاس رہنے دی تاکہ میدانِ جنگ میں کسی قسم کی تبدیلی کا علم نہ ہو۔

مخالفینِ اسلام نے حضرت خالدؓ کی اس تنزلی کو بہت کچھ ہوا دے رکھی ہے اور وہ کسی ذاتی عناد کا شاخسانہ (نعوذ باللہ) بتا کر امیرالمومنینؓ کے کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ اور سپہ سالارِ اعظم حضرت خالدؓ بن ولید ہر دو کے کردار بطور اصحابِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سامنے نکھر کر آ رہے ہیں۔

کفار کے دلوں میں
حضرت خالدؓ بن ولید کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو "سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ" (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) فرمایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس تلوار نے اپنے جوہر دکھلائے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے اس "سیف اللہ" کی تابانی سے اپنے دورِ خلافت میں ہر جگہ کام لیا ہے......

ایرانیوں میں حضرت خالدؓ بن ولید کی آمد سے تہلکہ پڑ جاتا تھا اور بہت سے محاذِ جنگ سے تو ایرانی صرف اس لیے بھاگ جاتے تھے کہ حضرت خالدؓ سپہ سالاری کر رہے ہیں اور بیسیوں موقعہ پر دعوت مبارزت میں دیوپیکر اور بیل تن جوانمردوں کو آنِ واحد میں حضرت خالدؓ ختم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ دھاک ان مشرکین کے دلوں میں اس قدر بیٹھی ہوئی تھی کہ بہمن جادویہ ایک ایرانی بہادر سپہ سالار نے محرم ۱۳ھ میں

(جبکہ حضرت خالدؓ ملک شام کے محاذِ جنگ میں پہنچ چکے تھے) دوبارہ اپنی بچی کھچی فوج کو اکٹھا کر کے مسلمانوں کو اپنے ملک سے باہر نکالنے کے منصوبے بنانے شروع کیے اور اپنی فوج کے دل بڑھانے کے لیے کہنے لگا کہ اب خالد سپہ سالار نہیں ہے، لہٰذا مسلمانوں کو آسانی سے شکست دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اسی خیال کو لے کر حضرت مثنیٰ بن حارثہ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ان کے وصال سے چند گھنٹے پہلے مدینہ منورہ آئے تھے کہ ایرانی اب پھر بڑی طاقت جمع کر رہے ہیں اور حضرت خالد بن ولید کی عدم موجودگی کو غنیمت سمجھ رہے ہیں حضرت مثنیٰؓ نے یہ بھی خلیفہ رسول کو بتایا کہ اگرچہ حضرت خالدؓ کی غیر حاضری میں بابل کے مقام پر بہمن جادویہ کے اس لشکر کو شکست بھی دی جا چکی ہے تاہم ایرانی باقاعدہ لام بندی کر رہے ہیں۔ اندریں حالات حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی آخری وصیت میں حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ مثنیٰ بن حارثہ کو بھی فوری طور پر کمک پہنچائی جائے اور یرموک کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید کے لشکر کو واپس عراق بھیج دیا جائے کیونکہ وہ عراق کی جنگوں میں آزمودہ کار ہو چکے ہیں۔

حضرت خالدؓ کا تنزل کر کے حضرت عمرؓ نے یہ بات ثابت کر دی کہ فتح اور عزت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے مشاہیر پرستی کے اس خیال کی تردید عملی طور پر اس طرح کر دکھائی کہ بلا توقف یہ حکم بھیجا کہ حضرت خالدؓ کو سپہ سالاری سے ہٹا کر نائب سپہ سالار کر دیا جاتا ہے تاکہ اسلامی فتوحات کے بارے میں جو خیال پیدا ہو رہا ہے وہ غلط ثابت ہو کیونکہ کسی فردِ واحد کی ذات کو محورِ عز و شرف سمجھ لینا اِسلام کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ عزت اور ذلت اس قادرِ مطلق ہی کے ہاتھ میں ہے۔

(۱) ان حالات کے تحت حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت خالد بن ولید کو تنزل کر کے ملتِ اسلامیہ پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے تاکہ دنیائے عالم کو عملی طور پر بتایا جاتے کہ فتوحات محض خالدؓ بن ولید کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام پر پورے طور پر کاربند رہنے سے ہے۔ مشاہیر پرستی کے اس بڑھتے ہوئے بدنما تخیل کو دور کرنے کے لیے حضرت عمر فاروقؓ نے ثابت کر دکھایا ہے کہ اگر فتوحات کے سلسلہ میں حضرت خالدؓ بن ولید ایسے بے بدل سپہ سالار کو ہٹا بھی دیا جائے تو بھی اسلامی فتوحات کسی طور رک نہیں سکتیں۔

(۲) یوں تو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ حضرت خالد بن ولید کی فوجی مہارت اور ان کی بہادری کے بے انتہا قائل تھے لیکن بعض معاملات میں ان کی عدم احتیاط اور ان کے تہورانہ کارناموں سے شاکی ضرور تھے۔ فاروق اعظم اسلام کی صحیح اور سچی تعلیم کے تحت عدل و انصاف کو عملی طور پر قائم رکھنا چاہتے تھے اور وہ اسی وقت اس بات میں کامیاب ہو سکتے تھے جبکہ ان کے سپہ سالار ملک گیری کے ساتھ ساتھ ملک

داری کے اصول کو بھی اپنا رہے ہوں۔

حضرت خالدؓ بن ولید جہاں صرف ساٹھ جانبازوں کے ساتھ ساٹھ ہزار کے لشکر کو سراسیمہ کر رہے ہیں وہاں عدل وانصاف اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ تہوارانہ روش ہر مقام اور ہر محاذ پر جہاں جو کچھ کا کام ضرور ہے۔ اسلام دنیا میں صرف ملک گیری کے لیے نہیں آیا بلکہ ملک داری تو اس کا پہلا اصول ہے۔

مسلمانوں کا کام دعوت حق کا پہنچانا ہے

اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں کا کام تو صرف دنیا کے گوشہ گوشہ میں دعوتِ حق کا پہنچانا ہے۔ ایسے اہم کام کو سرانجام دینے کے لیے کچھ موانعات درپیش آتے رہتے ہیں۔ ان کو راستہ سے ہٹانے کے لیے مسلمانوں کی تلوار بامر مجبوری میان سے باہر آتی ہے۔ اس لیے ہر محاذ پر پہنچنے سے پہلے مسلمان سپہ سالار اپنے مدمقابل کو دعوتِ اسلام پیش کرتا ہے۔ اگر دشمن اس دعوت کو قبول نہیں کرتا تو مسلمان سپہ سالار امن و امان کی زندگی گزارنے کے لیے ...... "ذمی" ٹھہرنے کی تجویز ان کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی تسلیم نہ کی جائے تو مجبوراً سپہ سالار کی تلوار میان سے باہر آتی ہے تاکہ دشمن کی طاقت جو اسلام کے راستہ میں سدِّ راہ بن رہی ہے اس کو ہٹا کر دنیا میں امن و امان قائم کر دیا جائے۔ یہ بھی اس لیے کہ خاتم النبیین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام رسالت صرف "وادیٔ[1] غیر ذی زرع" کے لیے نہیں تھا اور نہ ہی رحمۃ للعالمین کا وجود گرامی صرف عرب کے لوگوں کے لیے تھا بلکہ ان کا پیغام رسالت قیامت تک کے لیے ہر فرد کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ دنیا کے انسانوں کو پیغام پہنچا دو۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا[2] (اے دنیا کے باسیو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں) اس پیغام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی مراسلہ جات کی صورت میں دنیائے عالم کے حکمران بادشاہوں اور سرداروں کو قاصدوں کے ذریعہ پہنچایا تھا۔ تمام بادشاہوں نے نامہ مبارک کی تعظیم و تکریم کی لیکن خسرو پرویز شاہ ایران نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو پھاڑ دیا اور قاصد کے ساتھ بہت سخت گستاخی سے پیش آیا۔ اسی طرح شرجیل بن عمرو غسانی بصرہ کے عیسائی حکمران نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت حارثؓ بن عمر کو قتل کر دیا تھا۔ جنگ موتہ، غزوہ تبوک اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کی پیشقدمی اس شرجیل غسانی کی سرکوبی کے لیے ہوئی تھی جس کو قیصر روم پوری پوری امداد دے رہا تھا۔

---

[1] جہاں کوئی کھیتی نہ ہوتی ہو (مکہ مکرمہ)

[2] اے لوگو! تم سب کی طرف میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ان ہر دو واقعات کی بنا پر حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں جنگ کے محاذات عراق اور شام کی حدود میں کھل گئے تھے جو بڑھتے بڑھتے حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں قیصر و کسریٰ کے ملکوں میں پھیلتے ہی چلے گئے۔

اسلام ملک گیری کے لیے

نہیں بلکہ ملک داری کے لیے آیا ہے

اسلام کا منشا تبلیغ اور محض تبلیغ ہے۔ البتہ اگر اس تبلیغ کے معاملہ میں شاہانِ وقت رکاوٹ پیدا کریں تو ان کو ذمی ہو کر رہنے کی تجویز پیش کر دی جاتی ہے اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی قابلِ قبول نہ سمجھی جاتے اور دشمن تبلیغ کے معاملہ میں رکاوٹ ہی پیدا کریں تو مجبوراً جنگ لڑنا پڑتی ہے۔ پھر اس ملک گیری کے بعد بھی ملک داری ہی اسلام کے پیش نظر رہی ہے چونکہ حضرت خالدؓ بن ولید کی شمشیر خارا شگاف کے جوہر عراق و شام۔ کے جنگی محاذات میں دشمنوں نے اچھی طرح دیکھ پائے تھے۔ اب ان علاقہ جات میں ملک داری کی ضرورت تھی اس لیے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالد بن ولید سیف اللہ کو نائب سپہ سالار کر دیا اور ان کی بجائے امین الملت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو سپہ سالار اعظم بنا دیا تاکہ حضرت خالد سیف اللہؓ ان کے حکم کے تحت ہو کر کام کیا کریں۔

امیر المومنینؓ نے یہ بہت بڑا جرأت مندانہ قدم اٹھایا کہ عین لڑائی میں حضرت خالدؓ کی تنزلی کے احکامات صادر فرماتے ہیں اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ خالدؓ بن ولید کے کمکی لشکر کو کسی اور کی سپہ سالاری میں واپس عراق بھیجد یا جائے۔

فوج اپنے محبوب اور بہادر سپہ سالار پر جان قربان

کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے

ویسے تو یہ جزوی احکام بھی کم خطرناک نہیں ہیں کہ حضرت خالد بن ولید کا لشکر کسی اور کی سپہ سالاری میں عراق بھیجا جائے" اس لیے کہ فوج اپنے محبوب اور بہادر سپہ سالار کے ساتھ مانوس ہی نہیں ہوتی بلکہ اس پر جان قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ بعض جاں نثار افراد لشکر میں ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو

سپہ سالار اگر ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر سمندر میں بھی پھینک دے تب بھی وہ اُف نہیں کریں گے۔ اور اگر سپہ سالار پر کوئی آنچ آجائے تو ہر ایک سپاہی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرانے میں جھجک محسوس نہیں کرے گا۔

لیکن ایسے ڈسپلن کو کیا کہیں گے کہ نہ تو سپہ سالار نے تعمیلِ حکم میں سرتابی کی اور نہ ہی ان کے کسی فوجی نے اس بارے میں اُف تک کی بلکہ پوری اطاعت اور فرمانبرداری سے ہر فریق نے یوں سمجھا کہ میرا کام اطاعتِ امیر المومنین ہے اور بس چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید کی کمکی فوج جو عراق سے آکر یرموک کے محاذ جنگ میں لڑ رہی تھی اس کو یرموک کی فتح کے فوراً بعد حضرت ہاشمؓ بن عتبہ کی سپہ سالاری میں واپس عراق بھیج دیا گیا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی حقیقی عظمت

پھر اس سپہ سالار کی عظمت کا بھی اندازہ کیجئے جس کے بہادرانہ کارناموں نے روم و ایران کے محلات میں تھرتھراہٹ پیدا کر دی ہو۔ جس نے اسلام کو سربلند کر دکھایا ہو، جس کی شجاعت اور جرأت نے مسیلمہ کذاب اور دیگر متنبیان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا ہو، جس کو سیف اللہ کا لقب۔۔۔ بارگاہِ رسالت سے ملا ہو اور جو یرموک کے میدان جنگ میں سپہ سالار کے فرائض ادا کر رہا ہو اور تیروں کی بوچھاڑ میں اپنی تنزلی کے احکام پڑھ کر سرِ تسلیم خم کر دے اور کسی ہمدرد کے پوچھنے پر مردانہ وار لڑتے ہوئے جواب دے کہ "میں عمرؓ کی خاطر نہیں لڑ رہا بلکہ اسلام کی خاطر لڑ رہا ہوں۔"

کیا دنیا کی تاریخ میں ایسے سپہ سالار کی مثال ڈھونڈنے سے ملتی ہے؟ اس سے زیادہ امیر المومنینؓ کے احکام میں اور کیا للٰہیت ہو سکتی ہے کہ بیعت خلافت لینے کے بعد ہی محاذِ جنگ میں حکم بھیجا جاتا ہے کہ خالدؓ بن ولید کو تنزل کیا جاتا ہے اور اس کے لشکر کو واپس عراق بھیجا جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ایسے نازک حالات میں محاذ جنگ میں کیا بیتے گی اور محاذ جنگ بھی وہ ہے جس میں صرف بتیس[۳۵]، چالیس[۴۰] ہزار سپہ، دشمن کی دو لاکھ سے متجاوز فوج سے ٹکر لے رہی ہے اور پھر محاذ جنگ بھی دشمن کا اپنا ہی ملک ہے۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کے جذبات

آخر ان تمام شخصیتوں کے کردار میں " اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ " کے صاف اور

دُھلے ہوئے جذبہ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ؟؟؟.....

کیا فاروق اعظمؓ کی شخصیت "تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" کی سراپا تفسیر؟ خالد سیف اللہ کے جذبۂ جہاد اور تسلیم و رضا کی شان، اور سپہ عراق کی: اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کے تحت صحیح اطاعت گزاری کے لطیف اور پُرکیف نظارے آنے والی نسلوں کے لیے اسوۂ حسنہ پیش نہیں کریں گے؟؟؟.....

کیا صحابہ کرامؓ کے یہ روشن پہلو رہتی دنیا تک اپنی جھلملاہٹ سے مابعد کے لوگوں کے دلوں سے بغض و عناد کی تاریکیاں دور نہ کرتے رہیں گے؟

امیر المومنینؓ کا تیسرا اہم کام نجران کے عیسائیوں کو یمن سے ترکِ سکونت کرنے کا حکم تھا .....

نجران کے عیسائی روم اور ایران کی حکومتوں سے مسلمان کے خلاف ہمیشہ ساز باز کرتے رہتے تھے اور ان حکومتوں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے تھے۔ اب عراق اور شام فتح ہونے کے بعد ان کی پوزیشن زیادہ مخدوش اس لیے ہوگئی تھی کہ یہ رومیوں کے باقاعدہ جاسوس بن چکے تھے اور رومی ان کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف ہر وقت محاذ جنگ قائم رکھتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا سے رخصت ہونے سے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی کہ جزیرۃ العرب سے یہود اور نصاریٰ کو نکال دیا جائے اور عرب میں کوئی غیر مسلم رہائش پذیر نہ ہو۔

مدینہ منورہ کے بقیہ یہودی ملک شام

اور عراق میں سکونت پذیر ہو گئے تھے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کے یہودی مدینہ کے منافقین سے مل کر ہمیشہ سازش کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرماتے ہی یہودیوں کے تینوں قبیلوں بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے باہم سلامت روی کا عہدنامہ کر لیا تھا لیکن وہ یہودی اس عہدنامہ پر کاربند نہ رہے تھے اور آئے دن کی سازشوں کی وجہ سے بالآخر وہ خیبر، فدک وغیرہ جگہوں میں منتقل ہوتے گئے۔ فتح خیبر کے بعد کچھ یہودی مسلمان ہو گئے تھے۔ بقیہ یہودی ترکِ سکونت کر کے اِدھر اُدھر پھیل گئے تھے لہٰذا حضرت عمر فاروقؓ کے اس حکم کے تحت یہ تمام یہودی ملک شام اور عراق میں آباد ہو گئے تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے مختصر سے دورِ خلافت میں اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ یہود اور نصاریٰ کو نکال کر انہیں دوسرے علاقہ میں آباد کریں۔

نجران کے عیسائی

اب چونکہ مسلمانوں کا قبضہ شام اور عراق کے ملکوں پر ہو گیا تھا اس لیے ملک داری کے تحت امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت یعلیٰؓ بن امیہ کو بھیجا کر یمن جاکر نجران کے عیسائیوں کو کہہ دو کہ وہ شام اور عراق کے ملکوں میں جاکر آباد ہو جاویں اور جزیرہ العرب کو خالی کر دیویں، اس سلسلہ میں ان کو کوئی پریشانی نہ ہوگی بلکہ وہ بڑی سہولت اور آرام سے اپنے نئے گھروں میں آباد ہو جاویں گے۔

عراق کے عیسائیوں کے لیے مراعات

چنانچہ یہ سرکلر جاری کیا گیا جس میں ذیل کی شرطیں درج تھیں:-

- عراق یا شام جہاں جاکر یہ لوگ آباد ہوں وہاں کے افسران کو کھیتی باڑی کرنے کے لیے زمین دلویں ——————
- جب مسلمانوں کے پاس یہ فریاد لے کر جاویں تو وہ ان کی مدد کریں۔
- نجران کی زمینوں کے بدلہ میں انہیں معاوضہ دیا جائے۔
- دو سال تک کے لیے جزیہ معاف کر دیا جائے۔

نجران کے عیسائی ہوں یا خیبر کے یہودی کوئی بھی ہوں وہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے وہ روم اور ایران کی حکومتوں کے لیے جاسوسی کا کام کرتے تھے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیّت فرمائی تھی کہ ان کو جزیرہ العرب سے نکال دیا جائے تاکہ عرب خالص مسلمانوں کے لیے رہ جائے۔

اب ایسے سیاسی دشمنوں سے جو سلوک کیا جاتا ہے ان کو دیکھ کر کون ذی ہوش کہہ سکتا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ ظلم کیا گیا ہے؟

نجران کے عیسائیوں کے لیے ایک متبادل نظام

شرائط کو ایک بار پھر غور سے پڑھیے:-

(۱) حکومت کے ذمہ یہ کام سپرد کیا جاتا ہے کہ جو عیسائی عراق اور شام میں جاکر آباد ہوں حکومت ان کو کھیتی باڑی کے لیے زمین دے۔

(ii) امیر المومنینؓ کی طرف سے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ ان کی فریاد سنیں اور ان کی امداد کریں۔

(iii) پھر ان ذمیوں کی زمین کا معاوضہ ادا کیا جائے گا۔ اس طرح ان ذمیوں کو ترکِ وطن نہیں کرنا پڑا بلکہ ان کو اکٹھا ایک ملک میں آباد کر دیا گیا تاکہ اپنے مذہبی اعتقادات کے مطابق اپنے اپنے رسم اور رواج کرتے رہیں۔

(iv) پھر ان تارکینِ وطن سے حکومت دو سال تک عائد کردہ ٹیکس وصول نہیں کرے گی یعنی (جزیہ) ٹیکس بالکل معاف کر دیا جائے گا۔

اب ہر شخص خود ہی اندازہ کر سکتا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کے لیے یہ جلا وطنی زحمت ہے یا ان کے لیے یہ انتقال مکانی رحمت ہے جن کو اس قدر مراعات دی گئی ہیں۔ یہ تو ان سیاسی دشمنوں اور جاسوسوں کے لیے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ایک متبادل انتظام کیا تھا اور ان کو غیر ملکوں میں دربدر دھکے کھانے سے بچا لیا تھا۔ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ ہی یہودیوں کو بھی عراق اور شام کے علاقہ جات میں آباد کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

فاروقی دورِ خلافت میں فتوحات

گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ کے ہمراہ حضرت ابو عبیدہ بن مسعود ثقفیؓ کی سپہ سالاری میں ایک لشکر عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ بہت جلد حیرہ پہنچ گئے لیکن حضرت ابو عبیدہ بن مسعود ثقفیؓ راستہ میں عرب قبائل سے مجاہدین کی ایک کثیر تعداد اپنے لشکر میں شامل کرتے ہوئے قریباً ایک ماہ بعد حیرہ پہنچے۔ اس عرصہ میں رستم ایرانی سردار نے سواد اور حیرہ کے سرداروں کو جمع کر کے ایک لشکر جرار حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ دوسری طرف شاہی خاندان کے ایک آزمودہ کار جرنیل نرسی کو ایک زبردست فوج دے کر کسکر کی جانب روانہ کیا اور تیسری طرف سے ایک بڑا لشکر جرار جابان سردار کی سپہ سالاری میں دریائے فرات کے نشیبی حصہ کی جانب بھیج دیا تاکہ ہر طرف سے مسلمان حملہ آوروں کا راستہ روک لیا جائے۔

نمارق کی فتح

حضرت ابو عبیدہ بن مسعود ثقفیؓ نے سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے حضرت مثنیٰؓ کو کچھ

فوج دے کر خفان کے مقام پر چھوڑا اور خود فوج کا دوسرا حصہ لے کر جابان کے مقابلہ کے لیے نمارق پہنچ گئے۔ ابو عبیدہؓ سپہ سالار بہت دلیری کے ساتھ فوج کے ایک دستہ کو لے کر ایرانی لشکر کے قلب میں جا گھسے۔ دوسرے سرداروں نے بھی اپنے سپہ سالار کی پیروی کی۔ بہت کشت وخون کے بعد ایرانی فوج شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی اور اس کا سپہ سالار جابان کو ایک مسلمان بہادر مجاہد مطر بن فضہ نے گرفتار کر لیا۔ مطر بن فضہ سپہ سالار جابان کو نہ پہچانتے تھے۔ جابان نے بڑی ہوشیاری سے کہا کہ مجھ بوڑھے کو گرفتار کر کے کیا لوگے؟ میں اپنے عوض تم کو دو اچھے غلام دے دیتا ہوں، مجھے امان دے دی جائے۔ مطر بن فضہ اس پر راضی ہو گئے اور جابان کو رہا کر دیا۔

سپہ سالارِ اسلام مجاہد کی عطا کردہ امان کو تسلیم کر لیتا ہے

جابان تھوڑی ہی دُور گیا ہو گا کہ کسی اور مسلمان مجاہد نے اسے پہچان لیا وہ پکڑ کر اسے اپنے سپہ سالار ابو عبیدہؓ بن مسعود کے پاس لے گیا کہ یہ دشمن کی فوج کا سپہ سالار ہے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اس پر جابان نے کہا کہ مجھے آپ کے ایک فوجی نے امان دے دی ہے اور آپ کے ہاں عہد شکنی نہیں ہے اس پر مطر بن فضہ کو بلایا گیا، انہوں نے کہا کہ میں نے امان دے دی ہے چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار نے مطر بن فضہ کی عطا کردہ امان کو تسلیم کرتے ہوئے جابان کو چھوڑ دیا اور وہاں سے جابان سیدھا کسکر نرسی سردار کے پاس پہنچ گیا۔

رستم مدائن میں بیٹھا ہوا تھا جب اس کو معلوم ہوا کہ جابان شکست کھا چکا ہے اس نے جالینوس سردار کی سرکردگی میں ایک جرار لشکر نرسی کی امداد کے لیے بھیجا۔ نرسی پہلے ہی تیس ہزار کا لشکر لیے کسکر میں اسلامی فوجوں کا منتظر تھا۔

کسکر کی فتح

حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار نے نرسی کو کمکی لشکر پہنچنے سے پہلے ہی میدانِ کارزار گرم کر دیا بڑا گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت مثنیٰؓ اور دیگر سردار قلب، میمنہ، میسرہ پر خوب بہادری سے لڑ رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ابو عبیدہؓ نے ایک لمبا چکر کاٹ کر عقب سے ایرانی فوج پر حملہ کیا۔ ایرانی فوج اس اچانک حملے سے گھبرا گئی۔ مسلمانوں نے بڑے زور شور سے حملہ کیا ایرانی فوج بھاگ کھڑی ہوئی کسکر پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد بھاگنے والوں کا تعاقب کیا گیا۔ اس طرح ارد گرد کا علاقہ بھی مسلمانوں کے

قبضہ میں آگیا

باقشیا کی فتح

جالینوس جو کمکی فوج لے کر آیا تھا وہ باقشیا میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار نے اس پر حملہ کیا۔ جنگ کی حالت دیکھکر وہ بھاگ کھڑا ہوا، نرسی پہلے ہی جان بچاکر بھاگا ہوا تھا۔ اس طرح باقشیا پر بھی آسانی سے قبضہ ہوگیا۔ جالینوس اور دیگر سردار بھاگ کر مدائن دارالخلافہ میں پہنچ گئے وہاں رستم نے اسلامی سپہسالار کو روکنے کےلیے بہمن جادویہ کو سپہ سالار مقرر کیا اور ایک لشکر جرار اس کے ہمراہ کردیا اور دوسرے سرداروں کو علیحدہ علیحدہ لشکر دے کر بہمن جادویہ کی کمک کے لیے بھیجا۔ اس دفعہ لشکر کے ساتھ جنگی ہاتھی شامل کردیئے۔ اس بہت بڑے لشکر نے دریائے فرات کے کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا، اور مسلمانوں کے لشکر کا انتظار کرنے لگا۔

دریائے فرات کے کنارے پر ایرانی فوج تھی اور دوسرے کنارے پر حضرت ابو عبیدہؓ ثقفی اپنے لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ اس مقام پر دریا کا پُل نہیں تھا۔ چنانچہ باہم مشورہ سے پُل تیار کیا گیا بعد میں ایرانی سپہ سالار نے کہلا بھیجا کہ آپ دریا کو عبور کرکے آئیں گے یا ہم دریا کو عبور کرکے آئیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ ہم دریا کو عبور کرکے آتے ہیں۔ اسلامی لشکر دریا کو عبور کرکے دوسری جانب پہنچا۔ تھوڑی دیر کے بعد لڑائی شروع ہوگئی۔ ایرانیوں نے سب سے آگے جنگی ہاتھیوں کی دیوار کھڑی کردی۔ جس پر ایرانی تیر انداز بیٹھے تھے۔ عربوں نے جنگی ہاتھیوں کو اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ تیراندازوں نے تیر برسانے شروع کردیئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حکم دیا کہ ان ہاتھیوں کی سونڈ اور پاؤں کاٹ دو۔ چنانچہ سپہ سالار نے پیدل ہوکر تلوار سے ہاتھیوں کی سونڈوں پر حملہ کیا۔ سواروں اور تیر اندازوں کو نیچے گرا کر قتل کرنا شروع کردیا۔

ہاتھی بے قابو ہوکر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ سپہ سالار نے قلب میں گھس کر حملہ شروع کردیا۔ بہت ہی خونریز جنگ ہورہی تھی۔ کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ اتنے میں ایک سفید ہاتھی نے حضرت ابو عبیدہؓ پر حملہ کیا۔ آپ نے بڑی چابکدستی سے اس کی سونڈ پر بھرپور وار کیا۔ سونڈ کٹ کر علیحدہ جا گری۔ ہاتھی نے اس دہشت میں بڑھکر حضرت ابو عبیدہؓ کو مار گرایا اور ان کی چھاتی پر پاؤں رکھ کر ان کو مسل دیا۔ یہ حالت دیکھکر حضرت ابو عبیدہؓ کے بھائی نے عَلم سنبھالا وہ بھی شہید ہوگئے۔ اور اس کے بعد چھ ثقفی بہادران ہاتھیوں کے ریلے میں شہید ہوگئے۔ اسلامی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ اتنے میں عبداللہ

مرید ثقفی نے دریا کے پُل کو توڑ دیا تاکہ بھاگنے کا خیال ہی پیدا نہ ہو۔ لیکن اسلامی لشکر دریا کے پار پہنچ کر اپنی جگہ لینا چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ اس طرح پیچھے ہٹنے میں کچھ مجاہد دریا میں ڈوب گئے اور کچھ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ آخر حضرت مثنیٰؓ اور ابو محجن ثقفی اور دیگر سرداروں نے ایرانی ریلے کو جوانمردی سے روکے رکھا اور کچھ لوگ از سر نو پل کو تیار کرنے لگ گئے۔ جب پل تیار ہو گیا تو بقیہ فوج کو پل پر سے گزارا اور سب کے بعد حضرت مثنیٰؓ اور دیگر سردار پل کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

اب ایرانیوں میں یہ حوصلہ ہی نہ رہا تھا کہ دریا کو عبور کر کے مسلمانوں کا تعاقب کرتے۔ تاہم اندازہ ہوا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو اور جنگوں کی نسبت جانی نقصان زیادہ ہوا یعنی نو ہزار میں سے چھ ہزار اور دیگر روایت کے مطابق چار ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ شہداء میں حضرت سلیط بن قیس، عقبہ، عبداللہ پسران قبطی بن قیس، ابو زید رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ شامل تھے۔ یوں تو ایرانی لشکر لاکھوں کی تعداد میں تھا اور اس کے مقابلہ میں اسلامی لشکر کی صرف نو ہزار کی تعداد کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی لیکن مسلمانوں کی ہزیمت کی وجہ تعداد کی قلت و کثرت نہ تھی بلکہ اس کے وجوہ ذیل تھے۔

جنگ جسر میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب

- سپہ سالار کی جلد بازی کیونکہ وہ نشۂ جہاد میں سرشار تھے۔
- پل کو عبور کر کے تھوڑے عرصہ میں از سر نو صف بندی کی گئی۔
- عربوں نے پہلی دفعہ جنگی ہاتھیوں کو میدان جنگ میں دیکھا تھا۔
- سپہ سالار کے جام شہادت نوش کرنے پر ایک سردار نے جوش میں آ کر پل کو توڑ دیا تاکہ بھاگنے کا خیال ہی دل میں نہ آئے۔ اس ہزیمت اور بھگدڑ کے بعد نائب سپہ سالار اور بہادر سردار لشکر کے اکھڑے ہوئے پاؤں کو جمانے کے لیے دریا کے دوسری طرف محاذ جنگ قائم کرنا چاہتے تھے لیکن پل ٹوٹنے کی وجہ سے یہ تدبیر بھی کارگر ثابت نہ ہو سکی۔

نائب سپہ سالار نے آخر پل کی دوبارہ مرمت کروائی اور ایرانی ریلے کو بڑی بہادری سے روکے رکھا۔ اس طرح بچی کھچی فوج کو دریا کے پار لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ ادھر دشمن کی لاتعداد فوج کو ہمت ہی نہ ہوئی کہ مسلمانوں کا تعاقب کر سکیں۔ ایرانی سپہ سالار نے یہی غنیمت سمجھا کہ مسلمانوں کو دریا کے دوسری طرف دھکیل دیا ہے۔ اس جنگ میں بے شمار ایرانی کام آئے اور سپہ سالار نے مسلمانوں کی اس ہزیمت کو غنیمت سمجھتے ہوئے دارالخلافہ مدائن کی طرف کوچ کیا۔

یہ جنگ جسر کے نام سے مشہور ہے جو شعبان ۱۳ھ میں دریائے فرات کے کنارے پر لڑی گئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن مسعود ثقفی کی شہادت کی خبر اور مسلمانوں کے اس... نقصان عظیم کی اطلاع جب مدینہ منورہ میں پہنچی تو امیر المومنینؓ کو بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ انہوں نے زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور ساتھ ہی حضرت مثنیٰؓ کو حکم دیا کہ عرب علاقہ جات سے بھرتی شروع کر دی جائے۔ ادھر رستم وزیر جنگ اور وزیر اعظم کو مسلمانوں کی تیاری کا علم ہوا تو ایک لشکر جرار مہران ہمدانی کی سپہ سالاری میں بویب کے مقام پر بھیج دیا جس میں جنگی ہاتھی بھی تھے۔ مہران ہمدانی کو سپہ سالار بنانے کی غرض یہ تھی کہ اس کی پرورش عرب علاقہ میں ہوئی تھی۔ بہر حال مہران ہمدانی سپہ سالار اپنی بے شمار فوج کے ساتھ دریائے فرات کے ایک طرف خیمہ زن ہو گیا۔ دریا کے دوسری طرف عین مقابل میں اسلامی لشکر صف آرا تھا۔

جنگ بویب میں مسلمانوں کی فتح عظیم

مہران نے کہلا بھیجا کہ آپ دریا عبور کر کے آئیں گے یا ہم دریا کو عبور کریں؟ حضرت مثنیٰؓ کو جنگ جسر میں تجربہ ہو چکا تھا کہ دریا کو عبور کرنا فوجی نقطہ نگاہ سے اچھا نہیں رہا تھا اس لیے انہوں نے مہران کو کہلا بھیجا کہ آپ ہی دریا کے اس طرف آجائیں۔ چنانچہ ایرانی لشکر دریائے فرات کو عبور کر کے دوسرے طرف پہنچ گیا اور صف بندی اس طرح کی کہ سب سے پہلے پیادہ فوج اس کے بعد جنگی ہاتھیوں کی قطاریں جن پر تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان ہاتھیوں کے دائیں بائیں گھوڑ سوار اور پیادہ فوج تھی۔ اس دفعہ بڑے زور کا حملہ ہوا تھا۔ ایرانی مقابلہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے لگے۔ اتنے میں حضرت مثنیٰؓ نے آگے بڑھ کر پل توڑ دیا اور ساتھ ہی جنگی ہاتھیوں اور سپاہ پر یک دم حملہ کر دیا۔ ایرانی بہت بدحواس ہو کر بھاگنے لگے لیکن پل ٹوٹنے کی وجہ سے بہت سے دریا میں ڈوب گئے اور بقیہ مقتول ہوئے۔ سپہ سالار مہران بھی قتل ہوا۔ اس جنگ میں ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے اور مسلمانوں میں صرف ایک سو شہید ہوئے۔ یہ جنگ رمضان المبارک ۱۳ھ میں ہوئی۔

اس جنگ کی اطلاع جب دار الخلافہ مدائن میں پہنچی تو ایرانی اپنے تمام اندرونی جھگڑے ختم کر کے متحد ہو گئے اور یہ بات بھی عوام میں مشہور ہو گئی کہ چونکہ ایران کے تخت پر عورت بیٹھی ہوئی ہے اس وجہ سے ایرانی مغلوب ہو رہے ہیں۔

ایرانیوں نے بوران عورت کی بجائے یزدجرد کو بادشاہ بنا دیا

ایرانی سرداروں نے مشورہ کر کے بوران کو تخت سے اتار دیا اور یزدجرد کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور اب اس

کی سرکردگی میں بہت تیاریاں کرنے لگے اور تمام فوج گرد و نواح کے قلعوں میں جمع کر دی اور عام لام بندی شروع ہو گئی۔ اس جوش و خروش کو دیکھ کر چھوٹے چھوٹے قلعے جو مسلمانوں نے فتح کیے تھے وہاں کے لوگ بھی باغی ہونے شروع ہو گئے۔ جب ان حالات کی اطلاع بارگاہِ خلافت میں پہنچی تو امیر المومنینؓ نے حضرت مثنیٰؓ کو حکم دیا کہ مضر اور ربیع کے عرب قبائل کو فوج میں بھرتی کر لیں اور وہ علاقہ جات جو مخدوش سمجھے جاتے ہیں وہاں سے اپنی فوج کو ہٹا لو اور پوری تیاری کر کے مزید احکام کے منتظر رہو۔

ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے

عرب میں جہاد کا اعلان کر دیا گیا

ادھر امیر المومنین نے عرب جنگجو قبائل کو جہاد کے لیے جمع ہونے کا حکم دیا۔ جنگ بویب رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوئی تھی اس کی اطلاع ذیقعدہ میں مدینہ منورہ پہنچی۔ امیر المومنینؓ نے حج سے فارغ ہو کر جنگ کے لیے پوری تیاری شروع کر دی۔ اور اس دفعہ امیر المومنینؓ نے خود محاذ جنگ پر پہنچنے کا ارادہ کیا۔ لوگ بھی مدینہ منورہ میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر خود بطور سپہ سالار فوج کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ لیکن چشمہ صرار پر پہنچ کر رک گئے اور تمام فوج اور صائب الرائے حضرات سے اپنے جانے کے بارہ میں مشورہ کیا۔ مجاہدین کی کثرت رائے یہ تھی کہ امیر المومنینؓ میدان جنگ میں خود سپہ سالاری کے فرائض انجام دیں۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ میں اس رائے کے خلاف ہوں اگر میدانِ جنگ میں سپہ سالار کو خدانخواستہ ہزیمت ہو جائے تو خلافت سے فوراً انتظام ہو سکتا ہے لیکن اگر امیر المومنین بذاتِ خود میدان جنگ میں ہوں تو کمکی لشکر کون روانہ کرے گا۔ حضرت علیؓ کو بھی مدینہ منورہ سے اس مشورہ کے لیے بلا لیا گیا۔ اجلہ صحابہؓ کی رائے اس معاملہ میں یہی تھی کہ امیر المومنین مدینہ منورہ میں ہی رہیں اور وہیں سے احکام روانہ کرتے رہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ سپہ سالار کس کو بنا کر بھیجا جائے۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح اور حضرت خالدؓ بن ولید ملکِ شام میں رومیوں کے مقابلہ میں صف آرا ہیں اور وہ محاذ جنگ بھی بہت زبردست ہے۔ آخر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دینے کے لیے میں ایک بہترین آدمی کا نام پیش کرتا ہوں چنانچہ انہوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا نام بطور سپہ سالار پیش کیا۔ امیر المومنین اور دیگر صحابہؓ نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور بڑے پائے کے صحابی ہیں۔ وہ اس وقت ہوازن

کے قبیلہ میں صدقات وصول کر رہے تھے ان کو فوراً بلایا گیا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنا کام کسی اور کے سپرد کیا اور بہت جلد امیر المومنینؓ کے پاس چشمۂ ضرار میں پہنچ گئے ان کو سپہ سالار بنا دیا اور فوری طور پر چار ہزار سپاہ کا لشکر ان کے ساتھ کر دیا اور حکم دیا کہ حضرت مثنیٰ ابنؓ کی فوج سے جا ملو وہ ذی وقار کے گاؤں میں ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ بعد میں امیر المومنینؓ نے مزید چار ہزار جانباز حضرت سعدؓ کی کمک کو روانہ کر دیئے۔ ادھر حضرت مثنیٰ ابنؓ حضرت سعدؓ کا انتظار کر رہے تھے ان کے پاس اس وقت آٹھ ہزار فوج تھی۔ جنگ جسر کے موقعہ پر حضرت مثنیٰ ابنؓ کو ایک کاری زخم آیا تھا جو بڑھتے بڑھتے آخر ان کی موت کا باعث ہوا۔ اس طرح اس نئے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت مثنیٰ ابنؓ انتقال فرما چکے تھے۔

امیر المومنینؓ حضرت عمر فاروقؓ نے ایام جاہلیت میں تجارت کے سلسلہ میں ملک عراق کو اچھی طرح سے دیکھا ہوا تھا، اس کی چپہ چپہ زمین سے واقف تھے بدیں وجہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر ذی وقار میں پہنچ کر حضرت مثنیٰ ابنؓ کی آٹھ ہزار فوج کو لشکر میں شامل کر لیں۔ امیر المومنین نے حضرت سعدؓ کو روانہ کرتے ہوئے راستہ کی بھی نشاندہی کر دی تھی۔ اس لیے ثعلبہ کے مقام پر بنی اسد کے تین ہزار جنگجو مجاہدین امیر المومنین کے حکم سے حضرت سعدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اس طرح جب سپہ سالار سیرف میں پہنچے تو دو ہزار مجاہد سپہ سالار کے لشکر میں اور شامل ہو گئے۔ اسی جگہ حضرت مثنیٰؓ کا بھائی معنیٰ بن حارثہ آٹھ ہزار فوج لے کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی خدمت میں حاضر ہوا اور ضروری ہدایات جو حضرت مثنیٰ ابنؓ بن حارثہ نے مرتے وقت بطور وصیت فرمائی تھیں وہ سپہ سالار تک پہنچا دیں۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے تمام فوج کا جائزہ لیا تو بیس تیس ہزار مجاہدین کی تعداد تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان میں ستر بدری اور تین صد بیعت رضوان میں شامل ہونے والے صحابہؓ ہیں۔

امیر المومنین نے قادسیہ کے میدان میں

صف آرائی کرنے کا حکم دیا

ابھی سپہ سالار سیرف ہی میں تھے کہ امیر المومنین کی طرف سے حکم پہنچا کہ قادسیہ میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالو اس طریق پر کہ ایران کی سرزمین تمہارے سامنے ہو اور پہاڑ تمہارے پیچھے ہو۔ فتحیابی نصیب ہو گی تو ملک فارس کی سرزمین کی طرف بڑھتے جاؤ اور اگر خدانخواستہ معاملہ پیچھے ہٹنے کا ہوا تو خوب تیاری کر کے پھر دوبارہ حملہ آور ہو جاؤ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ دربار ایران میں سفراء کو دعوتِ اسلام دے کر بھیجو تاکہ اتمام حجت ہو جائے اگر

اسلام قبول کرلیں فہو المراد۔ ورنہ دعوت کے رد کرنے کی ذمہ داری انہیں پر عائد ہوگی۔

امیر المومنین کے حکم سے دربار ایران میں

سفراء دعوتِ اسلام کی غرض سے بھیجے گئے

ایرانیوں نے پورے جوش وخروش سے تیاری شروع کردی اور ساتھ ہی یزدجرد شاہ ایران نے رستم کو حکم دیا کہ وہ خود مقابلہ کے لیے جائے اور ان حملہ آوروں کو قادسیہ کی زمین میں دفن کردے۔ تاکہ آئے دن کا جھگڑا ہی ختم ہو جائے مگر رستم اس جنگ کو ٹالنا چاہتا تھا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے امیر المومنین کے حکم سے نہایت سلجھے ہوئے وجیہ اور خوش گفتار صحابہؓ کو سفیر بنا کر یزدجرد کے دربار میں دعوتِ اسلام کی غرض سے بھیجا وہ اس وقت اپنے دارالخلافہ (مدائن) میں تھا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے یزدجرد شاہ ایران کو اطلاع بھیجی کہ سفراء کا ایک وفد اگلے روز تمہارے دربار میں پہنچے گا۔ شاہ ایران نے پورے تجلّیِ شاہانہ کے ساتھ دربار کو سجانے کا حکم دیا۔

سفراء جو دربار ایران میں بھیجے گئے

مندرجہ ذیل صحابہؓ مدائن میں یزدجرد کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجے گئے۔

- مغیرہ بن شعبہ
- عاصم بن عمر
- نعمان بن مقرن
- قیس بن زرارہ
- اشعث بن قیس
- عمرو بن معدیکرب
- معنیٰ بن حارثہ
- عطارد بن حاجب
- عدی بن سہل
- حنظلہ بن ربیع

- بشیر بن راہم
- فرات بن حبان رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین

یہ لوگ اپنی سادہ اور آزادانہ وضع سے جب ایرانی دربار میں داخل ہوئے تو تمام درباری حیران ہو گئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فتوحات حاصل کرتے کرتے ایران کے پایہ تخت تک پہنچ گئے ہیں۔

یزدجرد شاہ ایران نے مترجم کے ذریعے اس وفد سے کہا کہ تم وہ لوگ نہیں تھے جن کو کھانے پینے کی تمیز نہ تھی اور دنیا میں احمق اور ذلیل سمجھے جاتے تھے جب کبھی تمہارے ہاں گڑبڑ پیدا ہوتی تو ہم اپنے گورنر یا اہلکار کے ذریعہ تمہیں درست کر دیا کرتے اب تمہیں اس قدر جرأت کیوں ہو گئی ہے؟

اس پر حضرت نعمانؓ بن مقرن نے کہا کہ ہم کفر اور شرک کو مٹانے کے لیے دنیا کے ہر گوشے میں پہنچ رہے ہیں اور سب کے سامنے اسلام پیش کرتے ہیں تاکہ دنیا میں امن وامان قائم ہو جائے۔ جو لوگ ہماری اس دعوت اسلام کو قبول کر لیتے ہیں وہ امن وامان سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اور جو دعوت اسلام کو قبول نہیں کرتے وہ ہماری پناہ میں آجاتے ہیں، ہم ان کی جان ومال کی حفاظت کے بدلہ میں جزیہ وصول کرتے ہیں۔ اور اگر ان دونوں باتوں کا انکار کر دیا جائے تو تلوار درمیان میں آتی ہے جو ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیتی ہے۔

سفارت ناکام ثابت ہوئی

اتنی بات سن کر شاہ ایران آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر سفیروں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی بچ کر زندہ سلامت نہ جاتا۔ ہماری اب بھی تم پر یہ مہربانی ہے کہ تمہیں کچھ غلہ اور کپڑے وغیرہ مہیا کر دیں تاکہ یہ لے کر تم واپس اپنے ملک میں چلے جاؤ اور تم پر کوئی حاکم مقرر کر دیں گے جو تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہے۔ اس بات کو مترجم سے سن کر حضرت قیسؓ بن زرارہ نے کہا اے بادشاہ! تمہارے سامنے جو لوگ کھڑے ہیں یہ شرفائے عرب میں سے ہیں یہ تمہیں جواب دینا نہیں چاہتے، میں ان کی طرف سے جواب دیتا ہوں، جو کچھ تم نے ہمارے بارے میں کہا ہے ہم اس سے بھی بہت برے تھے ہر قسم کے عیوب اور نقائص ہم میں پائے جاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری اور تمام جہان کی ہدایت کے لیے ایک نبی کو بھیجا ہے۔ ہم اسلام اور امن وامان کی دعوت کو ہر خطہ میں پہنچا رہے ہیں اس لیے تم یا تو اسلام قبول کر لو ورنہ جزیہ دینا قبول کر لو۔ تیسری صورت یہی ہے کہ تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔

مٹی سے بھری ہوئی ٹوکری امیر وفد نے

اپنے سر پر رکھ کر نیک تفاؤل لیا

یہ سن کر بادشاہ آگ بگولا ہوگیا اور اس نے حکم دے دیا کہ ایک ٹوکری مٹی سے بھری ہوئی لاؤ اور جوان کا سردار ہے اس کے سر پر رکھ دو اور ساتھ ہی کہا کہ عنقریب رستم تم سب کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔ مٹی سے بھری ہوئی ٹوکری لائی گئی اور حضرت عاصم بن عمر نے بڑھ کر اپنے سر پر اٹھالی کہ میں سردار ہوں۔ مٹی سے بھری ہوئی ٹوکری لے کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے سپہ سالار کے پاس خوشی خوشی واپس پہنچے اور کہنے لگے کہ فتح مبارک ہو! دشمن نے اپنے ملک کی مٹی از خود دے دی ہے اس تفاؤل سے حضرت سعد بن ابی وقاص بھی بہت مسرور ہوئے۔

اس سفارت کے بعد شاہ ایران نے ساباط میں رستم کے پاس حکم بھیجا کہ فوراً جنگ چھیڑ دی جائے اور ساتھ ہی تازہ دم فوج اور بھیج دی۔ چنانچہ رستم ساباط سے قادسیہ روانہ ہوا۔ یہ فاصلہ اگرچہ تیس، چالیس کوس کا تھا لیکن رستم نے قادسیہ پہنچنے میں کئی مہینے لگا دیئے۔ رستم درحقیقت لڑنے سے گریز کر رہا تھا، قادسیہ پہنچ کر بھی اس نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کہلا بھیجا کہ کسی آدمی کو ہمارے پاس بھیج دو تاکہ مصالحت کی صورت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے حضرت ربعیؓ بن عامر کو سفیر بنا کر رستم کے دربار میں بھیجا۔ رستم نے بڑی شان و شوکت سے دربار سجایا ہوا تھا اور خود سونے کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اردگرد قیمتی قالین بچھائے ہوئے تھے، حریر و دیبا کے پردے لٹکا رکھے تھے۔

رستم کے دربار میں

حضرت ربعیؓ بن عامر بطور سفیر گئے

حضرت ربعیؓ بن عامر جس شان استغناء سے رستم کے دربار میں گئے وہ بھی ایرانیوں کے لیے بہت تعجب خیز تھی۔ آپ گھوڑے سے نہیں اترے سیدھے تخت کے پاس جا کر گھوڑے کی باگ کو خیمہ کی ایک طناب سے اٹکا دیا پھر نیزے کی انی سے قالین وغیرہ کو چھیدتے ہوئے رستم کے برابر تخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اس پر تمام درباری سٹ پٹا گئے لیکن ربعیؓ بن عامرؓ فرمانے لگے کہ ہمارے عقیدہ کے خلاف ہے ایک

شخص خدا بن کر بیٹھا رہے اور باقی تمام لوگ غلاموں کی طرح اس کے سامنے کھڑے ہوں ۔۔۔۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت ربعیؓ بن عامر خود ہی تخت سے اترے اور اپنے چہرے سے قالین کو چھید کر اس کا کچھ حصہ کاٹ دیا اور نیچے سے جب زمین نکلی آئی تو اس زمین کے فرش پر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ ہمیں سونے چاندی کے تختوں پر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے ۔ اس کے بعد حضرت ربعیؓ بن عامر نے کہا کہ ہمارا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ اسلام قبول کر لو یا جزیہ دے کر اپنے آپ کو محفوظ کر لو دگرنہ تلوار سے فیصلہ ہو جائے گا ۔

رستم اور حضرت ربعیؓ کی گفتگو

رستم نے حضرت ربعیؓ بن عامر کی تلوار کے میان کو دیکھ کر کہا کہ تلوار کا یہ میان تو بہت پرانا ہے ۔

حضرت ربعیؓ نے تلوار میان سے باہر نکال کر کہا کہ کل ہی تو میں نے اس تلوار کو آب دی ہے اس کی کاٹ بہت اچھی ہے ۔

پھر نیزے کی انی دیکھ کر رستم نے کہا کہ یہ انی میدان جنگ میں کیا کام آئے گی؟

حضرت ربعیؓ بن عامر نے کہا کہ کیا نہیں دیکھتے کہ آگ کی چنگاری سب چیز کو بھسم کر دیتی ہے ۔ یہ انی سیدھی دشمن کے سینہ میں پیوست ہو جائے گی ۔

رستم نے حضرت ربعیؓ سے پوچھا کہ کیا تم سردار ہو؟

حضرت ربعیؓ نے جواب دیا کہ میں تو ادنیٰ سپاہی ہوں لیکن ہم میں ہر ایک با اختیار ہے وہ جو فیصلہ کر دیتا ہے تمام لشکر اس پر کاربند ہو جاتا ہے ۔

اس گفتگو کے بعد رستم نے انہیں رخصت کیا اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ سپہ سالار کل پھر کسی آدمی کو بھیج دیں ہم آپ کی باتوں پر غور کر لیں ۔

حضرت حذیفہ بن محض کا سفیر بننا

دوسرے دن حضرت حذیفہؓ بن محض کو بھیجا گیا ، وہ دربار میں گھوڑے سے نہیں اترے ۔ رستم نے کہا کہ کیا بات ہے ۔ آج آپ آئے کل والے صاحب کہاں ہیں ؟

حضرت حذیفہؓ بن محض نے کہا کہ ہمارا امیر ہم میں عدل کرتا ہے ، آج میری باری آئی ہے ۔ اس پر رستم نے کہا کہ معاملہ پر غور کرنے کی کتنی مہلت ہے ؟ حضرت حذیفہؓ بن محض نے جواب دیا " صرف تین دن ۔۔

..... یہ کہہ کر حضرت حذیفہؓ چلے آئے۔

تیسرے روز حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا سفیر بننا

تیسرے روز رستم نے پھر کسی سفیر کے لیے کہلا بھیجا۔اس دفعہ حضرت مغیرہ بن شعبہ تشریف لے گئے۔ان کو رستم نے پہلے لالچ دینے کی کوشش کی پھر دھمکایا۔اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ نے وہی تین باتیں دُہرا دیں "اسلام یا جزیہ یا لڑائی"

اس بات سے رستم بہت زیادہ برافروختہ ہوگیا اور کہا کہ اب صلح نہیں کی جائے گی۔حضرت مغیرہؓ بن شعبہ رستم کے دربار سے اٹھ کر اپنے کیمپ میں تشریف لے آئے۔

اس کے بعد رستم نے تمام صلح کی تجاویز ختم کر دیں اور لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔جہاں یہ دونوں لشکر ٹھہرے ہوئے تھے ان کے درمیان ایک دریا حائل تھا۔رستم نے حضرت سعدؓ کو کہلا بھیجا کہ دریا کے اس پار آپ آئیں گے یا ہم آپ کی طرف آئیں۔حضرت سعدؓ نے کہلا بھیجا کہ آپ ہی ادھر آجائیں۔چنانچہ مکمل طور پر مسلح اور آہن پوش لشکر دریا کو عبور کر کے صفوف درست کرنے لگا۔

جنگِ قادسیہ کا پہلا روز

رستم نے میمنہ اور میسرہ کو آہن پوش فوجوں سے آراستہ کیا کچھ جنگی ہاتھی بھی دائیں بائیں پھیلا دیئے اور خود ایک جرار لشکر لے کر جنگی ہاتھیوں اور تیراندازوں کی جمعیت کے ساتھ قلب میں بیٹھ کر کمان کرنے لگا اس کے مقابلہ میں اسلامی فوج پچیس، تیس ہزار سے زائد نہ تھی۔

اتفاق کی بات ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو عرق النسار کی مرض تھی اور ٹانگ پر ناسور بھی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے اپنی بجائے انہوں نے حضرت خالدؓ بن عرفطہ کو اس روز سپہ سالار بنا دیا اور خود ایک چھوٹے سے ایرانی کوٹھے کی چھت پر بیٹھ کر مناسب ہدایات دینے لگے اور سب سے پہلے مبارزت کا طریق شروع ہوا۔

ایرانی فوج سے ہرمز ایک شہزادہ للکارتا ہوا نکلا جو مسلح ہونے کے علاوہ سونے کا تاج بھی سر پر رکھے ہوئے تھا۔اس کے مقابلہ میں غالب بن عبداللہ میدان میں اترے۔انہوں نے جاتے ہی ایسی چابکدستی سے حملہ کیا کہ ہرمز کو زندہ گرفتار کر لائے اور اس کو حضرت سعدؓ سپہ سالار کے سپرد کر آئے۔

اس کے بعد دوسرا شہسوار ڈکارتا ہوا میدان میں اترا۔اس کے مقابلہ میں حضرت عاصمؓ بن عمرؓ آئے۔دو

چار وار کے بعد وہ شہسوار گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اپنے لشکر کی طرف جانے لگا۔ حضرت عاصمؓ بن عمر نے اپنے گھوڑے کو ایڑی دے کر سرپٹ کیا اور جاتے ہوئے شہسوار کو آگے سے روکنے کی بجائے شہسوار کے گھوڑے کی دم کو پکڑ کر بمعہ سوار گھوڑے کو گھسیٹ لیا اور شہسوار کو زندہ ہی گرفتار کر لائے۔

تیسرے ایرانی شہسوار کو بھی عمرو بن معدیکرب نے زندہ گرفتار کر لیا یہ دیکھ کر رستم زابلستانی نے جنگ مغلوبہ شروع کر دی اور ہاتھیوں کا ریلا اسلامی فوج کی طرف اس زور سے آیا کہ فوج میں ابتری پھیل گئی۔ اس ریلا کو حضرت سعدؓ سپہ سالار کی ہدایت کے مطابق قبیلہ بنی اسد اور بنی کندہ نے روکا۔ پھر ان پر یک دم حملہ کر دیا۔ جس سے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس وقت رستم نے تمام ایرانی فوج کو اسلامی فوج سے بھڑا دیا۔ تیر اندازوں کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا کیونکہ وہ ہاتھیوں پر سوار تھے۔ آخر ان ہاتھیوں کی سونڈوں پر حملہ کیا گیا اور ہاتھی قدرے پیچھے ہٹے تو دست بدست لڑائی ہوئی۔ رات کی تاریکی نے دونوں فوجوں کو اپنے اپنے کیمپ میں پہنچا دیا۔

جنگ قادسیہ کا دوسرا روز

دوسرے روز حضرت سعد بن ابی وقاص نے شہداء کی لاشوں کو ایک جگہ دفن کیا، کم و بیش تعداد پانچ سو تھی۔ اتنے میں ہاشم بن عتبہ کی سرداری میں چھ ہزار مجاہدین یرموک سے واپس آ گئے اور عین موقعہ پر جنگ میں شریک ہو گئے۔

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ یہ وہ کمکی لشکر تھا جو حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں ان کے حکم سے حضرت خالدؓ بن ولید لے کر شام گئے تھے اور وہ لشکر حضرت خالدؓ کی سرکردگی میں یرموک کی جنگ میں لڑتا رہا۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے وصال سے دو گھڑی پہلے حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ ...... خلیفہ رسول سے ملے اور انہیں عراق کی حالت بیان کی۔ خلیفہ رسول نے بستر مرگ پر حضرت عمرؓ کو بلایا اور کہا کہ دارالخلافہ سے بھی تازہ دم فوج مثنیٰؓ بن حارثہؓ کی امداد کے لیے بھیجی جائے اور یرموک کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید کے عراقی لشکر کو واپس عراق بھیج دیا جائے کیونکہ یہ مجاہدین عراق کی جنگوں میں آزمودہ کار ہو چکے ہیں۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا عراقی لشکر قادسیہ کی جنگ کے دوسرے روز میدانِ جنگ میں پہنچ گیا

چنانچہ حضرت عمرؓ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو لکھا کہ عراقی لشکر کو فوراً واپس عراق بھیج دیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں وہ لشکر واپس عراق بھیج دیا۔

حسنِ اتفاق سے وہ چھ ہزار کا لشکر قادسیہ کی جنگ کے دوسرے روز سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد یہ لشکر میدانِ جنگ میں پہنچ گیا۔ اس سے مسلمان مجاہدین کو تقویت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد کے لیے بروقت تازہ دم فوج بھیج دی ہے اور اس لشکر سے سپہ سالار نے دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے اسے چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کردیا اور وہ دستے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے اسلامی فوج میں شریک ہوتے گئے۔ دشمن کو یہ معلوم ہونے لگا کہ مسلمانوں کے پاس دم بدم تازہ کمک فوجیں پہنچ رہی ہیں اس کے علاوہ پہلے روز کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں نے اونٹوں کی گردنوں پر سیاہ جھول چڑھا دیئے جس سے وہ ایک طرح کے مصنوعی ہاتھی معلوم ہوتے تھے۔ ان مصنوعی ہاتھیوں نے بھی وہی کام کیا جو دشمن کے جنگی ہاتھیوں نے اسلامی فوج کے گھوڑوں کے ساتھ پہلے روز کیا تھا۔ ان مصنوعی ہاتھیوں کی شکل کو دیکھ کر دشمن کے گھوڑے بدکنے لگے۔

اسی روز ایرانی سردار بہمن جادویہ مبارزت میں قعقاع بن عمرو معدیکرب کے ہاتھوں قتل ہوا اور بہت سے ایرانی سردار قتل ہوئے اور بہت سے زندہ گرفتار ہوئے۔

ابومحجن ثقفی کا واقعہ

اسی روز کا مشہور واقعہ ہے کہ ابومحجن ثقفیؓ کو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے شراب پینے کے جرم میں اس خیال سے قید کررکھا تھا کہ میدانِ جنگ سے فارغ ہوکر اس پر حد قائم کی جائے گی۔ حضرت ابومحجن ثقفیؓ پابہ زنجیر تھے اور ان کی آنکھوں کے سامنے میدانِ حرب و ضرب گرم تھا۔ اس اثناء میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی زوجہ محترمہ سلمیٰؓ ابومحجن کے پاس سے گزریں۔ انہیں دیکھ کر ابومحجن نہایت لجاجت سے کہنے لگا کہ مجھے چھوڑ دیا جائے، گھوڑا اور ہتھیار مجھے دے دیئے جائیں تاکہ دشمن سے دو دو ہاتھ کر

دیکھوں اگر اس جنگ میں مَیں قتل ہو گیا تو سزا مجھے مل گئی اور اگر زندہ بچ رہا تو سب سے پہلے آکر بیڑیاں اپنے پاؤں میں پہن لوں گا۔ حضرت سلمیٰؓ نے ابو محجن کی درخواست کو منظور کر لیا۔ بیڑیاں اس کے پاؤں سے کھول دیں، گھوڑا اور ہتھیار اس کو دے دیئے۔ اس مردِ مجاہد نے جاتے ہی اپنی تلوار کے جوہر دکھانے شروع کئے۔ حضرت سعدؓ خیال کر رہے تھے کہ لڑنے والا ابو محجن ہے لیکن ساتھ ہی سوچ رہے تھے کہ وہ تو بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ بہر حال لڑائی ختم ہوتے ہی ابو محجن نے آکر بیڑیاں پاؤں میں ڈال لیں اور اپنے آپ کو حسبِ سابق مقید کر لیا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنی بیوی سے یہ خیال ظاہر کیا کہ ابو محجن باوجود قید ہونے کے میدانِ جنگ میں کیسے پہنچ گیا۔ سپہ سالار کی بیوی حضرت سلمیٰ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو جب حقیقتِ حال معلوم ہوئی تو بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ ابو محجن کے پاس تشریف لائے، اپنے ہاتھوں سے اس کی بیڑیاں کھول دیں اور فرمانے لگے کہ جو اسلام کی خاطر اس جذبہ ایمانی کا مظاہرہ کرے اور جان پر کھیل کر لڑے اس کو مَیں سزا نہیں دے سکتا، اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہوں۔ ابو محجن نے فوراً جواب دیا کہ مَیں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

کتنی کردار کی پختگی تھی؟

ایفائے عہد کا کتنا پاس تھا؟

اور کس قدر حمیت اسلامی کا جذبہ کار فرما تھا؟ ....

جنگ کا تیسرا روز

اس روز بھی لڑائی رات تک جاری رہی۔ تیسرے روز علی الصبح نماز سے فارغ ہو کر سپہ سالار نے شہداء کو دفن کیا جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔ زخمیوں کو عورتوں کے سپرد کیا اس کے بعد میدانِ جنگ میں پہنچے ——————

جنگ کے تیسرے روز نہایت زور و شور کا رن پڑا۔ مسلمانوں نے ہاتھیوں پر بہت سخت حملہ کیا اور دشمن کے سفید ہاتھی کی سونڈ کاٹ دی۔ کونچیں کاٹ ڈالیں اور اسے زخمی کر دیا۔ اس طرح دوسرے ہاتھیوں پر بھی یکبارگی حملہ کر دیا۔ وہ اپنی فوج کو روندتے ہوئے بھاگے پھر جنگ بڑے زور شور سے شروع ہو گئی۔ شام کے وقت فوجیں تھوڑی دیر کے لیے میدان جنگ سے علیحدہ ہوئیں اور پھر کچھ عرصہ کے بعد میدانِ جنگ میں واپس آگئیں۔ رات کی تاریکی میں کچھ نظر نہیں آتا تھا البتہ تلواروں کی جھنکار، زخمیوں کی چیخ و پکار اور تکبیر کے

نعرے سنائی دیتے تھے۔ تین چار گھنٹے کے بعد حضرت سعدؓ کو قعقاع بن عمرو معدیکرب کی آواز سنائی دی جو کہہ رہے تھے کہ رستم کو زندہ گرفتار کر لو۔

قادسیہ کی فتح

حضرت سعدؓ جو دعاؤں میں معروف تھے ان کو قعقاع بن عمرو کے الفاظ سے بہت ڈھارس ہوئی آخر اسلامی فوج اس کے تخت کے قریب پہنچ گئی ، اور اس کو بھی تخت سے اتر کر لڑنا پڑا۔ وہ زخمی ہو کر بھاگنے لگا کہ حضرت بلال بن علقمہؓ نے ایسا بھرپور وار کیا کہ جو کمر کو توڑ گیا اور وہ نہر میں گرنے لگا، حضرت بلال بن علقمہؓ نے اس کی لاش کو نہر میں گرنے سے بچا لیا اور فوراً بلند آواز سے پکارا کہ میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی ایرانی بھاگنے لگے، کچھ دریا میں ڈوب گئے اور بے شمار مقتول ہوئے جالینوس سردار بھی ایک فوجی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس جنگ میں درفش کاویانی بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس جنگ کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے شہداء کو دفن کیا۔ زخمیوں کو عورتوں کے سپرد کیا تاکہ مرہم پٹی کریں۔

امیر المومنین عوام میں سے ہیں

اس جنگ میں بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا، فتح کی خوشخبری لکھ کر ایک قاصد کو تیز رفتار اونٹنی پر دارالخلافہ روانہ کیا۔ امیر المومنین کو اس محاذِ جنگ کا بہت فکر تھا ہر صبح میلوں باہر چلے جاتے اور شام کو واپس آتے۔ جس روز یہ اونٹنی سوار تیز رفتاری کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ رہا تھا تو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ اس کے ساتھ ہو لیے اور انہوں نے اس سے قادسیہ کی جنگ کا حال دریافت کیا۔ وہ اونٹنی سوار کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ عظیم دی ہے اور دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔ وہ قاصد بڑی خوشی سے جنگ کے حالات سنا رہا تھا اور امیر المومنینؓ اونٹنی کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے اور اس سے حالات سنتے جا رہے تھے۔ جب شہر میں داخل ہوئے تو لوگ حضرت عمرؓ کو "امیر المومنین" کہہ کر السلام علیک کہنے لگے تب اس اونٹنی سوار کو معلوم ہوا کہ یہ امیر المومنین ہیں عرض کرنے لگا کہ آپ مجھے پہلے ہی بتا دیتے کہ آپ امیر المومنین ہیں تو میں پیدل ہو جاتا۔ فرمانے لگے کہ نہیں تم اپنی بات کو جاری رکھو اور میرے بارے میں کچھ خیال نہ کرو حتیٰ کہ آپ مسجد نبوی کے پاس پہنچ گئے، وہاں لوگ جمع ہو گئے تھے۔ امیر المومنینؓ نے انہیں خطاب کیا اور ایک پراثر تقریر فرمائی پھر اس قاصد کو بھی کہا کہ اپنی زبان سے لوگوں کو جنگ کے حالات سنا دو۔

یہ جنگِ قادسیہ محرم ۱۴ھ میں ہوئی ہے۔ اس نے ایرانی طاقت کو خاک میں ملا دیا، حقیقت یہ ہے

لہ قادسیہ کی شکست کے بعد ایرانیوں کا زور بالکل ٹوٹ گیا تھا بچے کچھے سپاہی وہاں سے بھاگ کر بابل پہنچ گئے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے مناسب سمجھا کہ قرب و جوار کا علاقہ بھی فتح کر لیا جائے تاکہ دشمن بغاوت کرنے کے قابل نہ رہے اپنے اہل و عیال کو وہاں چھوڑ دیا اور خود بمعہ لشکر بابل پہنچ گئے۔ ایرانی سردار اور لشکر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور کوثی کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئے۔ اسلامی لشکر بھی ان کے تعاقب میں کوثی پہنچ گیا۔

ایسا بتایا گیا کہ کوثی کے قلعہ میں

نمرود نے حضرت ابراہیم کو قید کر رکھا تھا

کوثی کے قلعہ کے بارے میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو بتایا گیا کہ کوثی کے قلعہ میں نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو قید رکھا تھا، اسی نسبت کی وجہ سے یہ مقام دیکھنے کے قابل سمجھا گیا۔

حضرت زہرہؓ بن حیوٰۃ مقدمۃ الجیش تھے، ان کو وہاں پہنچتے ہی شہر یار سے مقابلہ کرنا پڑا۔ شہر یار کے بارے میں ایرانی سرداروں کا خیال تھا کہ وہ بہت بڑا جنگجو ہے، اس نے میدان جنگ میں آتے ہی مبارزت کے لیے للکارا اور ساتھ ہی کہا کہ جو تم میں سب سے زیادہ طاقتور ہے وہ میرے مقابلہ کے لیے آئے۔ حضرت زہرہؓ بن حیوٰۃ نے اس کی اس بات کو سن کر خود مقابلہ میں آنے کی بجائے ایک نہایت کمزور اور حقیر سے غلام نائل بن جعشم اعرج کو حکم دیا کہ وہ شہر یار سے مقابلہ کرے۔ حضرت زہرۃؓ بن حیوٰۃ نے شہر یار کے غرور اور تکبر کو توڑنے کے لیے ایسا حکم دیا تھا۔

حضرت نائلؓ فوراً میدان جنگ میں اتر آئے۔ شہر یار نے بہت حقیر سمجھ کر ان کو چت گرا دیا اور ان کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ اتنے میں حضرت نائلؓ نے نیچے سے شہر یار کے انگوٹھے کو ایسے زور سے کاٹ کھایا کہ وہ بے چین ہو گیا موقعہ پاکر حضرت نائلؓ نیچے سے اوپر آ گئے اور شہر یار کی چھاتی پر بیٹھ کر فوراً اس کا سر قلم کر دیا۔ اپنے سردار کو مقتول دیکھ کر فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ غنیمت کا مال مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔ اس طرح شہر یار کا اسلحہ اور سامان حضرت نائلؓ کے حصہ میں آیا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت نائلؓ بن جعشم اعرج کو حکم دیا کہ شہر یار کا لباس تو پہن کر دکھا دیں حضرت نائلؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ ...... حضرت نائلؓ کو شہر یار کے لباس میں دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی آنکھوں کے سامنے خدا کی قدرت کے نظارے آ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلام اسلام کی بدولت کسریٰ کی

قباؤں کو نوچ رہے ہیں۔

بہرہ شیر پر قبضہ

کوثی کے قلعہ میں وہ جگہ بھی دیکھی جہاں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہم السلام کو نمرود نے قید کر رکھا تھا۔ بہرحال یہ تمام مقام جائے عبرت تھے وہاں سے لشکر بہرہ شیر پہنچا۔ بہرہ شیر ایک مقام تھا جہاں شاہ ایران اپنے مدائن کے دارالخلافہ سے آکر کبھی کبھی ٹھہرا کرتا تھا۔ یہاں بھی محلات تیار کر رکھے تھے، اس کے عین مقابل مدائن دارالخلافہ تھا اور درمیان میں دریا بہتا تھا۔ بہرہ شیر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ بہت آسانی سے ہوگیا اور ایرانی سردار بہرہ شیر سے بھاگ کر سیدھے مدائن پہنچ گئے اور جاتے جاتے دریا کا پل توڑ گئے اور تمام کشتیاں دوسرے کنارے پر ساتھ لے گئے۔ لقیہ کوئی ایسا سامان نہ چھوڑ گئے جس کی وجہ مسلمان جلدی سے پل تیار کر سکیں۔

ادھر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے دیکھا کہ پل تیار کرنے میں ایک عرصہ لگ جائیگا۔ اتنے میں دشمن اپنی طاقت کو از سر نو جمع کرے گا اور مدائن کی حفاظت کرنا شروع کر دے گا۔ انہوں نے تیراندازوں کو دریا کے کنارے ایک اونچی سی جگہ پر متعین کر دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ دریا کے پار دشمن کے تیراندازوں پر تیروں کی بارش عین اس وقت کریں جب کہ اسلامی لشکر دریا میں کود پڑے۔ یہ انتظام کر کے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص گھوڑے پر سوار ہوئے۔

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اور "نَسْتَعِيْنُ بِاللّٰهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"

پڑھ کر اپنے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ لشکر نے بھی ان کو دیکھ کر اپنے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے اور اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہوئے دوسرے کنارے کا رخ کیا۔ جب عین منجدھار میں یہ لشکر پہنچا تو ایرانی تیراندازوں نے ان پر تیر برسانے شروع کیے، جس کے جواب میں مسلمان تیراندازوں نے اس پار ایرانی تیراندازوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس ناگہانی مصیبت کو دیکھ کر ایرانی ہراساں ہو گئے۔

اسلامی لشکر حضرت سعدؓ کی سرکردگی میں دریا میں تلاطم خیز موجوں سے کھیلتا اور دریا کو چیرتا ہوا کنارے

ہم اللہ سے امداد چاہتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں اور کافی ہے ہم کو اللہ تعالیٰ اور اچھا ہے وہ وکیل اور نہیں طاقت (برائی سے بچنے کی) اور نہ ہی قوت (نیکی کرنے کی) مگر اللہ تعالیٰ بلند و برتر کی (امداد سے)

پر پہنچ رہا تھا کہ...... یہ حال دیکھتے ہوئے ایرانی "دیواں آمدند ، دیواں آمدند" کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور اسلامی لشکر بخیر وخوبی کنارے پر پہنچ گیا۔

دارالخلافہ مدائن پر قبضہ

یزدجرد کو جب خبر پہنچی تو دارالخلافہ سے مال و دولت سمیٹتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ اسلامی لشکر نے بغیر مزاحمت قصر ابیض میں جا دم لیا...... خسروان پارس نے قیصر روم، خاقان چین، بہرام گور، کسریٰ، ہرمز وغیرہ شاہان سلف کے آہنی خود اور زرہیں اور ان کے قیمتی ملبوسات عجائبات کے طور پر اس محل میں جمع کر رکھے تھے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت قعقاعؓ بن عمرو معدیکرب کو بہرام گور کی زرہ اور فوجی لباس اور ہرقل کی تلوار عطا کی۔ اس کے بعد ان تمام اشیاء کی فہرست مرتب کرنے کا حکم دیا گیا۔

مسلمان جمعہ کے روز قصر ابیض میں داخل ہوئے تھے چنانچہ کسریٰ کے تخت کی جگہ پر مجاہدین نے نماز جمعہ ادا کی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے اپنے قلب و لسان کو تازگی بخشتے رہے اور سربسجود ہو کر لطف اندوز ہوتے رہے۔

دارالخلافہ مدائن کے نوادرات اور وہاں کا

غنیمت کا مال مدینہ منورہ میں مسلمانوں میں تقسیم ہوا

خمس نکال کر بقیہ مال فوج میں تقسیم کر دیا گیا۔ مال غنیمت کے ساتھ فتح کی خوشخبری بارگاہ خلافت میں لکھ بھیجی۔ جب یہ مال غنیمت مدینہ منورہ پہنچا اور اس کو پھیلایا گیا تو عرب بہت زیادہ متحیر ہو گئے۔ اسی وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی جو بھوکے اور پیاسے صحابہ کرامؓ کو غزوۂ خندق کے موقع پر سنائی تھی وہ یاد آ گئی۔ امیر المومنین نے مسلمانوں کی فتح کے حالات سنائے۔ ان نوادرات میں سے ایک بہار نامی "مطلا فرش تھا جو سو گز لمبا اور دس گز چوڑا تھا جس پر زمرد اور پکھراج کے جواہرات سے بیل بوٹے بنا رکھے تھے۔ موسم بہار کے گزرنے کے بعد بادشاہ اور اراکین سلطنت اس "بہار" قالین پر بیٹھ کر قدح پیمائی کیا کرتے تھے۔ امیر المومنین کا ارادہ تھا کہ اس "بہار" قالین کو اسی طرح رہنے دیا جائے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی رائے تھی کہ اس کو بھی کاٹ کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے چنانچہ اس "بہار" کے بھی ٹکڑے کر دیئے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حصہ میں جو ٹکڑا آیا وہ انہوں نے ستائیس ہزار دینار میں فروخت کیا تھا۔

معرکہ جلولا

یزدجرد نے مدائن کو چھوڑ کر جلوان کا رُخ کیا راستہ میں ایرانیوں نے جلولا کے مقام پر بے شمار فوج اکٹھی کر رکھی تھی۔ ایرانیوں نے لڑائی کا پورا سامان تیار کر کے شہر کے ارد گرد خندق کھدوائی اور اس میں خاردار لوہے کی تاریں بچھا دیں۔ صرف ایک مختصر سا راستہ آنے جانے کے لیے رہنے دیا۔ اس تیاری کا حال سُن کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے دربارِ خلافت میں اطلاع دی۔

جلولا کی فتح

امیر المومنین نے ہدایات بھیجیں کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر جلولا پر حملہ کریں۔ حضرت قعقاع بن عمرو کو مقدمۃ الجیش، معشر بن مالک کو میمنہ اور عمرو بن مالک کو میسرہ اور ساقہ پر عمرو بن مرہ کو مقرر کیا جائے۔ چنانچہ امیر المومنین کی ہدایات کے تحت ہاشم بن عتبہ فوج لے کر جلولا پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ سامانِ حرب اور لشکر کی کثرت کی وجہ سے ایرانی خوب ڈٹ کر مقابلہ کرتے۔ ہر روز شہر سے باہر آ کر لڑتے لیکن ہر روز شکست کھا کر بھاگ جاتے۔ اس معرکہ میں بہت دن لگ گئے۔ آخر کھلے میدان میں باقاعدہ جنگ ہوئی۔ مسلمان تعداد میں صرف بارہ ہزار تھے، مقابلہ میں لاکھوں کی تعداد میں لشکر تھا وہ کیل کانٹوں سے پورے طور پر لیس تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم دی، ایک لاکھ ایرانی اس جنگ میں مارے گئے اور تین کروڑ کی مالیت کا مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس شکست کی خبر سن کر یزدجرد حلوان سے بھاگ کر رَے چلا گیا۔

حلوان پر قبضہ

حضرت قعقاعؓ بن عمرو نے حلوان کا رُخ کیا اور تھوڑی سی جنگ کے بعد حلوان پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے خمس نکال کر باقی غنیمت کے مال کو سپاہ میں تقسیم کر دیا اور حضرت زیادؓ کے ہاتھ مالِ غنیمت کو دربارِ خلافت میں بھیج دیا۔

امیر المومنینؓ کا آبدیدہ ہو جانا

حضرت زیادؓ شام کے وقت مدینہ منورہ پہنچے مالِ غنیمت کو ڈھیر کی صورت میں مسجدِ نبوی کے صحن میں رکھ دیا تاکہ

صبح کو تقسیم کیا جائے علی الصبح امیرالمومنین ڈھیر کو دیکھ کر رو پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے پوچھا کہ امیرالمومنین یہ تو خوشی کا مقام ہے رونے کا وقت تو نہیں ہے امیرالمومنین نے فرمایا کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ دنیوی مال و دولت دیتا ہے ان میں حسد اور بغض بھی پیدا ہو جاتا ہے اس خیال نے مجھے رُلا دیا ہے۔ اس کے بعد امیرالمومنین نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ اب فوج کو آرام کرنے دو۔ حلوان پر قبضہ ۱۶ھ میں ہوا ہے۔

کوفہ کا شہر

عربوں کو عراق اور ایران کی آب و ہوا راس نہیں آتی تھی۔ اس سلسلہ میں امیرالمومنین کے حکم سے ایک مقام کی تجویز پیش کی گئی جہاں کی آب و ہوا عربوں کو موافق تھی۔ چنانچہ دریائے فرات کے کنارے پر ایک شہر کی بنیاد رکھی گئی جس کا نام کوفہ رکھ دیا گیا۔

کوفہ شہر ایک منصوبہ بندی کے تحت آباد کیا گیا

شہر کے عین مرکز میں پہلے ایک خوبصورت مسجد مربع چبوترے پر بنائی گئی جس میں چالیس ہزار نمازی آسانی سے باجماعت نماز ادا کر سکتے تھے۔ مسجد کے سامنے گورنر ہاؤس تیار کیا گیا۔ مسجد اور گورنر ہاؤس کے درمیان دو سو گز لمبی عمارت بیت المال کی بنائی گئی۔ مسجد اور قصرِ حکومت کے چاروں طرف کچھ فاصلہ چھوڑ کر مختلف قبائل کے لیے الگ الگ محلہ جات بسائے گئے۔ اس طرح چالیس ہزار کی آبادی کے لیے مکانات تعمیر کیے گئے۔ ہر محلہ میں بھی علیحدہ علیحدہ مسجد تیار کی گئی۔ تمام سڑکیں جامع مسجد پر آ کر رکتی تھیں۔ شاہراہیں چالیس چالیس گز چوڑی رکھی گئیں، چھوٹی سڑکیں تیس تیس گز بنائی گئیں اور گلیاں سات سات گز چوڑی رکھی گئیں تاکہ کھلی فضا ہو اور عربوں کے راس آئے۔ ۱۷ھ تک حضرت سعد بن ابی وقاص کا دارالخلافہ مدائن رہا لیکن ۱۷ھ میں کوفہ منتقل ہو گیا۔

بصرہ کا شہر

بصرہ کا شہر بھی حضرت امیرالمومنینؓ کے حکم سے دریائے دجلہ کے کنارے پر ۱۴ھ میں آباد کیا گیا، دریائے دجلہ سے نہر کاٹ کر شہر میں لائی گئی۔ تمام شہر کی عمارات نہایت خوبصورت کوفہ کی طرز پر تیار کی گئیں۔

عراق کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا بالائی عراق، زیریں عراق۔ بالائی عراق کا دارالخلافہ کوفہ اور زیریں عراق کا بصرہ مقرر کیا گیا ہر دو مقامات صحت افزا تھے۔ بالائی عراق کے علاقہ جات فتوحات کے لحاظ سے آذربائیجان، ہمدان، رَے، اصفہان اور موصل تھے۔ یہاں کے گورنر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تھے اور ان کا دارالخلافہ کوفہ تھا۔

زیریں عراق کے علاقہ جات فتوحات کے لحاظ سے خراسان، سجستان، مکران، کرمان، فارس اور اہواز تھے یہاں کے گورنر حضرت عتبہ بن غزوان تھے ان کا دارالخلافہ بصرہ تھا۔

الجزیرہ کی فتح

عراق کی فتح کے بعد امیرالمومنینؓ آگے بڑھنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ایرانیوں نے اسے قومی مسئلہ بنا دیا جزیرہ کی سرحد ایران میں ملتی تھی اس پر مجبوراً مسلمانوں کو حملہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لیے حضرت سعد ابی وقاص کو حکم دیا گیا کہ عبداللہ بن غنم پانچ ہزار فوج لے کر پہلے تکریت پر حملہ آور ہو چنانچہ حملہ کیا گیا۔ چالیس روز تک محاصرہ رہا۔ آخر تکریت مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا کچھ مہینے کے بعد امیرالمومنین نے حضرت عیاضؓ بن غنم کو جزیرہ کے بقیہ علاقہ کے فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ تھوڑی بہت کوشش سے رقہ، حران، سما اور موصل فتح ہو گئے۔ اس طرح تمام جزیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

عراق اور جزیرہ سے ملحقہ علاقہ خوزستان کا تھا جہاں ایرانی ابھی تک قابض تھے اور وہ مستقل طور مسلمانوں کے لیے دردِ سر بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے موقعہ پا کر شورش کرنے کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ ایرانیوں کا ایک سردار ہرمزان۔ قادسیہ کی جنگ سے شکست کھا کر اور بچ بچا کر خوزستان پہنچ گیا تھا اور اہواز پر قابض ہو گیا تھا۔

فتح اہواز

یزدجرد نے اپنی پے در پے شکستوں کا بدلہ لینے کے خیال سے اہواز اور فارس کے علاقہ جات کی گورنری بھی اسے دے دی تھی۔ ہرمزان نے اپنی طاقت کو مضبوط کرنا شروع کیا۔ کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیوں سے اہواز پر حملے کیے جاتے تھے۔ ہرمزان کو کئی ایک مقام پر پے در پے شکستیں دے کر مسلمانوں نے اہواز کا علاقہ قبضہ میں لے لیا۔

رام ہرمز پر قبضہ

ہرمزان نے مسلمان سپہ سالار سے معافی مانگ لی اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ لیکن اپنے ملک میں پہنچتے ہی پھر

بغاوت کردی اور اہواز سے پھر ہرمزان رام ہرمز پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے رام ہرمز پر بھی قبضہ کرلیا۔ وہاں سے وہ بھاگا تو تستر آکر ٹھہرا۔

ہرمزان نے اپنے آپ کو سپہ سالار کے سپرد کردیا

امیرالمومنین کو ہرمزان کی بار بار کی بغاوت کا علم ہوا تو ابو موسیٰ اشعریؓ کو سپہ سالار بنا کر اس کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے تستر پر قبضہ کرلیا۔ ہرمزان نے اپنے آپ کو تستر کے قلعہ میں محصور کرلیا اور پھر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس صلح کے لیے درخواست بھیجی کہ وہ اپنے آپ کو آپ کے سپرد اس شرط پر کرتا ہے کہ اسے امیرالمومنینؓ کی خدمت میں بھیج دیا جائے چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ہرمزان کو حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت احنفؓ بن قیس کے ہمراہ مدینہ منورہ بھیج دیا۔

امیرالمومنین کی سادگی دیکھکر اہواز کا بادشاہ کانپ گیا

جب مدینہ شہر قریب آیا تو ہرمزان نے زرق برق کے کپڑے پہن لیے اور سر پر مرصع تاج رکھ لیا جب مسجد نبوی میں پہنچا تو اس وقت امیرالمومنین فرش پر لیٹے ہوئے تھے اور ہاتھ کا سرہانہ بنا رکھا تھا۔ چمڑے کا درہ پاس رکھا ہوا تھا، ہرمزان اس وقت پوچھنے لگا کہ امیرالمومنینؓ کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہی امیرالمومنین ہیں۔ وہ یہ حالت دیکھکر کانپ گیا کہ جس کے عظمت و جلال کا یہ عالم کہ قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں ان کے نام سے لرزہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ان کی سادگی کی یہ حالت ہے کہ زمین پر بغیر دربان کے لیٹے ہوتے ہیں کہنے لگا کہ یہ تو نبیؐ ہیں۔ لوگوں نے کہا "نبی" نہیں بلکہ نبی کے خلیفہ اور سچے پیروکار ہیں۔

اتنے میں حضرت امیرالمومنینؓ کی آنکھ کھل گئی، حضرت انس بن مالکؓ کہنے لگے کہ امیرالمومنین! یہ اہواز کا بادشاہ ہے اور گرفتار کرکے لایا گیا ہے۔ یہ آپ سے بات چیت کرنا چاہتا ہے۔ امیرالمومنین نے فرمایا کہ پہلے اس کے متکبرانہ کپڑے اتروا دو۔ پھر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ سادہ کپڑوں میں پیش کیا گیا۔

امیرالمومنینؓ اور ہرمزان کے درمیان بات چیت

امیرالمومنینؓ نے پوچھا اے ہرمزان! تو نے بار بار عہد شکنی کی ہے، تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

ہرمزان نے کہا...... مجھے خوف ہے کہ آپ میری گزارش سننے سے پہلے ہی مجھے قتل کردیں گے۔۔

امیرالمومنینؓ نے فرمایا کہ نہیں آپ اپنی درخواست پیش کرو۔

ہرمزان نے کہا . . . . . . مجھے پانی پلاؤ۔

(پانی منگوایا گیا اور پانی اس کو پیالہ میں ڈال کر دیا)

پھر ہرمزان نے کہا کہ مجھے خطرہ ہے آپ مجھے پانی پینے سے پہلے ہی قتل کر دیں گے۔

امیرالمومنین نے فرمایا . . . . . . نہیں جب تک تم پانی نہ پی لوگے تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔

ہرمزان نے اس وقت پانی کا پیالہ زمین پر رکھ دیا اور کہنے لگا اب میں پانی نہیں پیتا اور آپ مجھے قتل بھی نہیں کر سکتے اس لیے کہ آپ نے امان دے دی ہے۔

امیرالمومنینؓ نے کہا کہ تو نے مجھے دھوکہ دیا ہے تو جھوٹا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ عرض کرنے لگے کہ امیرالمومنین! آپ سے اس نے امان کا وعدہ لے لیا ہے کہ پانی پینے سے پہلے آپ اس کو کچھ نہیں کہیں گے، پانی تو اس نے پیا ہی نہیں اس لیے ہرمزان مؤاخذہ میں نہیں آسکتا۔

امیرالمومنینؓ نے اسے چھوڑ دیا۔ ہرمزان نے اسلامی عہد و پیمان کی پاسداری کو دیکھ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور مدینہ منورہ ہی میں رہائش اختیار کر لی۔ امیرالمومنینؓ نے دو ہزار درہم سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت احنفؓ بن قیس کو فرمانے لگے کہ تم لوگ ذمیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتے اسی لیے یہ لوگ بغاوت کرتے ہیں . . . . . . احنفؓ بن قیس عرض کرنے لگے امیرالمومنین! یہ بات نہیں کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوتا بلکہ یہ بات ہے کہ جب تک یزدجرد بادشاہ موجود ہے اہل فارس مقابلہ ہی کرتے رہیں گے۔ بدیں وجہ عربوں کو آگے بڑھنے کی اجازت دی جائے تاکہ امن و امان قائم ہو سکے۔

عراق فتح ہو چکا ہے اہواز کا علاقہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا ہے۔ ہرمزان شاہِ اہواز مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہے۔ اب ملکِ شام کے حالات کا اندازہ کرنا بھی ساتھ ساتھ ضروری ہے تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ ایران اور روم کی دو بڑی سلطنتوں سے بیک وقت نبرد آزمائی کرنے میں مسلمانوں کو کن کن دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

اسلام دنیا میں امن و آمان کا پیغام لے کر آیا ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام لڑنے اور فتوحات حاصل کرنے کے لیے دنیا میں نہیں آیا بلکہ توحید و رسالت کا پیغام دنیا کے باسیوں کے کانوں تک پہنچانا اس کا مقصدِ اولین ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں مراسلہ جات بذریعہ قاصد دنیا کے حکمرانوں کے پاس بھیجے تھے جن کے جواب میں اکثر والیان ملک نے دعوت کو قبول کر لیا۔ بعض نے تعظیم و تکریم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو واپس کیا۔ البتہ کسریٰ شاہ ایران نے نامہ مبارک کو غصہ میں پھاڑ دیا اور وہ قاصد کے ساتھ بھی بہت گستاخی سے پیش آیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کسریٰ کے گستاخانہ اور متکبرانہ رویہ کی سزا اسے بہت جلد دی، اس کی حکومت کے پرخچے اڑ گئے۔ اس کا خاندان دربدر دھکے کھاتا پھرتا رہا...... اور اس کی رعایا مسلمانوں کے رحم و کرم پر رہ گئی۔

قیصر و کسریٰ کی حکومتوں سے ٹکر لینے کی وجوہات

قیصر روم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی تعظیم و تکریم کی لیکن اس نے اپنی رعایا کی ڈر سے اسلام قبول نہ کیا البتہ اس کے زیر اثر شرحبیل بن عمرو غسانی حاکم بصرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمیر کو شہید کر دیا جس کا انتقام لینے کے لیے جنگِ موتہ، غزوہ تبوک اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کی پیشقدمی کے واقعات رونما ہوئے تھے۔ پھر عرب مستنصرہ کی آزاد ریاستیں ہمیشہ شاہ روم سے مسلمانوں کے خلاف فوجی امداد حاصل کرتی رہیں۔ لیکن جب یہ عرب مستنصرہ کی آزاد ریاستیں مسلمانوں کی مطیع ہو گئیں تو شاہِ روم کو اس بڑھتی ہوئی اسلامی سلطنت سے خطرہ ہونے لگا اور اس خطرہ کو روکنے کے لیے قیصرِ روم جگہ جگہ فوجی طاقت استعمال کرنے لگا۔ مسلمان مجبوراً اس کے مقابلہ میں آئے۔ چنانچہ یرموک کے چشمہ پر قیصرِ روم نے دو تین لاکھ کی فوج سے اسلامی لشکر کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی لیکن نصرتِ الہٰی نے اس کے تمام منصوبہ جات خاک میں ملا دیئے۔ ڈیڑھ لاکھ رومی اس جنگ میں مقتول ہوئے اور اس کے مقابلہ میں صرف تین ہزار مسلمان شہید ہوئے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ بہر حال مسلمان میدانِ جنگ میں خود نہیں آیا بلکہ اس کو لایا گیا ہے۔ یرموک سے شکست کھا کر بچا کھچا رومی لشکر فحل پہنچا۔ ہرقل نے کافی فوج دمشق میں جمع کر رکھی تھی اسی طرح حمص میں بھی اس نے خوب حفاظت کا سامان کر رکھا تھا۔

فتح دمشق

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے حکم فاروقیؓ کے تحت دمشق کی طرف رخ کیا دمشق میں رومی امداد کو روکنے کے لیے اسلامی سپہ سالار نے فحل، حمص اور فلسطین کے راستوں پر لشکر بھیج دیئے اور آپؓ حضرت خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن العاص، شرجیلؓ بن حسنہ اور یزیدؓ بن ابی سفیان کے ہمراہ دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ سپہ سالار نے دمشق جانے سے پہلے غوطہ پر قبضہ کر لیا۔ آخیر رجب ۱۳ھ میں دمشق کا محاصرہ کر لیا گیا۔

دمشق میں اگرچہ بہت زیادہ فوج تھی تاہم کھلے میدان میں نکل کر انہوں نے اسلامی فوج کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کی۔ رومی فصیل پر چڑھ کر تیر اندازی کرتے اور مسلمان بھی ان کا جواب تیروں سے دیتے۔ ان رومی محصورین کو یقین تھا کہ ہرقل فحل، حمص اور فلسطین سے کمک بھیجتا رہے گا۔ لیکن حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے اس کا پہلے ہی بندوبست کر رکھا تھا اور ان کے تمام رسل و رسائل کے راستے کاٹ دیئے تھے۔ اہل دمشق چھ ماہ تک محصور رہے۔ آخر باہر کی امداد نہ آنے کی وجہ سے مایوس ہو گئے۔ ادھر اسلامی فوج بھی اتنی دیر محاصرہ کیے ہوئے اکتا چکی تھی۔ فوج میں اعلان کر دیا گیا کہ اگلے روز چاروں طرف سے حملہ کر دیا جائے گا۔ ایک طرف سے مسلمانوں نے سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھنا شروع کر دیا۔ بڑی ہمت اور جوانمردی سے فصیل پر چڑھ کر اندر کی طرف اتر گئے۔ پہرہ داروں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے اور فوج اندر داخل ہو گئی۔

شہر کو صلحنامہ کے تحت مفتوح سمجھا گیا

شہر کی دوسری طرف سے اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان اب قابض ہو جائیں گے فوراً شہر کے دوسرے دروازہ سے حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس پہنچ کر صلح کا آمان نامہ حاصل کر لیا اور شہر کے اس طرف کے دروازے کو کھول دیا۔ اب شہر کا ایک حصہ صلحنامہ کے تحت مفتوح ہوا اور دوسرے حصہ میں فوج بزور شمشیر داخل ہوئی۔ شہر کے وسط میں دونوں اسلامی لشکر اکٹھے ہوئے۔

حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح بزور شمشیر داخل ہوئے تھے لیکن دوسری طرف سے حضرت خالدؓ بن ولید صلحنامہ کے ذریعہ شہر پر قابض ہو چکے تھے آخر فیصلہ ہوا کہ یہ تمام شہر صلحنامہ کے تحت مفتوح تصور کیا جائے اور حضرت خالدؓ بن ولید کے عطا کردہ آمان نامہ کی تصدیق کر دی گئی اور اسی پر عملدرآمد ہوا۔ یہ فتح محرم ۱۴ھ میں ہوئی ہے۔
ابن خلدون کے قول کے مطابق حضرت خالدؓ بن ولید بزور شمشیر شہر میں داخل ہوئے ہیں جب کہ دوسرے سردار صلح نامہ کے ذریعہ شہر میں داخل ہوئے ہیں۔ بہر حال خواہ حضرت خالدؓ کی وجہ سے یا دوسرے سرداروں

کی وجہ سے شہر کے ایک حصہ میں داخلہ صلحنامہ کے تحت ہوا اور بقیہ حصہ میں داخلہ بزور شمشیر ہوا ہو تاہم تمام کا تمام شہر صلحنامہ کے تحت مفتوح سمجھا گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جزیہ کی شرائط پر اہل دمشق کی جان و مال کی پوری پوری حفاظت کی گئی۔ رومی سرداران اور تمام فوج کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیا گیا اور یزید بن ابی سفیان کو دمشق کا گورنر بنا دیا گیا۔

فتح فحل

سپہ سالار نے دمشق میں مناسب فوج یزید بن ابی سفیان کے پاس چھوڑ کر بقیہ فوج کے ساتھ فحل کی طرف پیش قدمی کی۔ یہاں بہت زیادہ رومی فوج لڑنے مرنے کے لیے تیار تھی۔ آدھی رات کے قریب رومیوں نے مسلمانوں کی قلب فوج پر شب خون مارا۔ جس کا جواب شرجیلؓ بن حسنہ نے پوری مستعدی سے دیا۔ یہ معرکے کئی روز تک جاری رہے۔ آخر رومی سپہ سالار کے مارے جانے سے فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اسی ہزار رومی مقتول ہوئے اور بقیہ السیف بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے فحل سے مسلمانوں کو بے انتہا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا۔

بیسان کی فتح

بقیہ رومی لشکر بھاگ کر بیسان پہنچ گیا اور وہاں کی فوجی طاقت میں اضافہ ہو گیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ لشکر لے کر بیسان پہنچے۔ اتنے میں معلوم ہوا کہ رومی لشکر دمشق پر حملہ کرنے کے لیے پہنچ گیا۔ یزید بن ابی سفیان نے خوب جم کر مقابلہ کیا اور عقب سے حضرت خالد بن ولید لشکر لے کر یزید کی امداد کو پہنچ گئے۔ رومی اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور دونوں اسلامی لشکروں کے درمیان آ کر بے شمار مقتول ہوئے اس کے فوراً بعد ہی حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح سے بیسان میں آ ملے۔ رومیوں نے بیسان میں خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا آخر جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے بیسان میں ایک عامل مقرر کیا۔

طبریہ کی فتح

اور ابوالاعور کو لشکر دے کر طبریہ کی طرف روانہ کیا۔ اہل طبریہ نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔

عرفہ، صیداء، جبیل اور بیروت بھی مفتوح ہو گئے

یزیدؓ بن ابی سفیان نے اپنے بھائی امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کو عرقہ کی مہم پر بھیجا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اس کو فتح کر لیا۔ بعد میں صیداء، جبیل اور بیروت کی طرف توجہ دی۔ تھوڑی بہت کوشش کے بعد یہ علاقہ جات بھی مفتوح ہو گئے اس طرح دمشق اور اردن کے علاقہ جات پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

رومی لشکر کی مرج روم کے مقام پر شکست

اب اسلامی لشکر کے سامنے حمص کا صوبہ تھا جس کے چھ ضلع تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح حمص روانہ ہوئے راستہ میں اسلامی لشکر ابھی ذوالکلاع میں ہی خیمہ زن تھا کہ ہرقل نے بہت بڑا لشکر حمص سے مقابلہ کے لیے بھیجا اور یہ لشکر ابھی مرج روم میں ہی پہنچا تھا کہ ہرقل کی طرف سے مزید کمک پہنچ گئی اور مرج روم میں ہی خوب میدان کارزار گرم ہو گیا۔ رومیوں کا سردار مارا گیا اور رومی لشکر بھاگتا ہوا حمص پہنچ گیا۔ یوں تو ہرقل پہلے ہی حمص میں موجود تھا لیکن مرج روم کی شکست کو سن کر الرہائے کی طرف چلا گیا اور حمص والوں کو امداد پہنچانے کا وعدہ کر گیا۔

فتح حمص

اسلامی سپہ سالار نے مرج روم سے آکر حمص کا محاصرہ کر لیا...... اہل حمص کو جب کوئی امداد نہ پہنچی تو انہوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔

شرائط جو حمص والوں سے کی گئیں

صلحنامہ کی شرائط ذیل تھیں:۔

- اسلامی لشکر جب حمص میں داخل ہو گا تو حمص والوں کے جان و مال کو امان دی جائے گی۔
- حمص والوں کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور ان کے گرجوں پر کوئی تصرف نہ ہو گا۔
- شہر کی کوئی فصیل وغیرہ نہ گرائی جائے گی۔

- کسی مکان کو منہدم نہ کیا جائے گا۔
- اسلامی لشکر کا کوئی فوجی شہر والوں کے کسی مکان میں رہائش اختیار نہ کرے گا۔
- امیرالمومنین بجز نیکی کوئی برا سلوک ان سے نہ کریں گے جب تک وہ جزیہ دیتے رہیں گے۔

اس طرح کا صلحنامہ اہلِ دمشق سے بھی پہلے کیا ہوا تھا۔

حماۃ، شیزر، معرۃ، لاذقیہ اور سلمیہ نے بھی جزیہ دینا قبول کرلیا

حمص کے بعد حماۃ والوں نے بھی جزیہ دینا قبول کرلیا۔ پھر شیزر اور معرۃ والوں نے جزیہ دینے کا اقرار کیا۔ لاذقیہ اور سلمیہ بزورِ شمشیر مفتوح ہوئے۔

قنسرین کی فتح

سلمیہ کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے حضرت خالدؓ بن ولید کو قنسرین روانہ کیا جو رومیوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ رومیوں نے مقابلہ کیا آخر محصور ہوگئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے محاصرہ جاری رکھا۔ اس طرح قنسرین کو بزورِ شمشیر فتح کیا۔ اس کے بعد سپہ سالار نے حلب کا رخ کیا۔ اتنے میں قنسرین والوں نے بغاوت کردی دوبارہ قنسرین بزورِ شمشیر فتح کیا گیا اور جرمانہ بھی وصول کیا گیا۔

حلب اور انطاکیہ کی فتح

حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے عیاض بن غنم کو مقدمۃ الجیش کے طور پر حلب کی طرف روانہ۔ یہ شہر بھی تھوڑے بہت محاصرہ کے بعد فتح ہوگیا۔ پھر انطاکیہ کا رخ کیا۔ یہ مقام ہرقل کا ایشیائی دارالخلافہ تھا۔ اس میں فوج ہر وقت رہتی تھی۔ اب شکست خوردہ رومی فوجی بھی یہاں جمع ہوگئے تھے کھلے میدان میں لڑائی ہوئی اور رومی شکست کھا کر شہر میں محصور ہوگئے۔ آخر انطاکیہ والوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔ ادھر معرۃ والوں نے بغاوت کردی۔ مسلمان اس طرف متوجہ ہوگئے تو انطاکیہ والوں نے بغاوت کردی۔ ان ہر دو شہروں کو دوبارہ مطیع کیا، خونریزی نہیں کی گئی بلکہ پہلی شرط پر ہی صلح کرلی گئی۔

امیرالمومنینؓ نے ان لوگوں کی بار بار کی عہد شکنی کی روک تھام کے لیے ہر شہر میں فوجی دستے مقرر کیے ان کی تنخواہیں بیت المال سے ادا ہونے لگیں۔ . . . . . انطاکیہ کے فتح ہوجانے کے بعد تمام قصبہ جات اور مضافات مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔

فتح قیساریہ

امیرالمومنین نے یزیدؓ بن ابی سفیان کو لکھ بھیجا کہ امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کو قیساریہ کی مہم پر لشکر دے کر بھیجیں حضرت امیر معاویہؓ نے بڑی خونریز جنگ کے بعد قیساریہ کو فتح کر لیا۔

بغراس کی فتح

اسی طرح شام کی سرحد بغراس پر حملہ کیا گیا اس لیے کہ وہاں کے لوگ ہرقل کے پاس پہنچ کر اس کی طاقت کو مضبوط بنا رہے تھے۔ میسرہ بن مسروق نے ان پر حملہ کیا اور بعد میں اشتر بن مالک نخعی کو اس کی کمک پر بھیجا گیا۔ تھوڑی سی کوشش سے وہ علاقہ مفتوح ہو گیا۔

فتح اجنادین

حضرت عمروؓ بن العاص کو اجنادین کی مہم سر کرنے کے لیے روانہ کیا گیا کیونکہ ایک رومی بہادر اور جبار سپہ سالار ارطبون نے ہرقل کے حکم سے اجنادین میں ایک بہت بڑی فوج اکٹھی کر رکھی تھی۔ اجنادین میں ایک بہت بڑا معرکہ ہوا اور بہت بڑی خونریز جنگ کے بعد اجنادین فتح ہوا۔

غزہ، سبط، نابلس، عمورس، جبرین، یافا،

اجنادین کے مضافات اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے

ارطبون وہاں سے بھاگ کر بیت المقدس پہنچ گیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے غزہ، سبط، نابلس، عمورس جبرین، یافا وغیرہ مضافات فتح کر کے ان کو اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔

بیت المقدس کا تمام علاقہ مفتوح ہو گیا

حضرت عمروؓ بن العاص حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی ہدایات کے مطابق اجنادین اور اس کے مضافات کو فتح کر کے بیت المقدس کی طرف بڑھے۔ بیت المقدس کا تمام علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکا تھا، صرف شہر بیت المقدس بچا ہوا تھا۔ شہر والوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنا شروع کیا۔ اتنے میں حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح

قنسرین سے مطمئن ہو کر بیت المقدس پہنچ چکے تھے ۔ یہ تازہ دم فوج دیکھ کر ارطبون وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا مصر پہنچا۔ شہر والوں نے دیکھا کہ اب مقابلہ کی طاقت نہیں ہے صلح کی شرائط پیش کر دیں لیکن ان شرطوں میں ایک بات کا اضافہ تھا کہ امیر المومنینؓ خود آکر صلحنامہ لکھیں۔

مرعش اور حرث کے علاقہ جات بھی اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے

حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے امیر المومنین کو لکھا کہ آپ خود تشریف لے آویں تو بہتر ہے تاکہ بندگانِ خدا کا خون نہ بہے ۔ اس اثنا میں حضرت خالدؓ بن ولید نے مرعش اور حبیب بن مسلمہ نے حرث کو فتح کر لیا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا بیت المقدس کی طرف سفر

امیر المومنینؓ نے اپنے جانے کے بارے میں صائب الرائے اصحابؓ سے مشورہ کیا۔ فیصلہ ہوا کہ اگر امیر المومنینؓ خود بیت المقدس تشریف لے جاویں تو خونریزی کی نوبت نہ آئے گی ۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فلسطین کے سفر پر جانے کی تیاری شروع کر دی ۔

اس سفر میں المومنینؓ نے جو کچھ زادِ راہ کے طور پر لیا وہ دنیا کے جابرہ، اکاسرہ اور قیاصرہ کے لیے ایک نمونہ ہے ۔

- رسیوں کا تھیلہ اور لکڑی کا پیالہ
- ایک اونٹ سواری کے لیے ۔
- ایک غلام کو شریکِ سفر بنا لیا گیا ۔

غلام اور امیر المومنین باری باری اس اونٹ پر سفر کرتے تھے جب آپ بیت المقدس پہنچے تو غلام اونٹ پر اپنی باری کے مطابق سوار تھا اور امیر المومنین اس اونٹ کی مہار پکڑے آگے آگے جا رہے تھے ۔ امیر المومنین نے جو لباس پہن رکھا تھا اس میں بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے ۔

یہ وہ امیر المومنین عمر فاروقؓ ہیں جن کے گھوڑوں کے ٹاپوں نے ایران اور روم کی حکومتوں کو روند ڈالا جن کے نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے ۔ جن کی بابت دورِ حاضرہ کے مستشرقین یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کو کچھ اور مہلت مل جاتی تو تمام کرہ ارض پر اسلام کے سوا کوئی اور مذہب نہ نظر آتا ۔ بایں ہمہ ان کے عدل و انصاف اور مساوات کا یہ عالم ہے کہ ایک بڑھیا بھی ان کے اجتہاد پر ان کو برسرِ عام ٹوک سکتی ہے اور یہ امیر المومنین اپنی غلطی کو فوراً تسلیم کر لیتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے کہ

عورت نے سچ کہا ہے عمرؓ غلطی پر ہے۔ اور یہ خلیفہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے کہ ممالک محروسہ کے انتہائی حدود یعنی دریائے نیل کے کنارے پر کوئی جانور بھوک سے دم توڑ دے تو قیامت کے دن عمرؓ اس کا جواب دہ ہوگا۔

حضرت امیرالمومنینؓ کی شخصیت اور سادگی

اِس امیرالمومنین نے جب حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت خالدبن ولید، یزیدؓ بن ابی سفیان اور امیر معاویہؓ بن ابی سفیان سرداروں کو دیبا و حریر کی قباؤں میں ملبوس دیکھا تو طیش میں آکر ان کی طرف کنکریاں پھینکیں اور فرمانے لگے کہ دو سال کے اندر اندر ہی تم عرب کی خُو، بُو چھوڑ گئے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ امیرالمومنینؓ کا غصہ اس بارے میں فرو نہیں ہوا جب تک ان حضرات نے اپنی قبائیں اٹھا کر نہ دکھا دیں کہ انہوں نے ان کے نیچے ہتھیار چھپا رکھے ہیں (یہ سفر رجب ۱۶ھ میں ہوا ہے) امیرالمومنین نے جابیہ میں اقامت اختیار کی وہیں بیت المقدس کے بشپ اور سردار ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔

صلحنامہ جو امیرالمومنینؓ نے ایلیا والوں کے ساتھ کیا ہے

صلحنامہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندے امیرالمومنین نے ایلیا کے لوگوں کو دی یہ امان ان کی جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے

ے اپنے دور خلافت میں ایک دفعہ جب دیکھا کہ لوگوں نے عورتوں کے مہر میں بہت اضافہ کر دیا ہے تو چاہا کہ کوئی خاص حد مقرر کر دی جائے۔ مسجد نبوی میں لوگوں کے سامنے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا تو ایک عورت نے خلیفہ وقت کی توجہ قرآن پاک کی اس آیت کی طرف مبذول کرتے ہوئے برملا کہا کہ عمر! یہ کیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واٰتیتم احدٰھن قنطارًا فلا تاخذوا منہ شیئًا اور تم نے اپنی بیویوں میں سے کسی کو بہت مال دے دیا ہے تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو

(خلافت راشدہ از عبدالمنان ایم اے)

ہے اس طرح کہ ان کے گرجاؤں کو مسکن بنایا جائیگا نہ ڈھائے جائیں گے ، نہ انہیں یا ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا ، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کمی کی جائے گی ۔ مذہب کے معاملہ میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کے ساتھ بدسلوکی روا رکھی جائیگی ۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے ۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں یونانیوں یعنی رومیوں اور چوروں کو نکال دیں ان یونانیوں میں سے جو کوئی شہر سے نکل جائے گا اس کی جان و مال کو امان ہے تا آنکہ وہ پناہ گاہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا میں رہنا پسند کرے اسے بھی امن ہے لیکن اسے جزیہ دینا ہوگا ۔ اور ایلیا والوں میں سے جو لوگ جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ جانا چاہیں انہیں اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امان ہے یہاں تک کہ وہ پناہ گاہ تک پہنچ جائیں ایلیا میں جو دوسرے ملکوں کے لوگ ہیں ان میں سے اگر کوئی امن سے رہنا چاہے تو وہ رہ سکتا ہے اسے بھی ایلیا والوں کی طرح سے جزیہ ادا کرنا ہوگا ۔ اگر کوئی رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو چلا جائے اگر کوئی اپنے اہل و عیال میں واپس جانا چاہے تو چلا جائے ان سے کوئی چیز نہیں لی جائے گی یہاں تک کہ ان کی کھیتیاں کٹ جائیں جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا ، رسول خدا اور خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں

اس عہدنامہ پر حضرت خالد بن ولید ، حضرت عمرو بن العاص ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دستخط بطور گواہ ثبت ہیں ۔

امیرالمومنین کا بیت المقدس میں داخلہ

اس معاہدہ کے لکھے جانے کے بعد امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المقدس روانہ ہوئے ان کی سواری کے لیے ترکی گھوڑا پیش کیا گیا ۔ جب اس پر سوار ہوئے تو وہ اٹھیلی کرنے لگا ، آپ گھوڑے سے اتر آئے اور فرمانے لگے کہ یہ غرور کی چال ہے عربی گھوڑا منگوا کر اس پر سوار ہوئے ۔ بیت المقدس کے قریب جا کر اتر گئے ۔ اس واقعہ کے بعد آپ کبھی ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے ۔

امیرالمومنین نے جو لباس پہنا ہوا تھا وہ بہت دریدہ تھا جس میں جگہ جگہ پر پیوند لگے ہوئے تھے مسلمان ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر شرمندہ ہو رہے تھے اور زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے ۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری عزت اسلام سے ہے اور وہی عزت ہمارے لیے کافی ہے ۔ اس لباس میں آپ بیت المقدس میں داخل ہوئے پہلے مسجد اقصٰی میں گئے محراب داؤد کے پاس جا کر سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدۂ تلاوت کیا پھر عیسائیوں کے گرجا میں گئے اس کی سیر سے واپس آئے تھے ۔

حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی

بیت المقدس میں آپ نے کئی روز قیام کیا۔ ایک روز حضرت بلالؓ سے فرمائش کی کہ ذرا اذان تو دو حضرت بلالؓ نے اذان دی ہی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا سماں آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ تمام آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ حضرت معاذؓ بن جبل روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ اور امیر المومنین کی ہچکی بندھ گئی۔

بیت المقدس کے قیام کے دوران امیر المومنین نے عیسائیوں کے گرجا قمامہ کی سیر کی نماز کا وقت آگیا۔ بطریق کہنے لگے کہ یہیں نماز پڑھ لیں آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر میں یہاں نماز پڑھ لوں تو مسلمان آپ سے یہ گرجا اس وجہ سے لینے کی خواہش کریں گے کہ یہاں ہمارے خلیفہ وقت نے نماز پڑھی تھی۔ چنانچہ گرجا سے باہر نکل کر آپ نے نماز ادا کی۔ اس کے بعد امیر المومنین نے بطریق اور صحابہؓ کی رائے سے صخرہ کے مقام پر ایک مسجد بنانے کی تجویز کی۔

مسجد عمر کی تعمیر

یہ وہ مقام تھا کہ جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا تھا چنانچہ اس جگہ کو صاف کرنا شروع کر دیا اور امیر المومنین اپنے قبا کے دامن میں مٹی بھر بھر کر اٹھانے لگے۔ یہ دیکھ کر سب کے سب اس کام میں لگ گئے اور وہاں ایک مسجد تیار ہوگئی جو مسجد عمر کے نام سے اب تک موجود ہے۔

فلسطین کے دو حصے کر دیئے گئے

بیتِ المقدس کے فتح ہونے پر رملہ والوں نے بھی صلح کر لی۔ اب فلسطین کو امیر المومنین نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ کا صدر مقام بیت المقدس قرار پایا اور اس کا عامل علقمہ بن محرز کو مقرر کیا اور دوسرے حصہ کا صدر مقام رملہ مقرر کر دیا جس کا حاکم علقمہ بن حکیم کو بنا دیا گیا۔

اس کے بعد امیر المومنین واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

جزیرہ کی فتح کا حال قارئین کرام پڑھ چکے ہیں یعنی جزیرہ ایسی سرحد پر واقع ہے جہاں عراق اور شام کی حدود ملی ہوئی ہیں۔ اس لیے امیر المومنین نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ہر دو سپہ سالاران کو لکھا تھا کہ وہ جزیرہ کو فتح کر لیں کیونکہ یہ علاقہ ایران اور شام کی سرحد پر واقع ہونے کی وجہ سے ہر دو سلطنتوں کے لیے مسلمانوں کے خلاف سیاسی اڈہ بن چکا تھا۔ بہرحال عیاض بن غنم کے ہاتھوں یہ جزیرہ فتح

ہوا تھا۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے لیکن یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ عرب کا قبیلہ ایاد عیسائی مذہب اختیار کر چکا تھا۔ جزیرہ فتح ہو چکنے کے بعد وہ قبیلہ اپنے وطن کو چھوڑ کر ہرقل کے پاس چلا گیا تھا اور وہاں آباد ہو گیا تھا اس قبیلہ کے ترکِ وطن کر جانے سے ایک مستقل سازشی عنصر مسلمانوں کے خلاف پیدا ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے امیر المومنین نے ہرقل کو لکھا۔

قبیلہ ایاد کی واپسی کے لیے ہرقل شاہ روم کو امیر المومنین نے مراسلہ لکھا

مجھے معلوم ہوا کہ عرب سے ایک قبیلہ ایاد ہمارے ملک کو چھوڑ کر تمہارے شہروں میں چلا گیا ہے اگر تم ان عربوں کو اپنے ملکوں سے نہ نکال دو گے تو ہم ان تمام عیسائیوں کو جو ہمارے ملک میں آباد ہیں تمہارے پاس بھیج دیں گے۔ اس مراسلہ کو پڑھتے ہی ہرقل نے قبیلہ ایاد کو اپنے علاقہ سے نکال دیا اور وہ شام اور جزیرہ میں واپس آ گئے امیر المومنین نے عراق عجم اور عراق عرب ہر دو صوبہ جات کے لیے علیحدہ علیحدہ عامل مقرر کیے اور ولید بن عتبہ عراق عرب کے عامل کو لکھا کہ قبیلہ ایاد سے کم از کم جزیہ کی شرط کو قبول کیا جائے۔ اس قبیلہ نے جزیہ سے دگنی رقم جزیہ کی بجائے دینا منظور کر لی۔ یہ لوگ حقیقت میں مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے کبھی وہ ایران سے ساز باز کر رہے ہیں.....

اور کبھی رومیوں سے تعلقات جوڑ رہے ہیں اس طرح مسلمانوں کے خلاف قیصر و کسریٰ کی حکومتیں قبیلہ ایاد کی وجہ سے پریشانی کی صورت پیدا کر رہی تھیں اسی خیال سے امیر المومنین نے قبیلہ ایاد کے بارے میں مناسب قدم اٹھایا اور ان کی شرارت کا سدباب کیا تاکہ یہ سازشی عنصر ہرقل کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے سے باز رہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی کے اسباب

عام خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی حضرت خالدؓ بن ولید کو معزول کر دیا تھا یہ غلط خیال ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ۱۳ھ میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو سپہ سالارِ اعظم بنا دیا تھا اور حضرت خالدؓ بن ولید کو ان کا نائب مقرر کر دیا تاکہ حضرت خالدؓ کسی مہم پر جانے سے پہلے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کی اجازت حاصل کر لیا کریں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت خالدؓ سیف اللہ کی بہادری، جانبازی، فنونِ سپہ گری کی قابلیت کا پورا پورا اعتراف تھا۔ عہدِ صدیقیؓ میں امینؓ سیف اللہؓ کی تابا

اور برش نے رومی اور ایرانی جنگی محاذات میں ایسے ایسے جوہر دکھائے تھے کہ بڑے بڑے پیل تن اور شہ زور سپہ سالاروں کا پتہ پانی ہو کر بہہ جاتا تھا جبکہ وہ سنتے تھے کہ سپہ سالار حضرت خالدؓ بن ولید ہیں اکثر حالات میں دشمن کی سپاہ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوتی تھیں۔ اگر کہیں مقابلہ بھی ہوتا تو مبارزت میں دشمن کا سپہ سالار زندہ گرفتار ہو جاتا یا قتل ہو جاتا۔ رومیوں اور ایرانیوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ خالدؓ بن ولید کا مقابلہ کرنا امرِ محال ہے اور تمام اسلامی فتوحات صرف حضرت خالدؓ کی مرہونِ منت ہیں۔ پھر اس بات کی تصدیق اس صورت سے بھی ہو جاتی ہے کہ حضرت خالدؓ نے سینکڑوں جنگیں لڑی ہیں لیکن کسی ایک جنگ میں بھی حضرت خالدؓ بن ولید کو شکست کا منہ دیکھنا نہیں پڑا۔

مشاہیر پرستی اسلام میں نہیں ہے

بیگانوں کے علاوہ یگانوں میں بھی یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کی سپہ سالاری ہی فتح و ظفر کا ذریعہ ہے۔ ان خیالات کے اندر (ہیرو ورشپنگ) مشاہیر پرستی کا جذبہ ابھرنے کا احتمال ہو رہا تھا جو کہ اسلام کے نظریہ کے خلاف ہے "اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ" (تحقیق عزت اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے) عزت کا مدار اسلام اور محض اسلام ہے۔

"توکل علی اللہ" کے نازک ترین آبگینہ میں اس شخصیت پرستی کی وجہ سے ایک مبہم سی لکیر پیدا ہو رہی تھی اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو تنزل کر کے ثابت کر دیا کہ اسلام شخصیت پرستی کو کسی حالت میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حیرہ کی فتح کے بعد عراق کے جملہ محاذات میں حضرت خالدؓ بن ولید کی عدم شرکت سے نہ تو فتوحات میں فرق آیا اور نہ ہی کسی فوجی کو یہ محسوس ہوا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے نہ ہونے کی وجہ سے واقعہ جسر میں مسلمانوں کو اور جنگوں کی نسبت زیادہ جانی نقصان ہوا ہے۔

اسی طرح شام کے تمام محاذات میں حضرت خالدؓ بن ولید نائب سپہ سالار کو فتح و کامرانی کا اچھا خاصہ ذریعہ سمجھا جا رہا تھا، حالانکہ عزت اور ذلت کا معاملہ قسامِ ازل کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ اسلام پر کاربند رہنے سے مسلمانوں کو عزت ملتی ہے اور اسلام کے اصولوں کو پس پشت ڈال دینے سے ہلاکت و ادبار کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ بہر حال امیر المومنین نے یہ ثابت کر دکھایا کہ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے اس وقت تک کسی سے کام لیتا رہتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو چھوڑ کر کسی اور سے کام لے لیتا ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ

؎ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

ہے یہ تو ایک خدمت گار کی اپنی سعادت اور خوش بختی ہے کہ اس سے کام لیا جا رہا کسی اہم پرزہ کر بیٹا کر بھی نظامِ کائنات کی مشینری برابر چلتی رہتی ہے خواہ اس اہم پرزہ کی بجائے گھٹیا قسم کا پرزہ ہی فٹ کر دیا جائے۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمے کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

پرچہ نویسی کا محکمہ

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہر والی، ہر سپہ سالار اور ہر عامل کے بارے میں اطلاعات حاصل کرنے کا طریقہ نکالا ہوا تھا پرچہ نویس امیر المومنین کے پاس ہر واقعہ کی اطلاع بے کم و کاست بھیج دیا کرتے تھے اور بارگاہِ خلافت سے ان کے بارے میں احکام اصلاح کی غرض سے جاری ہوا کرتے تھے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کا اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم بطور انعام دینا

۱۷ھ کے اواخر میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے بارے میں پرچہ نویسی کے ذریعہ امیر المومنین کو اطلاع پہنچی کہ جزیرہ کی فتح میں حضرت خالد کو بہت سی دولت ہاتھ آگئی۔ انہوں نے اپنے ہیڈ کوارٹر پر آکر اشعث بن قیس ایک شاعر کو اپنی مدح کے صلہ میں دس ہزار درہم بطور انعام دیئے ہیں۔
امیر المومنین نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کو لکھا کہ عام مجلس میں خالد رضی اللہ عنہ بن ولید سے پوچھا جائے کہ یہ رقم انہوں نے شاعر کو اپنی جیب سے دی یا بیت المال سے ادا کی ہے؟ اگر اپنی جیب سے دی ہے تو اسراف ہے اور اگر بیت المال سے ادا کی ہے تو خیانت ہے ہر حالت میں وہ معزولی کے قابل ہیں اور مواخذہ پر اتنا زور دیا کہ اگر وہ جواب نہ دیں تو اسی مجلس میں خالد کا عمامہ اتار کر ان کی گردن میں وہی عمامہ پٹہ کے طور پر ڈال دیا جائے اس حکم کی تعمیل کے لیے امیر المومنین نے اپنے قاصد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو یہ بھی فرمایا کہ اگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے

ے اس بات پر فخر کرنا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے بلکہ اس بادشاہ کا تجھے شکر گزار ہونا چاہیے کہ وہ تجھ سے کام لے رہا ہے۔

غلطی کا اعتراف کر لیں تو ان سے درگزر کر لی جائے۔

امیر المومنینؓ کے اس بارے میں احکام

حضرت خالدؓ بن ولید کو لشکر کے سامنے بلایا گیا۔ قاصد نے حضرت خالدؓ سے پوچھا کہ یہ رقم اشعث بن قیس کو کہاں سے دی؟ حضرت خالدؓ نے جواب دینے سے انکار کر دیا۔ قاصد نے امیر المومنین کے حکم سے ان کے عمامہ کو سر سے اتار کر اس سے ان کی گردن باندھی اور پھر اسی بات کو دہرایا کہ دس ہزار کی رقم انہوں نے اپنی جیب سے دی تھی یا بیت المال سے؟

اس وقت حضرت خالد نے جواب دیا کہ یہ رقم اپنی جیب سے دی تھی۔ اس پر قاصد نے ان کی گردن سے عمامہ ہٹا دیا اور معذرت چاہی اور ساتھ ہی تمام روائیداد امیر المومنین کو لکھ بھیجی۔ بارگاہِ خلافت سے حکم آیا کہ حضرت خالدؓ جلد ہی کے لیے مدینہ منورہ پہنچیں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید فاروقی عدالت میں

امیر المومنینؓ نے حضرت خالدؓ سے پوچھا کہ رقم تمہیں کہاں سے ملی تھی؟ عرض کرنے لگے کہ غنیمت کے مال سے جو میرا حصہ آرہا تھا۔ اس میں سے میں نے یہ رقم اشعث شاعر کو بطور انعام دی تھی۔

پھر خود ہی عرض کرنے لگے کہ اچھا ساٹھ ہزار سے زائد رقم میں بیت المال میں جمع کرتا ہوں۔ حساب کرنے پر بیس ہزار درہم زائد نکلے جو بیت المال میں جمع کروائے گئے۔ اس کے بعد معاملہ رفع دفع ہو گیا اور امیر المومنین نے حضرت خالدؓ کو فرمایا کہ واللہ! تم مجھے ایسے ہی محبوب ہو جیسے پہلے تھے۔

اس کے بعد ابو عبیدہؓ بن الجراح کو لکھ بھیجا کہ میں نے حضرت خالد کی معزولی کسی ناراضگی کی وجہ سے نہیں کی اور نہ ہی کسی خیانت کی بنا پر کی ہے بلکہ میں نے انہیں معزول اس لیے کیا تھا کہ لوگ اس کے عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے فتنہ میں پڑ رہے تھے۔ میں ان کو معزول کر کے بتانا چاہتا ہوں کہ کارساز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور بس۔

اس واقعہ کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید کسی میدانِ جنگ میں شریک نہیں ہوئے یہاں تک کہ ۲۱ھ میں حمص میں انہوں نے بستر پر ہی اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ شہادت کا مقام حاصل کرنے کی بے انتہا آرزو تھی بڑے سے بڑے خطرناک موقعوں پر اسی شہادت کے خیال سے کود پڑتے۔ جسم پر سینکڑوں زخموں کے نشانات تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی اس تلوار کو کوئی میدانِ جنگ میں توڑ نہ سکا۔

سنہ ۱۳ھ میں جو کچھ ہوا وہ اس قدر تھا کہ حضرت خالد بن ولید کو ایک درجہ تنزل کر دیا تھا اور کسی کو بھی اس کا علم نہ ہوا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ البتہ معاملہ کی نزاکت اس وجہ سے ہوگئی تھی کہ محاذِ جنگ تھا اور حضرت خالدؓ بن ولید پوری ذمہ داری سے فوج کی کمان کر رہے تھے۔ قربان جائیے ان کی پختگیٔ ایمان پہ کہ جب کسی نے پوچھا کہ تنزلی کے باوجود آپ جانثاری سے لڑ رہے ہیں تو فرمانے لگے کہ میں اللہ کے لیے لڑ رہا ہوں عمرؓ کے لیے نہیں لڑ رہا یہ حضرت خالدؓ بن ولید کے جذبہ للہیت کی بہترین مثال ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی تنزلی اور معزولی پر بحث

سنہ ۱۷ھ کے مذکور الصدر واقعہ کو بغور مطالعہ کیا جائے تو اس کے مختلف پہلو سامنے آجاتے ہیں:۔

۱۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے کسی محاذِ جنگ میں کبھی شکست نہیں کھائی اور ان کی سپہ سالاری نے چار دانگ عالم میں اسلام کے نام کو سربلند کیا ہے۔

۲۔ فتوحات کی وجہ سے مالِ غنیمت میں معتدبہ اضافہ ایک گونہ ان کی سپہ سالارانہ قیادت کا مرہونِ منت ہے۔

۳۔ پھر مجاہدین میں مالِ غنیمت تقسیم کرتے وقت کسی فرد کو زائد رقم بطور انعام دے دینا سپہ سالار کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا اور ایسا کرنے پر سپہ سالار سے بازپرس نہیں ہو سکتی تھی۔

سپیشل انعام دینا اسلام میں جرم نہیں ہے۔

اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ کسی مجاہد کی خدمات سراہتے ہوئے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت قعقاع بن عمروؓ کو فتح مدائن کے وقت ہرقل کی تلوار اور بہرام گور کی زرہ سپیشل انعام کے طور پر دی گئی تھیں........ ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو کہ ظاہر کر رہی ہیں کہ سپہ سالار نے کسی کے کام سے خوش ہو کر سپیشل انعام دیا ہے۔ پھر ان تمام واقعات کی اطلاع پرچہ نویسوں کے ذریعہ بارگاہ خلافت میں بروقت پہنچتی رہتی تھی۔ لیکن ایسی کسی بات پر بھی امیر المومنین نے اعتراض نہیں کیا بلکہ بعض اوقات امیر المومنین خود لکھ دیتے کہ فلاں مقتول کا سامان فلاں مجاہد کو ملنا چاہیے۔

جنگِ قادسیہ کے موقعہ پر حضرت بلال بن علقمہؓ کو رستم سپہ سالار کا سامان دیا گیا کیونکہ حضرت بلالؓ نے رستم کو قتل کیا تھا۔ اسی طرح جنگ قادسیہ میں جو لوگ بھاگ رہے تھے ان میں جالینوس سپہ سالار بھی تھا جس نے مزید ایک دستہ فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے تیار کر رکھی تھی۔ قادسیہ کا محاذ جنگ تو ختم ہو چکا تھا تاہم

حضرت زہرہؓ بن حیوۃ فوج کا دستہ لیے ہوئے میدانِ جنگ سے بھاگنے والوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ ان دونوں فوجی دستوں میں مقابلہ ہو گیا۔ جالینوس قتل ہو گیا۔ حضرت زہرہؓ بن حیوۃ جالینوس مقتول کے سامان کو لینا چاہتے تھے لیکن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص یہ سامان حضرت زہرہؓ بن حیوۃ کو دینے میں متردد تھے چنانچہ امیر المومنین کا فیصلہ اس بارے میں طلب کیا گیا۔ انہوں نے لکھ بھیجا کہ جالینوس مقتول کا سامان زہرہؓ بن حیوۃ کو ہی دیا جائے۔

عہد فاروقی میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو بتا رہی ہیں کہ امیر المومنین نے کسی مجاہد کو حسنِ کارکردگی کی بنا پر سپیشل انعام دینے یا دلانے پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ لیکن حضرت خالدؓ بن ولید سپہ سالار نے جب اشعث بن قیس شاعر کو قصیدہ مدحیہ کے سننے کے بعد دس ہزار درہم بطور انعام دیئے اور اس کی اطلاع پرچہ نویسی کے ذریعہ امیر المومنین کو پہنچی تو امیر المومنین نے حضرت بلالؓ کو قاصد کی حیثیت سے بھیجا اور حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو لکھا کہ ...... بر سرِ اجلاس عام حضرت خالدؓ سے اس رقم کے بارے میں پوچھا جائے۔ حقیقت میں پوچھنے کا انداز بھی تعجب خیز ضرور ہے اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

قارئین کرام متعجب ہوں گے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے علو مرتبت کا خیال نہ رکھتے ہوئے ایسا ذلت آمیز سلوک ؟ ایسا سلوک تو ایک عام سپاہی بھی بہ جبر و اکراہ برداشت نہیں کر سکتا ہے ...... چہ جائیکہ ایک سپہ سالار برداشت کرے اور سپہ سالار خالد سیف اللہ ہوں جن کی تلوار کی ادنیٰ سی جھنکار سے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں لرزہ پیدا ہو جایا کرتا تھا ...... وہ فاروقی عدالت کے تحت اس طور ماخوذ ہو ...... اور صحابہؓ میں سے کسی ایک کو بھی جنبشِ لب کی طاقت نہ ہو ......۔ اس سے بڑی اطاعتِ امیر کی مثال دنیا میں مل سکتی ہے؟ ...... ایسا ڈسپلن کسی قوم نے پیش کیا ہے؟ ..... کیا ایسے ڈسپلن کی توقع آئندہ کی جا سکتی ہے؟ ....

ڈسپلن کی بہترین مثال

اے ابو سلیمان (حضرت خالد بن ولید) "سیفٌ مِن سُیُوفِ اللہ" صحابی ہونے کی نظیر تو نے پیش کر دکھائی ہے .... اسلام کو ہمیشہ لیے ڈسپلن اور اطاعتِ امیر کے ایسے جذبہ پر فخر رہے گا ......۔ قیامت تک کے لیے تو نے ڈسپلن کا بہترین نمونہ قائم کیا ہے .... اور ہر راہ روِ منزل تیرے فوجی کردار کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کرتا رہے گا ...... پھر فردِ جرم کو لیا جائے تو یہی ہے نا کہ دس ہزار کی رقم مدحیہ قصیدہ کے سلسلہ میں ایک شاعر کو دی جاتی ہے ...... بر سرِ عام بازپرس کرنے پر پتہ

جلتا ہے کہ وہ رقم بھی تو نے اپنی جیب خاص سے دی ہے .... اللہ اللہ! محاسبہ کا یہ عالم ...... احتساب کی گرفت نجی اور محض نجی معاملات کی گہرائی تک پہنچ جائے .... کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام جو اپنوں کے مال کو بھی دیکھ نہیں سکتا کہ اسراف کی مد میں آجائے وہ بیگانوں کے مال ومتاع اور عزت وناموس پر دست درازی کرنے کی کسی کو کب اجازت دے گا؟ .....

اللہ تعالیٰ معترضین کو خواہ اپنے ہوں یا بیگانے سب کو سمجھ دے کہ اعتراض کرنے سے پہلے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا مطالعہ صحیح طور پر کر لیا کریں جبلا وجہ ان کی نیتوں پر حملہ کر کے اپنی سمجھ کے مطابق ان کی ایک آدھ اجتہادی رائے کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں ...... پھر دانستہ یا نادانستہ طور پر ریسرچ کا ایک کھڑاگ کھڑا کر دکھاتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَعَاذْنَا مِن ہٰذِہِ الخرافات!

اب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی جلالتِ شان، صولت اور دبدبہ کا اندازہ کیجئے کہ ہزاروں میل کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے ایک قاصد کے ذریعہ اپنے حکم کی تعمیل حضرت خالدؓ بن ولید سے کروا رہے ہیں۔ اس وقت جب کہ وہ سپہ سالار ہیں اور تمام جاہ وحشم اور فتح ونصرت اس سپہ سالار کا ساتھ دے رہی ہیں ......
کیا اس حکم کے اندر اس جذبہ احتساب کی حقیقی روح کارفرما نہیں ہے کہ اگر دریائے فرات یا دریائے نیل کے کنارے پر بھی کوئی جانور بھوک کی وجہ سے دم توڑ رہا ہو تو اس کی ذمہ داری عمرؓ پر عائد ہوتی ہے اور وہ قیامت کے دن جواب دہ ہے؟ ....

اسراف کی برائی

امیر المومنین نے دیکھا کہ اگر سپہ سالار نے یہ رقم بیت المال سے دی ہے تو صریحاً خیانت ہے اور اگر اپنی جیب خاص سے شاعر کو دی ہے تو اسراف ہے۔ دونوں حالتوں میں سپہ سالار کا فعل قابل مؤاخذہ ہے۔ مال میں خیانت تو واقعی ایسا جرم ہے کہ جس کی برائی سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسراف کے بارے میں شاید کچھ لوگوں کو تردد ہو۔ اسراف کے بارے میں قرآن پاک کے واضح الفاظ ہیں اِنَّ المُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطَانُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا تحقیق اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا منکر ہے یعنی اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا منکر ہے نتیجہ یہ نکلا کہ اسراف کرنے والے اپنے رب کے منکر ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا قرآن پاک پر کتنا گہرا مطالعہ تھا اور صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگیوں میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا تھا کہ سراپا خلوص ہی خلوص نظر آتے تھے۔

امیر المومنین نے دیکھا کہ سپہ سالار کا اسراف کی طرف رجحان تمام لشکریوں کو اسراف کی طرف لے جائے گا۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِہِم[1] ۔ ہر عیبے کہ سلطان بہ پسند د ہنر است[2]
سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا اچھے طریقہ سے اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے ۔

[3] اگر ز باغ رعیت ملک خورد سیبے
برآورند غلامان او درخت از بیخ
نیم بیضہ کہ سلطاں ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

پھر امیرالمومنین نے حضرت خالدؓ بن ولید کے اس "اسراف" کے اندر ..... "خودستائی" کے رجحان کو جو پایا تو امیرالمومنین نے اس خودستائی کا علاج ضد سے کیا یعنی برسرعام اجلاس تمام لشکر کے سامنے اس طرح کی بازپرس کی کہ اشعث بن قیس کی تمام قصیدہ گوئی اور مداح سرائی کی کوئی حقیقت باقی نہ رہی ۔

امیرالمومنین کی اپنی ذات بھی احتساب سے بری الذمہ نہ تھی

امیرالمومنین اپنی ذات کو بھی احتساب سے بری الذمہ نہیں ٹھہرایا کرتے تھے بلکہ ہر وقت اپنے آپ کو احتساب میں جکڑے رکھتے تھے کہیں کوئی فعل یا لغزش ایسی ویسی ہوئی فوراً اس کا علاج کر دیا اور اپنے نفس کی اصلاح کر لی ۔ ایک دفعہ امیرالمومنین خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھے، حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمانے لگے کہ ایک وقت خطاب کا لڑکا عمرؓ اونٹوں کا چرواہا تھا اس کو وقت پر اونٹ باہر نہ لے جانے کی پاداش میں بہت سزا ملا کرتی تھی یہ کہہ کر عمرؓ منبر سے نیچے اتر آئے ۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ امیرالمومنین ! یہ کیا الفاظ تھے اور ان کے بیان کرنے کا کونسا موقعہ تھا ؟ فرمانے لگے کہ نفس میں ایک خیال پیدا ہو گیا تھا کہ عمرؓ بن خطاب بہت بڑا حکمران ہے اس کے زیرنگیں دنیا کا بہت بڑا حصہ ہے ...... میں نے اس خیال کا مناسب علاج کیا ہے ۔

اندریں حالات حضرت عمر فاروقؓ نے " کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ[4] " کے تحت حضرت خالدؓ بن ولید سے بازپرس کی اور ثابت کر دیا کہ .....

---

[1] لوگ بادشاہوں اور امیروں کے دین پر ہوا کرتے ہیں ۔

[2] ہر عیب جو سلطان پسند کرتا ہے وہ ہنر سمجھا جاتا ہے ۔

[3] اگر بادشاہ رعیت کے باغ سے ایک سیب کھائے تو اس کے غلام درختوں کو جڑ سے اکھیڑ لائیں گے آدھا انڈے کے برابر بادشاہ اگر ظلم کو روا رکھے تو اس کے لشکری ہزاروں مرغ کو سیخ کباب کر ڈالیں گے ۔

[4] تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا ۔

اسلام ملک گیری سے زیادہ ملک داری سکھاتا ہے۔

اسلام کی ڈھلی ہوئی تعلیم میں ملک گیری نہیں ملک داری ہے۔

اسی وجہ سے امیرالمومنینؓ نے عراق سے آگے بڑھنے والی فوجوں کو حکماً حملہ سے روک رکھا تھا۔ یزدجرد شاہ ایران کی انگیخت پر جب کبھی لڑنے کا موقعہ آیا تو علاقہ فتح ہو جانے کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے کاش ہمارے اور ایران کے درمیان آگ کا ایک سمندر ہوتا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جو علاقہ مفتوح ہو چکا ہے وہ کافی ہے اس میں امن وامان قائم کیا جائے اور عوام کے حقوق کی نگہداشت کی جائے یہ بہت بڑا کام ہے ہاں اسلام کی دعوتِ تبلیغ میں اگر کہیں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو ان موانعات کو دُور کرنے کے لیے بھی جزیہ یا خراج کی صورت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اگر اس جزیہ وغیرہ سے بھی کام نہ نکلے تو آخر میں بامرِ مجبوری تلوار میان سے باہر آتی ہے۔

امیرالمومنینؓ نے دیکھا کہ حضرت خالدؓ سیف اللہ کی خاراشگاف تلوار نے دشمنانِ اسلام کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ جنگی محاذات سے ہٹ کر مسلمان مجاہد اپنے قول و فعل سے اسلام کی صحیح تعلیم پیش کریں۔ ایسا کرنے میں اگر کہیں نقص رہ جائے اور عدم احتیاط سے وہ ناسور کی شکل اختیار کر جائے تو وہ آہستہ آہستہ کسی دن بہت بڑے مہلک زخم کی صورت میں تبدیل ہو جائیگا۔ ایسی حالت میں طبی نقطۂ نگاہ کے تحت اپریشن کرنا نہایت ضروری ہو جاتا ہے خواہ وہ اپنے جسم کا حصّہ ہی کیوں نہ ہو۔ (حضرت خالدؓ بن ولید حضرت عمر فاروقؓ کے ننھیال میں سے تھے اور ایک طرح سے وہ امیرالمومنینؓ کے ماموں زاد بھائی تھے)

بدیں وجہ حضرت خالدؓ بن ولید کو فاروقی عدالت کی طرف سے بازپرس ہوئی اور ان کے اسراف کے اس عمل کو قابلِ مواخذہ سمجھ کر ان کو فوجی خدمات سے سبکدوش کر دیا تاکہ اسراف کی مرض گھن کی طرح مسلمان مجاہدین میں نہ لگ جائے اور وہ ان کے کردار کی شاخ کو چاٹ کر نہ رکھ دے۔ اسراف کے مہلک مرض کی جب اصلاح ہو گئی تو امیرالمومنین نے حضرت خالدؓ بن ولید کے بارے میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو لکھ بھیجا کہ حضرت خالدؓ کی معزولی کسی خیانت یا ناراضگی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کے عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے ہے لوگ فتنہ میں پڑ رہے تھے میں نے ان کو معزول کر دیا تاکہ معلوم ہو کہ کارساز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اصحابِ رسول اللہؐ کا مقصد "الحب للہ والبغض للہ" ہے

امیرالمومنین کے ایسا کرنے میں "توکل علی اللہ" کے ساتھ ساتھ "اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ"[1] کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

---

[1] محبت اللہ کے واسطے ہے اور کسی سے بغض بھی اللہ ہی کے واسطے ہے۔

اب امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ اور حضرت خالد ؓ سیف اللہ ہر دو کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر غور کریں "اَصْحَابِی کَالنُّجُوم فَبِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ" سے تمام شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں۔ حقیقت میں جہاں صحابہ کرام ؓ نے قدم رکھے ہیں وہ آنے والی نسلوں کے لیے نشانِ راہ ثابت ہو رہے ہیں۔

برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدہ اربابِ نظر خواہد بود

اب اس بحث کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ملک مصر کے بارے میں تھوڑا سا بیان کر دیا جائے تاکہ اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ ایک طرف امیر المومنین ملک داری کے اصول کے تحت فتوحات کے دامن کو سمیٹنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف مصر کو فتح کر کے اپنی فتوحات میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

ملک مصر پر حملہ کرنے کی وجہ

قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ روم (فلسطین) کے محاذ سے ارطبون اپنے لشکر سمیت بھاگ کر مقوقس شاہِ مصر کے پاس پہنچ گیا تھا۔ حضرت عمرؓو بن العاص اس کی عیاری اور چالاکی کو خوب سمجھتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ عنقریب فلسطین پر حملہ کرے گا اور اس علاقہ کو حاصل کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کرے گا۔

اس لیے عہد نامہ بیت المقدس کے لکھنے کے بعد حضرت عمرؓو بن العاص نے امیر المومنین کی توجہ ارطبون کے فرار ہونے کی طرف دلائی تھی اور ساتھ ہی صورت حال سے بھی آگاہ کیا کہ ہو سکتا ہے امیر المومنین کی واپسی کے بعد ہی یہ فلسطین کا علاقہ از سرِ نو محاذ جنگ کی صورت اختیار کر جائے۔

حضرت عمرؓو بن العاص ایام جاہلیت میں تجارت کے سلسلہ میں مصر آیا جایا کرتے تھے اور اس ملک کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔ مصر کے لوگوں کی سیاسی، معاشرتی، تمدنی اور مذہبی حالات سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ مقوقس شاہ مصر اسرقل .... شاہ قسطنطنیہ کے باجگذاری کا جوا گلے سے اتار پھینکنا چاہتا تھا اور ساتھ ہی مصر کے عرب باشندے بھی اپنے آپ کو آزاد رکھنے کے متمنی ہیں۔ ان حالات

ﮯ میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں جس کی تم اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

ﮯ جس زمین پر تیرے پاؤں کے تلووں کا نشان تھا وہاں برسوں تک دانشور سجدہ ریزی کرتے رہیں گے

میں مصر کو فتح کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔اس طرح سیاسی طور پر بھی ہر قسم کا خدشہ ختم ہو جائے گا۔
ایسی ہی چند اہم تجاویز حضرت عمرؓو بن العاصؓ نے امیر المومنین کی خدمت میں پیش کیں جن کی بنا پر امیر المومنین نے انہیں ملکِ مصر کی طرف بڑھنے کی اجازت دے دی اور مدینہ منورہ واپس پہنچ کر حضرت زبیرؓ بن العوام کو دس ہزار فوج کا لشکر بطور کمک دے کر ملکِ مصر کی طرف روانہ کیا جو کچھ عرصہ کے بعد مصر پہنچتا ہے اس سے پہلے حضرت عمرؓو بن العاص چار ہزار مجاہدین کی جمعیت کے ساتھ ملکِ مصر کی حدود میں ۱۸ھ میں داخل ہو جاتے ہیں۔

عریش اور عین الشمس مفتوح ہو گئے

حضرت عمرؓو بن العاص نے اپنے چار ہزار مجاہدین کے ساتھ عریش کے راستہ سے ملکِ مصر میں پیش قدمی کی۔ امیر المومنین کے حکم کے مطابق انہوں نے پہلے اسلام کی دعوت پیش کی۔ پھر جزیہ اور خراج کی بات آئی لیکن کسی ایک شرط پر بھی صلح نہ ہوئی اس لیے کہ ارطبون کسی حالت میں صلح کرنے پر تیار نہ تھا۔ شاہ مقوقس ارطبون کے اکسانے پر لڑائی پر آمادہ تھا۔ آخر بہت سخت معرکہ ہوا اور خونریزی کے بعد ارطبون بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے عین الشمس کا محاصرہ کر لیا۔ عین الشمس والوں نے جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ عین الشمس کے قیدیوں کے بارے میں امیر المومنین کی رائے دریافت کی گئی۔ انہوں نے لکھا کہ جنگ کے دوران یا جنگ سے پہلے جو قیدی بھی گرفتار ہوئے سب کو رہا کر دیا جائے اس لیے کہ انہوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا ہے۔

شہر فرما اور قوامر کی فتح

شہر فرما میں رومی فوج سے مقابلہ ہوا اور ایک ماہ تک جنگ جاری رہی۔ اس کے بعد اسلامی فوجوں نے فرما پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد قوامر کی طرف پیش قدمی کی اور قوامر کو بھی فتح کر لیا۔

بلبیس پر قبضہ

قوامر کے بعد اسلامی لشکر بلبیس کی طرف بڑھا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد بلبیس پر قبضہ ہو گیا۔ اس جگہ ایک خاص اور اہم واقعہ پیش آیا جس نے مسلمانوں کے قدم ملکِ مصر میں جما دیئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مقوقس شاہِ مصر کی بیٹی ارمانوسہ کی شادی ہرقل کے بیٹے قسطنطین سے کچھ روز پہلے ہوئی تھی اور اب ارمانوسہ اپنے سسرال کے ہاں بہت سے سامان اور جہیز کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے جا رہی تھی۔ وہ سسرال جاتے ہوئے بلبیس کچھ روز کے لیے ٹھہر گئی تھی کہ اچانک بلبیس شہر پر حملہ ہو گیا وہ بھی محصورین کے

ساتھ گرفتار ہو کر حضرت عمروؓ بن العاص کے سامنے پیش ہوئی۔ انہوں نے ارمانوسہ کو اس کے تمام جہیز و سامان کے ساتھ پوری حفاظت کے تحت اس کے باپ کے پاس واپس بھیج دیا۔ اس حسنِ سلوک کا اثر مقوقس شاہِ مصر کے دل پر بہت زیادہ ہوا۔

بلبیس کے فتح ہونے تک حضرت زبیر بن العوام بھی مدینہ منورہ سے دس ہزار کا لشکر لے کر آ پہنچے حضرت زبیرؓ کے لشکر کو باب لیون کی طرف روانہ کیا اور سپہ سالار خود فسطاط کے قریب خیمہ زن ہو گئے تاکہ اکٹھے اسکندریہ کا رُخ کریں۔ باب لیون کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور رومیوں نے وہاں بے شمار فوج جمع کر رکھی تھی۔ محاصرہ بہت دنوں تک قائم رہا۔ اس عرصہ میں حضرت عمروؓ بن العاص بھی فسطاط سے اپنا لشکر لے کر آ گئے۔ لیکن اتنی بڑی کوشش کے باوجود قلعہ کے اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی کھلے میدان میں نکل کر رومی لڑنے سے گریز کرتے تھے۔

باب لیون کی فتح

ایک دن حضرت زبیر چند جانبازوں کے ساتھ سیڑھی لگا کر فصیل پر چڑھ گئے پھر بہت ہمت اور جوانمردی سے قلعہ کے اندر اتر گئے اور جاتے ہی پہرہ داروں کو قتل کیا اور دروازہ کھول دیا۔ فوج قلعہ کے اندر داخل ہو گئی۔ بے شمار رومی قتل ہوئے اور بقیۃ السیف نے راہِ فرار اختیار کی اور بڑی خونریزی اور جانفشانی کے بعد باب لیون کا قلعہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد مقوقس شاہِ مصر نے مصری اور رومی فوج کی شکست کو دیکھ کر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

صلحنامہ کی شرائط

شرائط حسبِ ذیل تھیں:۔

i : بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے علاوہ ہر بالغ مرد دو دینار سالانہ ادا کرے گا۔

ii : اسلامی فوج جس علاقہ سے گزرے قبطی ان کی مدد کریں گے۔

iii : مسلمانوں کو مصریوں کے مال و دولت اور زمین سے کوئی سروکار نہ ہو گا۔

iv : مصر میں رہنے والے رومیوں کو اجازت دی گئی کہ مصر میں اگر رہیں تو ذمی بن کر رہیں دگرنہ اپنے ملک کو لوٹ جائیں۔

ہرقل کو اس صلحنامہ سے بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ شاہِ مصر مسلمانوں سے ڈٹ کر مقابلہ کرے اور وہ ہر قسم کی امداد اس کو دیتا رہے گا مقوقس اس کی باتوں میں نہ آیا کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے

مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو چکا تھا اور وہ اس کوشش میں تھا کہ رومیوں کی اطاعت کا جوا اپنے گلے سے اتار پھینکے۔ اب اس نے ہرقل کی اطاعت گزاری کی بجائے مسلمانوں کے زیر اثر ہو کر رہنے میں اپنی اور اپنی رعایا کی بہتری سمجھی اس لیے فوراً صلحنامہ مرتب کر کے دستخط کر دیئے۔

اس صلحنامہ کے بعد مسلمان اسکندریہ کی طرف بڑھے۔ لیکن سپہ سالار کو اسکندریہ فتح کرنے سے پہلے کریون کے قلعہ کو فتح کرنا نہایت ضروری تھا جہاں پر بہت بڑی تعداد میں رومی فوج قلعہ بند تھی۔ خطرہ تھا کہ اسکندریہ کے حملہ کے وقت یہ قلعہ بند فوج عقب سے حملہ آور نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس فوجی نقطہ نگاہ سے اس قلعہ کا محاصرہ کیا گیا۔ آخر رومی فوج تنگ آ کر کھلے میدان میں آ کر لڑی دس روز تک خونریز معرکہ ہوتا رہا۔ بڑی ہمت سے یہ قلعہ فتح ہوا۔ لاکھوں کی تعداد میں دشمن مقتول ہوئے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر اس قلعہ کو فتح کیے بغیر اسکندریہ پر حملہ آور ہو جاتے تو مسلمانوں کے لیے بے انتہا پریشانی کا باعث ہوتا۔

اسکندریہ کی طرف پیش قدمی

اب مسلمان لشکر کریون کو فتح کر کے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ اسکندریہ بحر روم کی بہت بڑی بندرگاہ ہے۔ اس شہر کے تین طرف فصیل ہے یعنی ایک طرف بحر روم، دوسری طرف دریائے نیل کا ڈیلٹا اور تیسری طرف ایک بہت بڑی نہر ہے اس شہر کی صرف چوتھی طرف کھلی ہے۔

اسکندریہ میں ایک بہت عظیم الشان قلعہ تھا اور فوج کھلے میدان میں لڑنا نہیں چاہتی تھی۔ تھوڑی بہت لڑائی کے بعد فوج قلعہ بند ہو گئی۔ محاصرہ بہت دنوں تک قائم رہا کیونکہ سمندر کے راستہ سے محصورین کو سامان رسد متواتر پہنچ رہا تھا۔

امیر المومنین کو جب اسکندریہ کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملی تو انتظار کے بعد حضرت عمرؓو بن العاص سپہ سالار کو ایک خط لکھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے میں کچھ غفلت اختیار کی ہے۔ ورنہ حق کے مقابلہ میں باطل اتنی دیر تک نہیں ٹھہر سکتا مسلمانوں کو جمع کر کے اس بات پر آگاہ کرو اور یکبار حملہ کرو۔

اسکندریہ فتح ہو گیا

اس خط کو سنتے ہی حضرت عبادہؓ بن صامت نے علم سنبھالا اور نعرہ تکبیر کے ساتھ یکدم ایسا حملہ کیا کہ دشمن کی لو کھلا اٹھی اور اس کو عبرتناک شکست ہوئی۔ شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ شہر والوں کو امان دے دی گئی

نہ کسی کا مال لوٹا گیا اور نہ ہی کسی کو غلام بنایا گیا۔

اسکندریہ کی بندرگاہ حقیقت میں ملکِ مصر کی کنجی تھی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اسکندریہ کے فتح ہونے کے بعد امیر المومنین کو لکھا کہ اس شہر میں صرف یہودیوں کے چار ہزار مکان ہیں جن میں چالیس ہزار یہودی رہتے ہیں چار ہزار حمام ہیں اور چار سو تفریح گاہیں ہیں۔ بہت بارونق شہر ہے۔ مشرق اور مغرب کے ملکوں کے لیے تجارت کی منڈی ہے۔ اس کا علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔

اسکندریہ کے ملحقہ شہر بھی مفتوح ہو گئے

اسکندریہ کی فتح کے بعد بلبیب، برتش اور دمیاط آسانی سے فتح ہو گئے البتہ تینس میں بہت سخت مقابلہ ہوا کیونکہ اس شہر کے انیس لوہے کے دروازے تھے جن پر لوہے کی دبیز چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔

برقہ فتح ہو گیا

اس طرح بحر روم کے ساحل سے بلا دنوبہ تک سارے مصر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اب برقہ اور طرابلس میں رومی فوجیں تھیں جو کہ مستقل طور پر خطرہ پیدا کر رہی تھیں اس لیے مسلمانوں کو ان علاقوں کی طرف پیشقدمی کرنا پڑی۔

پہلے برقہ فتح ہوا اور تیرہ ہزار درہم سالانہ جزیہ دینے پر صلح ہو گئی۔ برقہ طرابلس کے ملک کا ایک شہر تھا اور زرخیز علاقہ تھا۔ جہاں زعفران کی کاشت ہوتی تھی۔ مشرق اور مغرب کے تاجر یہاں آتے جاتے تھے۔ یہاں کے لوگ مسلمانوں کے اخلاق دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

طرابلس مفتوح ہو گیا

طرابلس ایک بندرگاہ تھی یہاں رومیوں کا لشکر حفاظت کے طور پر موجود تھا۔ مسلمانوں نے تھوڑی سی کوشش سے اس کو فتح کر لیا۔ اگرچہ وہاں کے لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے لیکن بحری راستہ سے امداد نہ ملنے کی وجہ سے طرابلس والوں نے جلد صلح کر لی۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے امیر المومنین سے جنوبی افریقہ ٹیونس کی طرف بڑھنے کی اجازت طلب کی لیکن انہوں نے سپہ سالار کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس لیے غنیمت کے مال کے ساتھ وہ واپس اسکندریہ آ گئے

حضرت عمروؓ بن العاص نے اسکندریہ کو مصر کا دارالخلافہ بنانے کی اجازت بارگاہِ خلافت سے طلب کی لیکن

انہوں نے سپہ سالار کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس لیے غنیمت کے مال کے ساتھ وہ واپس اسکندریہ آگئے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے اسکندریہ کو مصر کا دارالخلافہ بنانے کی اجازت بارگاہِ خلافت سے طلب کی لیکن امیرالمومنین نے لکھا کہ باب لیون کے قریب دریائے نیل کے اس کنارے پر کوئی اچھا سا مقام تجویز کیا جائے جہاں سے خلیفہ وقت مدینہ منورہ سے بآسانی آپ کے ہاں آجا سکیں، درمیان میں کوئی دریا حائل نہ ہو اور کسی سمندر یا دریا کی طغیانی کسی فریادرس کو دارالخلافہ تک پہنچنے میں سدِ راہ نہ بنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے اس جگہ دارالخلافہ بنانے کی تجویز کی جہاں اسکندریہ پر حملہ کرنے سے پہلے ان کا خیمہ لگا ہوا تھا۔ اس شہر کا نام فسطاط رکھا گیا جس کے معنیٰ خیمہ کے ہیں۔ اس تجویز کو امیرالمومنین نے پسند فرمایا۔

فسطاط کی وجہ تسمیہ

باب لیون کی فتح کے موقعہ پر فوجی حضرت عمروؓ بن العاص کے خیمہ کو اکھاڑنے گئے تو مہینوں خیمہ لگے رہنے کی وجہ سے کسی جنگلی کبوتر نے خیمہ کے اندر گھونسلہ بنا رکھا تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے سپاہیوں کو خیمہ اکھاڑنے سے منع کر دیا اس لیے کہ ایسا کرنے سے اس ہمارے مہمان کو تکلیف ہوگی۔ وہ خیمہ اسی طرح رہنے دیا اور وہاں ایک محافظ کی ڈیوٹی بھی لگا دی یہاں تک کہ اسکندریہ کی فتح کے بعد جب سپہ سالار واپس تشریف لائے تو امیرالمومنین کے حکم سے اس خیمہ کے اردگرد ایک شہر کی بنیاد رکھ دی اور جہاں خیمہ تھا وہاں ایک عظیم الشان مسجد تیار کی جو جامع عمرؓ کے نام سے مشہور ہے۔ شہر بہت خوبصورت بنایا گیا اور مصر کا دارالخلافہ قرار پایا۔ لیکن بنی فاطمہ نے جب قاہرہ کی بنیاد ڈالی تو اس شہر کی رونق میں کمی ہوگئی۔

مصر میں اسلام کی اشاعت

حضرت عمروؓ بن العاص کو سارے ملک مصر کا گورنر بنا دیا گیا ان کے حُسنِ سلوک اور رواداری کو دیکھ کر مصر میں بہت جلد اسلام پھیلتا گیا۔

دریائے نیل ملکِ مصر میں ایک بہت بڑا دریا ہے جس کے دونوں طرف کھُلا زرخیز میدان ہے۔ مصر والوں کا گزر اوقات زیادہ تر دریائے نیل کی طغیانی پر ہوا کرتا تھا۔ طغیانی آنے سے اردگرد کا وسیع علاقہ سیراب ہو جاتا تھا۔ کاشتکار اس سیراب شدہ علاقہ میں فصل کاشت کرتے اور اس فصل پر وہ گزر اوقات کرتے۔ ملک کی غذائیت کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔

دریائے نیل میں طغیانی

پرانے زمانہ سے مصر والوں میں یہ اعتقاد چلا آرہا تھا کہ دریائے نیل میں اس وقت تک طغیانی نہیں آتی تھی جب تک کہ ہر سال ایک دوشیزہ کو بناؤ سنگار کر کے دریائے نیل کے وسط میں بھینٹ کے طور پر نہ چھوڑ دیا جائے اور پانی کی ایک لہر اس دوشیزہ کو بہا کر نہ لے جائے۔

اس عقیدہ کی بنا پر مصری ہر سال ایک دوشیزہ کو دلہن کی طرح بناؤ سنگار کر کے پورے اہتمام کے ساتھ دریا کے عین درمیان میں چھوڑ آتے اور ڈھول وغیرہ بجاتے رہتے تاآنکہ پانی کی لہر اس کو بہا کر لے جاتی اور اس کے بعد فوراً دریا میں طغیانی آجاتی۔ لوگ طغیانی کے بعد اپنی کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیتے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے جب اس قبیح ظالمانہ اور انسانیت سوز رسم کے بارے میں سنا تو انہوں نے حکماً اس رسم کو بند کر دیا کہ آئندہ کسی دوشیزہ کو دریا میں نہ بہایا جائے۔ لوگ اس حکم کو سن کر رک گئے اور کوئی رسم وغیرہ ادا نہ کی۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس سال دریا میں طغیانی نہ آئی جس کی وجہ سے کاشتکاری نہ ہو سکی اور ملک میں قحط سالی ہو گئی۔ لوگ حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس قحط سالی کے بارے میں ذکر کرنے لگے اور قدیم رسم کو بند کرنے پر اس قحط سالی کو محمول کرنے لگے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ تمام واقعہ امیر المومنین کی خدمت میں لکھ بھیجا اور حکم کا انتظار کرنے لگے۔ بارگاہِ خلافت سے حکم پہنچا کہ آپ نے جو اس قبیح رسم کو بند کر دیا ہے بہت اچھا کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے اس مکتوب کو دریائے نیل میں ڈال دیا جائے۔

دریا کے نام مکتوب عمرؓ

مکتوب کے الفاظ ملاحظہ کیجئے:-

"اللہ کے بندے اور مسلمانوں کے امیر کی طرف سے دریائے نیل کے نام

امابعد! اے نیل! اگر تو اپنے اختیار سے بہتا ہے تو نہ بہہ لیکن اگر تیری روانی کا سرچشمہ خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو ہم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔

امیر المومنین کی ہدایت کے مطابق اس مکتوب کو دریائے نیل میں ڈال دیا گیا۔ ایسا اتفاق ہوا کہ اس سال دریائے نیل میں اس قدر طغیانی آئی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔

(تاریخ ملت جلد دوم بحوالہ البدایہ والنہایہ)

کیا مسلمانوں کا وجود بنی نوع انسانوں کے لیے رحمت ثابت نہیں ہوا ہے؟

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

طاعون عمواس

۱۸ھ کے اواخر میں رملہ (بیت المقدس) کے مضافات میں عمواس نامی ایک آبادی میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جس نے ۱۸ھ کے شروع میں تمام ملک شام اور عراق کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ امیر المومنین کو جب اس وبا کی اطلاع ملی تو آپ مدینہ منورہ سے ملک شام کی طرف اس کے تدارک کے لیے چل پڑے۔ آپ وادی تبوک میں سرغ کے مقام پر پہنچے تھے تو سپہ سالارانِ لشکر استقبال کے لیے حاضر ہوئے۔ یہاں پہنچ کر امیر المومنین کو معلوم ہوا کہ وبا نے شدت اختیار کر لی ہے اور سارے علاقے کو لپیٹ میں لے لیا ہے۔ آپ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ طاعون زدہ علاقہ میں قدم نہ رکھیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح اور چند ایک صحابہؓ نے رائے دی کہ جب امداد کی خاطر تشریف لائے ہیں تو اس آفت زدہ علاقہ میں ضرور پہنچا جائے۔ لیکن دوسرے صحابہؓ اصرار کر رہے تھے کہ آپ اس علاقہ میں نہ جائیں۔ امیر المومنین اس بارے میں متردّد تھے۔ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث شریف کا حوالہ دیا "جب تم سنو کہ کسی شہر میں وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب تم کسی ایسے شہر میں ہو جہاں یہ وبا پھوٹ پڑے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو" یہ سن کر امیر المومنین مدینہ منورہ کی طرف واپس ہو گئے اور سردارانِ لشکر کو حکم دے گئے کہ اس وبا سے بچنے کے لیے مناسب تدابیر اختیار کی جائیں۔ لشکر کو صحت افزا مقام پر لے جائیں۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح تمام لشکر کو لے کر جابیہ پہنچ گئے لیکن یہ موذی مرض ختم ہونے میں نہ آئی۔ بہت سے سپاہی لقمۂ اجل ہو گئے اور سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح بھی اس موذی مرض کے شکار ہو گئے۔ انتقال کے وقت انہوں نے حضرت معاذؓ بن جبل کو سپہ سالاری سپرد کی۔ تھوڑے دنوں کے بعد پہلے حضرت معاذؓ بن جبل کا لڑکا بعد میں وہ خود اس موذی مرض کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ حضرت معاذؓ بن جبل نے انتقال سے قبل حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔

طاعون کی وجہ سے ہزار ہا مجاہدین شہید

حضرت عمروؓ بن العاص ملک مصر میں داخل ہو چکے تھے لیکن امیر المومنین کو ملنے کیلئے دارالخلافہ آتے ہوئے تھے

واپسی میں جابیہ کے مقام پر آکر رک گئے وہ اسلامی لشکر کو جابیہ سے کسی پہاڑی پر لے گئے اور فوج کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح یہ تدابیر کچھ حد تک سود مند رہیں۔ تاہم اس وبا میں بڑے بڑے صحابہؓ فوت ہو گئے اور پچیس ہزار فوجی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس مرض میں یزید بن ابی سفیان ..... والی دمشق نے انتقال کیا۔ امیر المومنین نے ان کے بھائی امیر معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق کا عامل بنا دیا اور شرحبیل بن حسنہ اردن کے عامل مقرر ہوئے۔ خدا خدا کر کے اس موذی مرض سے نجات ملی۔ حضرت عمروؓ بن العاص اپنے علاقہ مصر میں پہنچ گئے۔ امیر المومنین نے مناسب رد و بدل فرما کر از سر نو فوج کو اپنے اپنے مقام پر بھیج دیا۔

ابھی پورے طور پر طاعون سے چھٹکارا نہ ہونے پایا تھا کہ ملک حجاز میں ایک بہت بڑا قحط رونما ہوا بارش کی ایک بوند نے بھی خشک زمین کو تر نہ کیا۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے پہاڑ پھٹ پڑے اور مٹی کے ٹیلے ہی ٹیلے نظر آنے لگے۔ عرب خشک سالی اور گرد و غبار کی کثرت کو دیکھ کر اس سال کو "عام الرماد" کہتے تھے شروع شروع مدینہ منورہ میں اس قحط سالی کے آثار کم ظاہر ہوئے۔ اس لیے کہ شہری تمدن کی وجہ سے لوگ سال بھر کا غلہ پہلے ہی جمع رکھتے تھے۔ لیکن دیہات اور مضافات میں خشک سالی کی وجہ سے انسان اور حیوان مرنے لگے بھیڑ بکریاں، اونٹ سب ختم ہو رہے تھے۔ اگر بکری یا بھیڑ کسی گھر میں بچ بھی رہی تو اس کا گوشت کھانے کے قابل نہ رہتا۔ لوگ بھوک اور پیاس کی وجہ سے مر رہے تھے۔ امیر المومنین نے بڑی مستعدی سے ان لوگوں کی امداد کرنا شروع کر دی۔ تمام ممالک محروسہ کو لکھا کہ اہل حجاز کی امداد پر کمر بستہ ہو جائیں اور ساتھ ہی مضافات سے لوگ مدینہ منورہ میں بلا لئے گئے اور ان کے خیمے کھلے میدانوں میں لگا دیئے گئے۔

امیر المومنین لوگوں کی امداد کرنے میں مستعد ہو گئے

پہلے شہر والوں نے ان کی امداد کرنا شروع کی اور جب اہل مدینہ بھی بھوک سے مرنے لگے تو امیر المومنین کی اپیل پر مصر، دمشق، عراق اور شام سے آٹا، گھی اور کھانے پینے کی اشیاء بکثرت آنا شروع ہو گئیں۔

ملک شام سے سب سے پہلے چار ہزار اونٹ آٹے کے لدے ہوئے پہنچے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے عقبہ کی بندرگاہ سے آٹے اور گھی سے لدے ہوئے بیس جہاز بھیجے اور اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ آٹے کے لدے ہوئے خشکی کے راستہ سے روانہ کیے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے تین ہزار اونٹ اور سعد بن ابی وقاص نے ایک ہزار اونٹ آٹے کے لدے ہوئے روانہ کیے۔ اس کے علاوہ حضرت عمروؓ بن العاص نے پانچ ہزار کمبل اور حضرت امیر معاویہؓ نے تین ہزار چغے روانہ کیے۔

تقسیم رسد کا طریق

مدینہ منورہ کا انتظام امیر المومنین نے خود اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ روٹی پکا کر سالن میں بھگو دی جاتی۔ یہ ثرید دسترخوان پر رکھ دیا جاتا۔ لوگوں کو اپنی موجودگی میں کھلایا جاتا اور باقی ان کے گھروں میں بھی اس طرح بھیج دیا جاتا۔ امیر المومنین کے کارندے تمام رات بھر کھانا پکاتے رہتے اور علی الصبح کھانا تقسیم کرنا شروع کر دیا جاتا۔ شروع شروع میں گنتی کی گئی تو دسترخوان پر کھانا کھانے والوں کی تعداد سات ہزار تھی۔ مستورات بوڑھے بچے جو دسترخوان پر شریک نہ ہو سکتے ان کی تعداد ۴۰ ہزار تھی جن کے گھروں میں کھانا پہنچانے کا بندوبست کر رکھا تھا۔

امیر المومنین عام لوگوں میں بیٹھ کر کھانا کھاتے

پھر کچھ دنوں کے بعد جائزہ لیا تو دسترخوان پر کھانا کھانے والوں کی تعداد دس ہزار تھی اور جن کے گھروں میں کھانا پہنچایا جاتا ان کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ امیر المومنین ان لوگوں میں بیٹھ کر خود بھی کھانا کھایا کرتے تھے مریضوں بوڑھوں اور بچوں کے لیے حلوہ وغیرہ تیار کر کے تقسیم کیا جاتا۔

دیگر اضلاع میں تقسیم رسد کا طریق

مدینہ منورہ سے باہر کے اضلاع اور دیگر علاقہ جات میں سامانِ رسد پہنچانے کے لیے کام عاملوں کے سپرد کر رکھا تھا۔ کچا رسد بھی تقسیم ہوتا اور پکا کر بھی کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ کچا یا پکا رسد جو باہر اضلاع میں بھیجا جاتا اس کی باقاعدہ رپورٹ حاصل کی جاتی۔ امیر المومنین کا اپنا اور گھر والوں کا یہ حال تھا کہ عوام کی طرح خوراک محدود کر رکھی تھی۔ ایک دفعہ امیر المومنین کے سامنے گوشت اور گھی لایا گیا۔ آپ نے کھانے سے انکار کر دیا کہ یہ دو سالن ہیں ایک ہی سالن کافی ہے۔ اسی طرح شہد کے کھانے سے بھی پرہیز کرنا شروع کر دیا۔ خواہ کتنی ہی ضرورت لاحق کیوں نہ ہو آپ فرماتے ہیں ایسا کام نہیں کروں گا جس کا قیامت کے دن مجھ سے جواب طلب کیا جائے۔ ایک دفعہ امیر المومنین نے اپنے چھوٹے بیٹے کو تربوز کھاتے دیکھا (فرمانے لگے واہ! امیر المومنین کے لڑکے! تم پھل کھا رہے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھوک سے مر رہی ہے؟ لڑکا روتا ہوا گھر آیا۔ امیر المومنین نے جب اس بات کی تصدیق کی کہ وہ تربوز مٹھی بھر کھجوریں دے کر لیا تھا تو آپ خاموش ہو گئے۔

اسی طرح "عام الرمادہ" کے دنوں میں آپ ایک خیمہ سے گزر رہے تھے ایک عورت حلوہ بنا رہی تھی اس سے چمچہ لے کر بتایا کہ اس طرح نہیں بلکہ اس طرح بنایا کرتے ہیں۔ ایک رات آپ چمڑے کا تھیلہ اور گھی کا کنستر خود کاندھے پر اٹھائے ایک کیمپ کی طرف بھاگے جا رہے تھے جہاں قحط زدہ لوگ بھوک سے مر رہے تھے۔ آپ نے خود اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کیا اور ان کو کھلایا۔ آپ نے رسد کی تقسیم میں یہ خیال رکھا کہ اگر زیادہ ہے تو فراغت سے کھانے کے لیے دے دیا اور تھوڑی ہے تو انہیں لوگوں میں اور شریک کر لیتے تاکہ آدھا آدھا سب کو آجائے اور سب کا تھوڑا بہت پیٹ بھر جائے اس طرح ہلاکت سے تو بچ جاویں گے۔

امداد کے دوسرے طریقے بھی اختیار کیے گئے

امیر المومنین اس قحط کو دور کرنے کی انتہائی کوشش فرماتے ہر قسم کا سامان بذاتِ خود اور اپنے عاملوں کے ذریعے مستحقین کو پہنچاتے۔ بیماری میں آپ ان کی عیادت کو جاتے اور اگر وہ مر جاتے تو ان کے کفن وغیرہ کا انتظام فرماتے اور حتی الوسع جنازہ کی نماز خود پڑھاتے۔

نماز استسقاء

بیرونی ممالک سے بھی جب غذائی امداد ناکافی ثابت ہوتی تو عشاء کی نماز کے بعد گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعائیں مانگتے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو میرے ہاتھوں ہلاک نہ کروا اور مجھے اس کا ذمہ دار نہ ٹھہرا۔ اس کے باوجود نماز استسقاء کے لیے تمام علاقہ میں ایک دن مقرر فرمایا اور مدینہ منورہ میں لوگوں کو باہر لے جا کر نماز استسقاء کی ادائیگی فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک کاندھے پر تھی۔ نہایت خشوع وخضوع سے دعائیں مانگتے تھے گریہ سے یہ حالت ہو گئی کہ داڑھی مبارک تر ہو گئی تھی۔ صحابہؓ کی بھی یہی حالت ہو گئی تھی۔ قریب ہی حضرت عباسؓ تھے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے کہ الہ العالمین! ہم تیرے حضور میں تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو شفیع بناتے ہیں۔ اس کیفیت سے تمام کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور کوئی ایسی آنکھ نہ تھی جو آنسوؤں سے تر نہ تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ان کی یہ ادا پسند آئی۔ آسمان پر بدلی آئی اور موسلا دھار مینہ برسنے لگا۔ پیاسی زمین نے پانی پیا پھر خوب جل تھل ہو گیا۔

امیر المومنین نے دیہاتی قبائل جو قحط سالی کی وجہ سے مدینہ منورہ میں بلائے ہوئے تھے ان کو اپنے اپنے دیہات میں واپس جانے کا حکم دیا تاکہ زمین کو جوتنے میں مشغول ہو جائیں۔ جو لوگ آسانی سے اپنے علاقہ میں نہیں پہنچ سکتے تھے سواری کا انتظام کیا گیا۔ یہ قحط سالی نو مہینے تک رہی۔ اس عرصہ میں نہ زکوٰۃ کی وصولی

ہوئی اور نہ ہی وظائف کے تقسیم کرنے کا سوال پیدا ہوا۔ جب حالات معمول پر آگئے تو کارندوں کو حکم دیا گیا کہ ہر صاحبِ استطاعت سے دو حصے وصول کیے جائیں۔ ایک عام الرماد کا اور ایک حصہ اس کے بعد کے سال کا۔ پہلا حصہ محتاجوں میں تقسیم کر دیا گیا اور دوسرا حصہ بیت المال میں بھیج دیا گیا۔

کارندوں کو یہ حکم تھا کہ زکوٰۃ وصول کرتے وقت کسی کو تنگ نہ کیا جائے اور ان کی مالی حالت کا خیال رکھا جائے۔ اس عام الرماد کے وقت لکھ بھیجا کہ کسی محاذ پر بھی جنگ نہ لڑی جائے خواہ حالات کچھ بھی ہو جائیں۔ اگر مدافعت ناگزیر ہی ہو جائے تو اس کے لیے قدم اٹھایا جائے ورنہ "عام الرماد" میں لوگوں کی اعانت اور امداد کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینا نہایت ضروری ہے تاکہ انسانی زندگیاں ہلاکت سے بچ جاویں۔

عام الرماد میں امیر المومنین کا کردار

عام الرماد" میں آپ نے خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کردار کا اور ان کے ہمہ وقتی پروگرام کا اندازہ کر لیا ہوگا۔ امیر المومنین نے اپنی پوری قوت اس بات میں صرف کر دی کہ وہ عوام کے دکھ درد میں اسی طرح شریک ہے جس طرح ان کی اپنی ذات کو دکھ پہنچ رہا ہے۔ پھر امیر المومنین کی تنہا اپنی ذات ہی نہیں جو عوام کے دکھ درد میں شریک ہو رہی ہے بلکہ ان کے اہل و عیال بھی برابر شریک ہیں عوام کے دسترخوان پر بیٹھ کر امیر المومنین بھی وہی ثرید (زیتون میں بھگوئی ہوئی روٹی) کھا رہے ہیں جو عوام کھاتے ہیں۔ عوام کو یہ خیال پیدا ہونے نہیں دیا کہ امیر المومنین" مومنین کی جماعت سے الگ ہیں۔ اس کا کھانا، پینا، رہنا، سہنا کسی خاص اہتمام کے تحت عوام سے علیحدہ ہے۔

عوام کے حکمران کا ہمہ وقتی پروگرام

رسد کی تقسیم کے علاوہ ان کی بیماری میں عیادت کے لیے پہنچ جانا، ان کے مرنے پر تجہیز و تکفین کا بندوبست کرنا، اور پھر نمازِ جنازہ خود پڑھانا اور ان کے ورثاء کے ساتھ پوری ہمدردی سے پیش آنا ایسے معاملات ہیں جن کی نظیر دنیا کے حکمرانوں میں تو قیامت تک نہیں مل سکتی۔

اب اگر یہ حکمران (عمر فاروق رضی اللہ عنہ) دنیا کے تمام حکمرانوں کو اطاعت گزار اور باجگزار بنا رہا ہے اور اپنے قول و فعل سے درسِ حکمرانی دے رہا ہے تو کون سے تعجب کی بات ہے؟؟؟۔۔۔۔

یہ ہے عوام کے حکمران کا ہمہ وقتی پروگرام جو عوام میں سے ہے۔ پھر ذرا خیال کیجئے کہ یہ عوام کے

اس حکمران کا پروگرام ہے کہ جس کے نام کے تصور سے قیصر و کسریٰ کے محلات میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا۔ جس کی سادگی اور عوامی زندگی نے شاہِ ایران کو کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اگر یہ وہی "بادشاہ" ہے جس کے گھوڑوں کے ٹاپوں نے ایران و روم کے دارالسلطنتوں کو روند کر رکھ دیا ہے۔ تو یہ "نبی" ہے۔ جس کے جواب میں مسلمانوں نے کہا "نبی" نہیں ہے بلکہ نبی کے خلیفہ اور ان کے سچے پیروکار ہیں.....

معرکہ نہاوند کی وجہ

قارئین کرام پڑھ چکے ہیں کہ عراق کی تسخیر مکمل ہو چکی تھی۔ جلولاء کے معرکہ کے بعد یزدجرد حلوان چلا گیا اور حلوان سے رے پہنچ گیا۔ اسلامی لشکر نے حلوان کو آسانی سے فتح کر لیا اور جب یزدجرد کو معلوم ہوا کہ اہواز بھی فتح ہو گیا ہے اور اہواز کا گورنر گرفتار ہو کر بارگاہِ خلافت میں پہنچ چکا ہے تو وہ رے سے اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا اور اس نے مسلمانوں سے آخری ٹکر لینے کی سرتوڑ کوشش کی۔ تمام عمائدین اور اراکین کو اپنی امداد کے لیے آمادہ کیا اور غیرت دلائی کہ اس طرح ملک کے ٹکڑے ہوتے دیکھتے رہنا جوانمردی نہیں ہے۔ آخر ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اکٹھی کر لی۔ فیرزان شاہ ایک بہادر جانباز سردار کو سپہ سالار مقرر کر کے البرز پہاڑ کے دامن میں نہاوند کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ تمام لشکر مرنے مارنے پر قسم کھائے ہوئے تھا۔

اس معرکہ میں امیر المومنین کی شمولیت پر اختلافِ آراء

امیر المومنین کو ایرانیوں کے اس اجتماع کی خبر ملی تو انہوں نے اس معرکہ میں خود شریک ہونے کی خواہش ظاہر کی تاکہ کوفہ اور بصرہ ہر دو چھاؤنیوں سے ہر قسم کی فوجی امداد حاصل کر کے ایرانیوں کے اس لشکر سے ٹکر لیں۔ اس رائے سے اکابر صحابہؓ نے اختلاف کیا اور امیر المومنین کو مجبور کیا کہ وہ دارالخلافہ میں ہی رہ کر ہر قسم کی امداد ہر وقت محاذ جنگ میں پہنچاتے رہیں۔ امیر المومنین نے آخر اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ وہ دارالخلافہ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس میدانِ جنگ میں کس کو سپہ سالار مقرر کریں؟ آخر بہت سوچ بچار کے بعد امیر المومنین نے حضرت نعمانؓ بن مقرن کو نہاوند کے معرکہ کے لیے سپہ سالارِ اعظم مقرر کیا اور ساتھ ہی حضرت نعمانؓ بن مقرن کو اہواز میں لکھا کہ آپ اپنے لشکر کے ساتھ اہواز سے ماہ کی طرف پیش قدمی کریں۔ دوسرا حکم حضرت عبداللہ بن عتبان والی کوفہ کو لکھ بھیجا کہ ایک کمکی لشکر فوراً حضرت حذیفہؓ بن یمان کی سرکردگی میں حضرت نعمانؓ بن مقرن کے پاس بھیج دو۔ اور اس حکم کے ساتھ یہ

بھی درج کر دیا کہ اگر اس جنگ میں حضرت نعمانؓ بن مقرن سپہ سالارِ اعظم کو صدمہ پہنچے تو اس کے جانشین حذیفہؓ بن یمان ہی ہوں گے اور اگر حذیفہؓ بن یمان کو بھی اس جنگ میں صدمہ پہنچے تو اس کے جانشین نعیم بن مقرن ہوں گے اور یہ حکم نامہ حضرت سائبؓ بن اقرع کو دیا گیا کہ وہ کوفہ پہنچ کر عبداللہ بن عتبان والی کوفہ کو دے دیں تاکہ اس کی تعمیل جلد ہو سکے اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ جنگ کے دوران وہ (حضرت سائبؓ بن اقرع) رسد رسانی کے فرائض سرانجام دیں گے۔

تیسرا حکم نامہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کو لکھ بھیجا کہ وہ لشکر لے کر ماہ پہنچیں جہاں حضرت نعمانؓ بن مقرن سپہ سالارِ اعظم ان کے لشکر کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

سالاران فارس اور اہواز کو لکھا کہ وہ چوکس رہیں تاکہ ایرانی اس راستہ سے نہاوند میں کمک نہ بھیج سکیں۔ امیرالمومنین نے یہ تمام انتظامات مدینہ منورہ بیٹھے بٹھائے کر دیئے۔

طلیحہ بن خویلد اسدی کی عظیم کارکردگی

حضرت نعمانؓ بن مقرن کے جھنڈے تلے بیس ہزار سرفروش اور مجاہد تھے۔ سپہ سالار ماہ سے بڑھتا ہوا حلوان پہنچا۔ حلوان سے نہاوند نوے میل کی مسافت پر ایک پرانا قدیمی شہر تھا۔ سپہ سالار حضرت نعمانؓ بن مقرن کو ضرورت تھی کہ معلوم کیا جائے کہ حلوان سے نہاوند تک دشمن کی فوج کہیں گھات میں تو نہیں بیٹھی ہوئی۔ یہ کام بڑا ہی جان جوکھم تھا لیکن طلیحہ بن خویلد اسدی نے شب و روز جنگلوں اور ویرانوں میں گھومتے پھرتے اس بات کا پتہ لے لیا کہ دشمن کی فوج کہیں بھی گھات میں نہیں بیٹھی۔ راستہ بالکل صاف ہے۔ حضرت نعمانؓ بن مقرن اللہ کا نام لے کر نہاوند کی طرف بڑھے یہاں تک کہ دشمن کے قلعہ جات کے قریب پہنچ گئے۔ ابھی نہاوند آٹھ نو میل دور تھا کہ سپہ سالار نے اپنا کیمپ لگا دیا۔

جب اسلامی لشکر خیمہ زن ہو گیا تو فیروزان شاہ نے اپنے قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اسلامی سپہ سالار کسی کو اپنا قاصد بنا کر اس کے پاس بھیجیں تاکہ افہام و تفہیم سے مسئلہ حل ہو جائے اور صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔

حضرت نعمانؓ بن مقرن نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو قاصد کی حیثیت سے فیروزان شاہ کے دربار میں بھیجا۔ وہاں جا کر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے دیکھا کہ فیروزان شاہ ایک طلائی تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے اردگرد چار چوبدار کھڑے ہیں۔

گفتگو کا انداز وہی ہے جو مدائن میں یزدجرد کا تھا کہ عرب جو ہمیشہ پستی کی حالت میں زندگی گزارتے تھے آج

اتنے دلیر اور جری کیونکر ہو گئے ہیں کہ ایرانی شہنشاہیت سے ٹکر لے رہے ہیں ۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے جواب اسی انداز سے دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم دینِ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چکے ہیں اور اب یہ دنیوی دولت وحکومت ہمارے قدموں کے نیچے ہے ۔ اسلام قبول کر لو یا جزیہ دینا قبول کرو ورنہ تلوار خود فیصلہ کر دے گی کہ حق پر کون ہے ۔ یہ سن کر فیروزان شاہ اپنے آپے سے باہر ہو گیا اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو ناکام واپس آنا پڑا ۔ فیروزان شاہ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو غصہ میں کہا کہ صبح میدان جنگ میں اس کا فیصلہ ہو جاوے گا ۔

نہاوند ایک پرانا شہر تھا ۔ اس کے ارد گرد بہت پختہ فصیل تھی دو دن تک اس شہر کا محاصرہ رکھا آخر حضرت نعمان بن مقرن نے سردارانِ فوج کو مشورہ کے لیے بلایا تاکہ سوچا جائے کہ کس طرح ایرانی فوج کھلے میدان میں آکر لڑے کیونکہ محاصرہ کرنے ہیں دقت یہ ہو رہی تھی کہ ارد گرد خندق بھی کھودی ہوئی تھی اور ساتھ ساتھ لوہے کی نکیلی خاردار تاریں بھی بچھائی ہوئی تھیں ۔ آخر فیصلہ ہوا کہ ایک چھوٹے سے لشکر کے ساتھ شہر پر حملہ کیا جائے اور ان کو انگیخت کیا جائے کہ وہ جوش میں آکر کھلے میدان میں نکل کر حملہ کریں ۔ پہلے پسپائی اور ہزیمت کی صورت اختیار کی جائے تاکہ دشمن کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلامی لشکر شکست کھا کر بھاگ رہا ہے ۔ اب اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے ۔ یہ کام قعقاع بن عمرو معدیکرب کے سپرد ہوا ۔

نہاوند کی فتح (عرب اس کو فتح الفتوح کہتے ہیں)

حضرت قعقاعؓ بن عمرو معدیکرب ایک مختصر سا لشکر لے کر شہر پر حملہ آور ہوئے اور ان پر تیر برسانے لگے ایرانی بھی ان پر جوابی حملہ کرنے لگے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پے در پے مڈبھیڑیں اس زور سے شروع ہو گئیں کہ ایرانی ان کو بہت قلیل تعداد میں سمجھ کر ان پر حملہ آور ہوئے اور اسلامی فوج کا تعاقب کرنے لگے تاکہ اس لشکر کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے جب ایرانیوں کی فوج کھلے میدان میں نکل آئی تو اسلامی لشکر جو کہ چھپا ہوا تھا اس نے دائیں بائیں اور عقب سے حملہ کر دیا ۔ اس طرح کہ ایرانی لشکر بری طرح پھنس گیا ۔ انسانی اعضا کٹ کٹ کر جسموں سے گرنے لگے اور میدانِ جنگ کی زمین انسانوں کے جسموں سے پٹ پڑی اور خون کا سیلاب امنڈ آیا ۔ حضرت نعمانؓ بن مقرن میمنہ میسرہ پر حملہ کرتے ہوئے قلب میں جا پہنچے یہاں ان کے گھوڑے کا پاؤں خون میں ایسا پھسلا کہ وہ گھوڑے سے نیچے جا گرے اور گرتے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے ان کو وہیں کپڑے میں لپیٹے رہنے دیا تاکہ فوج کے سپہ سالار اعظم کے شہید ہونے کا علم کسی کو نہ ہو ۔ اس کے بعد حضرت حذیفہؓ بن یمان نے علم

سنبھالا آخر ایک لاکھ سے زائد ایرانی مقتول ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم دی۔ عرب اس کو فتح الفتوح کہتے ہیں۔

جنگِ قادسیہ نے عراق عجم کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اس نہاوند کی فتح نے فارس کی قسمت کا فیصلہ کر دکھایا۔

مال غنیمت مدینہ منورہ بھیجا گیا

حضرت حذیفہؓ بن یمان شہر میں داخل ہوئے تمام اموال پر قبضہ کیا اور وہ حضرت سائب بن افرع کے سپرد کر دیا گیا۔ غنیمت کا مال توقع سے زیادہ ہاتھ آیا۔ خمس نکال کر فوج میں جو تقسیم کیا گیا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ چھ چھ ہزار درہم سوار کے حصہ میں آئے اور دو دو ہزار درہم پیدل سپاہی کو ملے۔

اسی اثناء میں ایک موبد (آتش پرستوں کا مذہبی راہنما) حضرت حذیفہؓ بن یمان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر جان کی امان دی جائے تو ایک گنج گراں سرمایہ کی نشاندہی کرتا ہوں جو یزدجرد بھاگتے ہوئے اس کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ اس موبد کو امان دے دی گئی اور وہ دو صندوقچے جواہرات سے بھرے ہوئے لایا حضرت حذیفہؓ نے خمس کے ہمراہ دو صندوقچے بھی امیر المومنین کی خدمت میں بھیج دیئے اور حضرت سائب بن افرع کو غنیمت کا مال دے کر دارالخلافہ روانہ کیا۔

سپہ سالار اور ان کے ساتھیوں کی شہادت پر امیر المومنین بے اختیار رو پڑے

چونکہ امیر المومنین نہاوند کی فتح کی خبر سننے کے لیے بے قرار تھے۔ اس لیے حضرت حذیفہؓ بن یمان نے طریف بن سہم کو فی الفور روانہ کر دیا تاکہ جلد از جلد فتح کی خوشخبری امیر المومنین کو جا سنائے۔ امیر المومنین نے سجدہ شکر ادا کیا اور تمام اہلِ مدینہ کو اس فتح کی خوشخبری سنائی۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت سائب بن افرع بھی پہنچ گئے۔ امیر المومنین نے حضرت نعمانؓ بن مقرن کا حال دریافت کیا۔ عرض کی کہ وہ شہید ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر امیر المومنین بے اختیار رونے لگے۔ کچھ دیر کے بعد جب بوجھ ہلکا ہوا تو حضرت سائب بن افرع نے مشہور مشہور سرداروں کے نام گنوانے شروع کیے جو اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ پھر اس کے بعد حضرت سائبؓ نے کہا کہ اس کے علاوہ اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے ہیں جن کو امیر المومنین

جانتے۔ اس پر امیرالمومنین نے بھرآئی آواز سے فرمایا خدا تو انہیں جانتا ہے جس نے انہیں شہادت کے سے سرفراز فرمایا ہے۔ عمر کے جاننے یا نہ جاننے کو وہ کیا کرے۔

امیرالمومنین کا تقویٰ

مالِ غنیمت مسجد نبوی کے صحن میں رکھا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت عبداللہ بن ارقم رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ حضرت سائبؓ بن اقرع نے جواہرات کے دو صندوقچے بھی امیرالمومنین کر دے دیئے جو امیرالمومنین نے بیت المال میں رکھ دیئے صبح کو مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ حضرت سائب بن اقرع واپس کوفہ روانہ ہو چکے تھے کہ امیرالمومنین نے ایک اونٹنی سوار ان کے پیچھے بھیجا کہ سائب کو تلاش کر کے انہیں ان کے پاس لے آئے۔ اونٹنی سوار راستہ میں تو حضرت سائب کو نہ پا سکا البتہ جب وہ اونٹنی سے کجاوہ وغیرہ اتار رہے تھے تو یہ اونٹنی سوار بھی پہنچ گیا۔ امیرالمومنین کا پیغام دیا کہ وہ اسی وقت بلا رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت سائب ڈرتے ڈرتے امیرالمومنین کی خدمت میں پہنچے۔ امیرالمومنین حضرت سائبؓ کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ سائب! تیرا برا ہو تو نے یہ جواہرات کے صندوقچے مجھے کیوں دے دیئے؟ اور میں نے انہیں بیت المال میں کیوں رکھ لیا؟ ان صندوقچوں کو واپس لے جاؤ اور جواہرات کو بیچ کر ان کی قیمت مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دو۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ فرشتے مجھ سے اس کی باز پرس کر رہے ہیں۔

حضرت سائبؓ بن اقرع دونوں صندوقچوں کو کوفہ لے گئے اور دو لاکھ درہم میں وہ فروخت کر دیئے گئے اور اس رقم کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔

ایران پر عام لشکر کشی

اس نہاوند کی فتح کے بعد امیرالمومنین نے عام لشکر کشی کا حکم دے دیا ہمدان والوں نے نہاوند اور فیروزان شاہ کا انجام دیکھ لیا تھا۔ اس لیے انہوں نے جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ اس طرح جب حضرت موسیٰ اشعریؓ واپس بصرہ جا رہے تھے تو راستہ میں دینور والوں سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ پانچ دن کے محاصرہ کے بعد جزیہ دینے پر صلح ہو گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اہل سیروان اور صیمرہ والوں نے بھی صلح کر لی۔

ہمدان مفتوح ہوگیا دیگر علاقہ جات کے

سردار بھی جزیہ دینے پر رضامند ہوگئے

نہاوند کی شکست کے بعد ایرانیوں کے حوصلے بہت پست ہوگئے تھے لیکن یزدجرد کی موجودگی لوگوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ حضرت احنفؓ بن قیس کی وہ بات بالکل درست تھی کہ جب تک یزدجرد زندہ ہے ایرانی مسلمانوں کے خلاف شورش برپا کرتے ہی رہیں گے۔ اس لیے امیر المومنین نے مناسب سمجھا کہ تمام ایران پر لشکرکشی شروع کردی جائے۔ چنانچہ دارالخلافہ بیٹھے ہوئے احکام اس طور روانہ فرمائے کہ مندرجہ ذیل سرداران ایران کے علاقہ میں حسب ہدایت پھیل جائیں تاکہ سیاسی شورشیں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاویں۔

نمبر شمار	نام سردار	علاقہ جس کی طرف پیشقدمی کا حکم ہوا ہے
۱	احنف بن قیس	خراسان
۲	مجاشع بن مسعود سلمی	اردشیر شاہ پور
۳	عثمان بن ابی العاص	اصطخر
۴	ساریہ بن زنیم	درابجرد
۵	سہل بن عدی	کرمان
۶	عاصم بن عمرو	سجستان
۷	حکم بن عمرو تغلبی	مکران
۸	عبداللہ بن عتبان	اصفہان

فارس اور آذربائیجان ایران کے

دو بازو اور اصفہان اس کا سر ہے۔

امیر المومنین نے ہرمزان سابق شاہ اہواز سے مشورہ کیا کہ حملہ فارس کی طرف سے ہو یا آذربائیجان کی طرف سے یا اصفہان کو مقدم رکھا جائے۔ ہرمزان نے جواب دیا کہ فارس اور آذربائیجان ایران کے دو بازو ہیں اور اصفہان اس کا سر ہے اگر بازو کٹ جائے تو دوسرے بازو سے کام لیا جاسکتا ہے لیکن اگر

سر کاٹ دیا جائے تو دونوں بازو بیکار ہیں۔ امیر المومنین نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ عبداللہ بن عتبان نے امیر المومنین کے حکم سے سب سے پہلے اصفہان کا رخ کیا۔

فتح اصفہان

اصفہان صوبہ کا نام بھی ہے اور ایک شہر کا نام بھی ہے جو اس وقت صوبہ کا صدر مقام تھا، بڑا تجارتی شہر تھا، علاقہ بڑا سرسبز و شاداب تھا، وہاں کا سپہ سالار شہریار ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ میں نکلا۔ تھوڑی بہت جھڑپوں کے بعد اس نے مبارزت طلبی کی۔ اس کے مقابلہ میں عبداللہ بن ورقا ریاحی نکلے۔ ایک دو وار کے بعد شہریار کو قتل کر دیا۔ فوج بھاگ کر قلعہ بند ہو گئی لیکن تھوڑے دنوں کے بعد جزیہ ادا کرنے پر صلح ہو گئی اور اصفہان کا شہر فتح ہو گیا

ہمدان والوں کو دوبارہ مطیع کیا گیا

اسلامی لشکر اصفہان سے آگے بڑھنے والا تھا کہ اطلاع ملی کہ اسفندیار رستم زابلستانی کے بھائی نے ایک نیا محاذ جنگ تیار کر لیا ہے۔ دوسری طرف سے ہمدان سے بھی بغاوت ہو گئی۔ اسفندیار نے دیلم کے سرداروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ ان سب نے مل کر مسلمانوں کے خلاف ایسی آگ بھڑکائی کہ مقابلہ میں نہاوند کے معرکہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ سپہ سالار اعظم نعیم بن مقرن تھے۔ انہوں نے اس طریق پر کمان کی کہ بے شمار دیلمی، اصفہانی اور ہمدانی مقتول ہوئے اس کے بعد ہمدان والوں کو دوبارہ مطیع کیا اور جزیہ دینے پر صلح ہو گئی اور ساتھ ہی ایک اسلامی لشکر ہمدان میں متعین کیا گیا تاکہ دوبارہ بغاوت نہ ہو۔ اس فتح کی خوش خبری کی اطلاع عروہ بن زید کے ہاتھ مدینہ منورہ بھیجی گئی۔ امیر المومنین کو اصفہان کے بارے میں بہت فکر تھا شہر سے اکثر باہر نکل آتے اتنے میں عروہ نظر آئے۔ وہ وہی عروہ تھے جنہوں نے واقعہ جسر کی شکست کی خبر مدینہ منورہ میں آکر سنائی تھی۔

امیر المومنین کو اصفہان کی فتح کی بہت خوشی تھی

ان کو دیکھتے ہی امیر المومنین فرمانے لگے "بشیر" عروہ نے سمجھا کہ نام پوچھ رہے ہیں بتایا "عروہ" آپ نے فوراً "اناللہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ اس وقت عروہ کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین خوشخبری سننا چاہتے ہیں عرض کرنے لگے کہ اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم دی ہے۔ امیر المومنین بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد جب کبھی عروہ کو دیکھتے تو اس کو "بشیر" کہہ کر پکارتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین کو میدانِ

جنگ میں لڑنے والوں کے بارے میں کس قدر فکر دامن گیر تھا۔ اگرچہ وہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے لیکن ہر وقت مجاہدین کی بہتری کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔

رَے مفتوح ہو گیا

امیر المومنین نے نعیم بن مقرن کو حکم لکھ بھیجا کہ وہ رَے کی طرف بڑھیں۔ رَے بہت بڑا تجارتی شہر تھا۔ مال و دولت کی بہت فراوانی تھی۔ مشرق و مغرب کے تجارتی مال کی منڈی تھی۔ اس شہر میں بہت زیادہ آتشکدے تھے جس کی وجہ سے شہر کی مذہبی حیثیت بہت بڑی تھی۔ شہر کے اردگرد بڑی فصیل تھی یہاں کا حاکم سیاوخش بن مہران بن بہرام چوبین تھا جو بہادری میں اپنے ہم عصروں میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے نہاوند، طبرستان، قومس اور جرجان والوں سے امداد طلب کر لی تھی۔ ایرانی فوج قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنا چاہتی تھی بدیں وجہ جلد محصور ہو گئے۔ چند دنوں کے بعد اسلامی فوج محاصرہ کر کے اکتا گئی تھی۔ اس عرصہ میں حضرت نعیم بن مقرن نے ایک خفیہ راستہ معلوم کر لیا تھا۔ ایک دستہ فوج اس خفیہ راستہ سے شہر میں داخل کر دیا اور باقی تمام فوج فصیل کے سامنے مقابلہ کرتی رہی۔۔۔۔۔۔ عقب کے حملہ سے ایرانیوں کو لوکھلا دیا۔ چنانچہ بہت سے ایرانی قتل ہو گئے۔ آخر جزیہ دینے پر صلح ہو گئی۔ سیاوخش وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا زینبی کو وہاں کا سردار مقرر کر دیا۔

قومس، بسطام اور جرجان کی فتح

بنی امیہ اور بنی عباس کے دورِ خلافت میں بھی رے کا شہر بارونق رہا البتہ اس کے قریب تہران کے آباد ہونے سے اس کی رونق کم ہو گئی تھی۔ رَے والوں کی حالت دیکھ کر قومس والوں نے بھی جزیہ دینے پر صلح کر لی۔۔۔۔ اس کے بعد بسطام، دلستان اور جرجان والوں نے بھی صلح کر لی۔

جرجان والوں کی ایک شرط یہ تھی کہ وہ جزیہ نہیں دیں گے بلکہ وہ ہر قسم کی امداد دینے کے لیے تیار ہیں جزیہ حقیقت میں ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کے سلسلہ میں وصول کیا جاتا تھا۔ جب جرجان والوں نے فوجی خدمت دینے کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا تو وہ ذمی کی حیثیت سے دن گزارنے لگے۔

طبرستان اور آذربائیجان بھی مفتوح ہو گئے

طبرستان اور آذربائیجان کے حکمرانوں نے بھی جزیہ دینا قبول کر لیا۔ آذربائیجان میں بہت سے آتشکدے تھے کیونکہ آذربائیجان کے معنیٰ آتشکدے کے ہیں۔ بعد میں اس کا نام ماژندران پڑ گیا۔

بحر قزوین میں آذر بائیجان کی طرف ایک بندرگاہ ہے جسے باب الابواب کہا جاتا ہے جہاں کے حاکم نے فوجی خدمات دینے پر صلح کر لی۔ باب الابواب سے آگے ترکوں سے لڑنے کے لیے اسلامی فوجیں بڑھنا چاہتی تھیں کہ امیرالمومنین کی طرف سے حکم پہنچ گیا کہ آگے نہ بڑھا جائے اور اس کے تھوڑے دنوں کے بعد امیرالمومنین کی شہادت کی خبر پہنچ گئی۔

اصطخر کی فتح

اصطخر کا شہر اسکندر یونانی کے حملہ کے دوران تعمیر ہوا تھا۔ یہ بڑا مشہور شہر تھا یہاں کے رہنے والوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا تھا۔ لیکن امیرالمومنین کی شہادت کی خبر سن کر بغاوت کر دی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں دوبارہ اسے فتح کیا گیا۔

داربجرد کی فتح

دارابجرد۔ پہاڑ کے دامن میں ایک شہر تھا۔ ایرانی سپہ سالار نے کردوں سے بھی امداد حاصل کر لی تھی۔ سپہ سالار ساریہ بن زنیم سلمی تھے۔ یہاں بہت زور و شور سے لڑائی ہو رہی تھی کہ اسلامی فوج کے عقب میں پہاڑ کی طرف سے راستہ کھلا ہوا تھا۔ سپہ سالار کو اس راستہ کا علم نہ تھا۔ اسلامی فوج پہاڑ سے ہٹی ہوئی تھی اور خطرہ تھا کہ اگر دشمن کی فوج عقب سے حملہ کر دے تو اسلامی فوج درمیان میں آکر پس جائے گی۔ امیرالمومنین جمعہ کے روز مدینہ منورہ میں خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک فرمانے لگے "یا ساریۃ الجبل"* "یا ساریہ الجبل" یہ الفاظ سپہ سالار کے کانوں میں ہزاروں میلوں کے فاصلہ سے پہنچ گئے۔ غیبی امداد سمجھ کر انہوں نے پہاڑ کو پشت میں لیا اور بڑی مستعدی سے دشمن کا مقابلہ کیا اور ان کو عبرتناک شکست دی۔ بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ اور جواہرات کی ایک ٹوکری بھی سپہ سالار کے ہاتھ لگی۔ وہ ٹوکری فوج سے ہبہ کے طور پر لے لی اور قاصد کے ہاتھ مالِ غنیمت کے ساتھ اس جواہرات کی ٹوکری کو بھی بھیج دیا۔ قاصد نے ٹوکری کو چھپائے رکھا اور علیحدگی میں جواہرات سے بھری ہوئی ٹوکری امیرالمومنین کے سپرد کر دی۔ امیرالمومنین نے فوراً ہی وہ ٹوکری قاصد کو دے دی کہ اس کو فروخت کر کے اس کی رقم مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے۔

---

* اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہٹ جا۔

مکران کی فتح

مکران کا علاقہ بھی بہت جلد فتح ہوگیا۔ یہاں کے مال غنیمت کے ساتھ ہاتھی بھی دارالخلافہ میں بھیجا گیا۔ اہل عرب نے ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد جب قاصد جانے لگا تو ہاتھی بھی واپس بھیج دیا کہ اس کو بیچ کر رقم مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے۔

سجستان کی فتح

سجستان بھی جلد فتح ہوگیا۔ یزدجرد سجستان میں موجود تھا شکست کی خبر سن کر بھاگ کھڑا ہوا۔

ہرات کی فتح

ہرات کو بھی جلد فتح کرلیا گیا۔ ہرات کی فتح کے بعد خراسان کا صوبہ فتح ہوگیا۔ یزدجرد سجستان سے بھاگ کر ہرات پہنچ گیا تھا لیکن جب ہرات فتح ہوگیا تو وہ "مرورود" کی طرف بھاگ گیا۔

بلخ کی فتح

احنف بن قیس اس کے تعاقب میں گئے ہوئے تھے آخر یزدجرد مرورود سے بھاگ کر بلخ سے ہوتا ہوا خاقان ترک کے پاس سمرقند چلا گیا۔ اس کے بعد بلخ کو بھی فتح کرلیا۔ اس طرح تمام خراسان کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

امیر المومنین کو جب خراسان کے فتح ہونے کی خبر پہنچی تو فرمانے لگے کہ کاش خراسان اور ہمارے درمیان آگ کا سمندر ہوتا اور ساتھ ہی حکم نامہ لکھ بھیجا کہ مزید پیشقدمی بند کر دی جائے۔ خاقان ترک سے جنگ نہیں چھیڑنی۔

یزدجرد نے خاقان ترک سے امداد کی درخواست کی وہ یزدجرد کی امداد کی غرض سے بلخ تک آپہنچا درمیان میں دریا حائل تھا۔ ادھر احنف بن قیس نے خاقان ترک کے کانوں تک امیر المومنین کا پیغام پہنچا دیا اور یہ اعلان جاسوس کے ذریعہ ترک فوج میں بھی پہنچ گیا۔ اس کے بعد خاقان ترک نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ مسلمان پیش قدمی کرنا نہیں چاہتے وہ اپنی سرحد سے واپس فرغانہ پہنچ گیا۔

یزدجرد بلخ سے ہوتا ہوا بے شمار دولت فرغانہ سے لے جانا چاہتا تھا، لیکن ایرانی سرداروں نے

اس سے یہ دولت چھین لی اور خالی ہاتھ فرغانہ پہنچا۔ اسلامی سپہ سالار نے مال غنیمت دارالخلافہ بھیج دیا۔ اس تمام مال و متاع کو مسجد نبوی میں رکھا گیا پھر اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس موقعہ پر امیر المومنین نے مسلمانوں سے خطاب کیا۔

امیر المومنین کا لوگوں کو احکام الٰہی کی طرف توجہ دلانا

امابعد !" اللہ تعالیٰ نے مجوسی سلطنت کو تباہ اور اس کے شیرازہ کو منتشر کر دیا ہے اب اس ملک میں کوئی قوت نہیں جو مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمین ان کے ملک اور ان کے مال و اولاد کا وارث بنا دیا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ تم کیا کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم پہنچا دیا، اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب تمہیں بھی چاہیے کہ اس کے حکم کی تعمیل میں اس شخص کا خیال رکھو جو تم سے کیے ہوئے عہد کا احترام کرتا ہے اور اپنے وعدہ سے نہیں پھرتا ہے اپنے آپ کو نہ بدلو ورنہ خدا تمہیں بدل کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئیگا۔ مجھے اس امت کی بدبختی کا کوئی اندیشہ نہیں مگر یہ کہ تم ہی ان کے لیے مصیبت بن جاؤ"۔

فارس کی فتح اور یزدجرد کا اپنے ملک سے فرار عہد فاروقیؓ میں ہوا حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں ان ایرانیوں نے مکمل اطاعت اختیار کر لی تھی۔

یزدجرد کا اپنے ملک سے فرار

یزدجرد آخر دم تک اپنے ہم خیال لوگوں سے خط و کتابت کرتا رہا۔ ان کو لڑائی کے لیے آمادہ کرتا رہا یہاں تک کہ اس خیال کی تکمیل کے لیے وہ ترکستان سے مرد و دبھی آیا اور ایک آخری ٹکر لینے کے ایرانیوں کو تیار کیا جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی اور کشت و خون کے بعد وہاں سے بھاگا۔ اسلامی فوج تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔ بعض ایرانی سردار بھی اس کو گرفتار کرنا چاہتے تھے تاکہ روز روز کا خرخشہ ختم ہو۔ یزدجرد بھی اپنی جان بچاتا پھر رہا تھا کہ ایک پن چکی والے کے ہاں رات کو ٹھہر گیا۔ اس پن چکی والے نے جواہرات کے لالچ میں اسے قتل کر دیا اور لاش کو پانی میں بہا دیا اس طرح ساسانی سلطنت کا دور عثمانی خلافت میں کلیتہً ختم ہو گیا۔

شاہان کسریٰ کے خاتمہ کے اسباب

اسکندر مقدونیہ کے حملہ سے پہلے ایرانی سلطنت بہت وسیع تھی۔ اس وقت کیانی خاندان کی حکومت تھی جو بحر روم، بحر اسود، خلیج فارس...... دریائے سندھ، کشمیر، تبت اور بحیرہ کاسپین تک پھیلی ہوئی تھی اس کا

پایہ تخت اصطخر تھا۔ اسکندر مقدونیہ نے اس سلطنت کو تاخت و تاراج کیا۔ دارالسلطنت اصطخر کو جلا کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ وہ ایک طوفانی حملہ تھا جو آیا اور چلا گیا۔ البتہ اس کے حملہ نے اس وسیع و عریض سلطنت کی جڑیں ہلا دی تھیں۔

کیانی سلطنت کی بنیادوں پر ہی

ساسانی خاندان کی بنیاد ڈالی گئی

بعثت نبوی سے چار سو سال پہلے اردشیر بابکان نے کیانی سلطنت کے اکثر حصہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے خلیج فارس، دریائے فرات، بحیرہ کیسپین دریائے سندھ اور دریائے جیحون کے درمیان ساسانی خاندان کی ایک وسیع سلطنت قائم کر لی اور تمام براعظم ایشیا میں اس کی سیادت تسلیم ہونے لگی۔ اس نے اپنا دارالخلافہ مدائن بنایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے وقت نوشیرواں عادل ساسانی حکمران تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اس نوشیرواں عادل کا پوتا خسرو پرویز حکمران تھا۔ یہ طاقتور اور بارعب بادشاہ تھا۔

مغرب میں رومی سلطنت دو حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک مغربی حصہ جس کا دارالسلطنت اٹلی کا پایہ تخت روما تھا جو آج کل بھی اٹلی کا دارالخلافہ ہے اور دوسرا حصہ مشرقی تھا جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا یہاں کے حکمران قیصر روم کہلاتے تھے۔

قیصر روم کی سلطنت

خسرو پرویز شاہ ایران کے زمانہ میں اس مشرقی روم کی سلطنت کا فرمانروا قیصر فوقا تھا۔ خسرو پرویز اور قیصر فوقا میں دوستانہ مراسم تھے۔ یوں سمجھا جائے کہ دنیا کے متمدن علاقہ میں ان ہر دو بادشاہوں کی سیادت تسلیم کی جاتی تھی۔

قیصر فوقا کے اراکین سلطنت اندرونی کشمکش کی بنا پر اپنے بادشاہ کے خلاف ہو گئے اور ملک میں عام بغاوت ہو گئی جس میں قیصر فوقا کو قتل کر دیا گیا۔ قیصر روم کے مشرقی مقبوضات میں مصر کے گورنر کو بہت اہمیت تھی۔

قیصر فوقا کو قتل ہو جانے کے بعد عمائدین سلطنت نے مصر کے گورنر کو تخت و تاج کی دعوت دی وہ

گورنر اپنے بڑھاپے کی وجہ سے خود تو قسطنطنیہ نہ گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ البتہ اس کا جواں سال اور جواں بخت لڑکا ہرقل عمائدین سلطنت کی دعوت پر قسطنطنیہ پہنچ گیا اور قیصر فوقا کے تخت پر اس کو بٹھلا دیا گیا۔

ہرقل باہوش حکمران تھا اور امورِ سلطنت سے خوب واقف تھا۔ لوگ اس کے حسن انتظام سے قدرے مطمئن ہو گئے لیکن ابھی اس نے ملک کی باگ ڈور ہی سنبھالی تھی کہ خسرو پرویز نے اس کے مقبوضات پر حملہ کرنے کی صورت پیدا کر لی کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ قیصر فوقا اس کا دوست ہے۔ اس کو قتل کروا کر ہرقل نے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا ہے۔

ملکِ شام ہرقل کے زیرنگین تھا۔ خسرو پرویز نے ملکِ شام پر حملہ کر دیا اس کو تاخت و تاراج کر کے فلسطین کو فتح کر لیا۔ پھر اسکندریہ پر اپنی فتح کے نشانات قائم کرتا ہوا واپس اپنے ملک کو چلا گیا اور جاتے ہوئے اپنے ساتھ فلسطین سے صلیب بھی لے گیا۔ یہ جنگ پانسات سال تک رہی اور بعثت نبوی کے آٹھویں سال میں ختم ہوئی۔

ایرانیوں نے روم والوں کو عبرتناک شکست دی

ایرانی مشرک تھے وہ عیسائی اہلِ کتاب پر غالب آ گئے۔ اہل مکہ ایرانیوں کی فتح پر بہت خوشیاں منا رہے تھے اور مسلمانوں پر طعن و تشنیع کر رہے تھے کہ ان کے ہم مذہب (مشرک) روم کے اہل کتاب پر غالب آ گئے ہیں۔ اسی دوران سورہ روم نازل ہوئی جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا غُلِبَتِ الرُّومُ فِيٓ أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّنۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ ۝ اس آیت مبارکہ کو سن کر اہل مکہ بہت متعجب ہو رہے تھے کہ روم والوں کو ایرانیوں نے ان کے گھروں میں گھس کر قتل کیا ہے اور ان کو عبرتناک شکست دی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ روم والے دوبارہ جلد ہی کامیاب ہو جائیں گے۔

ہرقل نے شکست کے بعد پوری تیاری شروع کر دی اور پانسات سال کے اندر اندر اس قابل ہو گیا کہ اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرے چنانچہ اس نے ملک شام پر ایک فیصلہ کن جنگ شروع کی جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔

اہلِ روم ایک قریب کے موقعہ میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال ے لے کر نو سال تک کے اندر اندر غالب آ جائیں گے۔

رومیوں نے آخر ایرانیوں سے اپنا بدلہ لے لیا

ملک شام پر تو ہرقل کا قبضہ ہونا ہی تھا۔ اس نے عراق میں بھی ایرانی مفتوحات کو تاخت و تاراج کر کے ان کو اپنا باجگذار بنا لیا۔ ادھر رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ ادھر ۲ھ میں مسلمانوں نے کفار کو جنگ بدر میں عبرتناک شکست دی تھی۔ پالنسات سال تک قیصر و کسریٰ کی تھوڑی بہت چپقلش چلتی رہی یہاں تک کہ ۶ھ میں دونوں حکومتوں میں صلح ہو گئی۔ قیصر روم نے اپنی غصب شدہ صلیب خسرو پرویز سے حاصل کر لی اور خسرو پرویز نے اپنا عراق کا علاقہ اس صلحنامہ کی رو سے واپس لے لیا۔ بہرحال ہر دو سلطنتوں میں بیداری کے آثار نمودار ہو گئے تھے اور اپنی اپنی جگہ ہر سلطنت بہت ہوشیار اور چوکس ہو گئی تھی۔

قیصر و کسریٰ کے تمدن کے اثرات

ان دونوں سلطنتوں کے تمدن دنیا کے تمام ملکوں اور قوموں پر چھائے ہوئے تھے۔ ہر دو ملکوں حدود ملک حجاز سے عراق اور شام کے واسطہ سے ملتے تھے۔

عراق میں کچھ عرب قبائل آباد تھے جہاں چھوٹے چھوٹے سردار حکمران تھے ان کا تقرر یا تنزل براہ راست کسریٰ سلطنت سے متعلق تھا۔ ملک شام میں عرب مستعمرہ آباد تھے۔ یہ بھی چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹے ہوئے تھے لیکن یہ سردار مذہباً عیسائی تھے اور وہ قیصر روم کے زیر اثر تھے۔ بظاہر تو وہ اپنے آپ کو آزاد سمجھتے تھے لیکن حقیقت میں ان کا رجحان رومیوں کی طرف ہوتا تھا۔ اور رومی بھی ان کی ہر وقت امداد کرتے رہتے تھے۔ بعض مقامات پر ملک شام اور ملک عراق کی حدود مل جاتی تھیں اور ہر دو ملکوں کے سردار مفاد کے تحت اکٹھے بھی ہو جاتے تھے۔ اندریں حالات ایران اور روم کے اقتصادی، سماجی، معاشرتی اور اثرات عراق و شام کے واسطہ سے ملک حجاز پر اثر انداز ہو رہے تھے اور ہر دو سلطنتیں اس نوزائیدہ اسلامی کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

خسرو پرویز کے مقتول ہونے کے ساتھ ہی یمن کا علاقہ کسریٰ سلطنت سے کٹ کر اسلامی سلطنت شامل ہو گیا اور وہاں پر باذان گورنر کی وجہ سے اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔

ے خسرو پرویز شاہ ایران نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبلیغی مراسلہ کو غصہ میں پھاڑ دیا اور قاصد سے گستاخانہ طریق پر پیش آیا ساتھ ہی باذان گورنر یمن کو لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گرفتار کر کے بھیجے چاہ
باقی اگلے صفحہ پر

ملک شام میں قیصر روم نے شرحبیل بن عمرو غسانی والی بصرہ کو امداد دینے کے سلسلہ میں اپنی فوج سرحد شام پر لا کھڑی کی جس کی وجہ سے جنگِ موتہ ۸ھ، غزوہ تبوک ۹ھ اور اسامہؓ بن زید کے لشکر کی پیشقدمی ۱۱ھ کے واقعات رونما ہوئے جن کی تفصیل قارئین کرام گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے فتنہ ارتداد کے زمانہ میں داخلی انتشار سے ملحقہ حکومتوں کو باخبر ہونے نہیں دیا تھا

بہر حال قیصر و کسریٰ ہر دو سلطنتیں اس نئی اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی دوررس نگاہ نے پہلے ہی ان کے ناپاک ارادوں کا سدباب کر دیا۔ عین اس وقت جب کہ فتنہ ارتداد کی وجہ سے اندرونی انتشار حد تک پہنچ چکا تھا اس وقت بھی ان دونوں ملکوں کی حدود پر اپنے چھوٹے چھوٹے دستے صرف اس غرض سے بھیج رکھے تھے تاکہ وہ کبھی کبھار ان علاقہ جات کو تھوڑی بہت جھڑپوں سے ہراساں رکھیں اور ملکِ حجاز کے اندرونی معاملات کی خبر تک نہ ہونے دیں۔ جونہی آٹھ نو ماہ کے عرصہ میں فتنہ ارتداد کا کلیۃً استیصال ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے خارجی معاملات کی طرف توجہ دی تاکہ قیصر روم کی طرف سے جارحیت کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ اس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

رومی اہل کتاب تھے وہ دعوتِ اسلام کو سمجھتے ضرور تھے

رومی اہل کتاب تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ نبی آخرالزمان کا ظہور ہونے والا ہے۔ صرف ذاتی عناد یا سیاسی غرض و غایت کے تحت وہ دعوتِ اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ویسے جنگ یرموک کی شکست کو دیکھ کر رومیوں نے زیادہ ٹکر لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ بخلاف ایرانیوں کے انہوں نے ہر مقام پر عربوں سے پوری طاقت کے ساتھ ٹکر لی صرف اس لیے کہ وہ مادی اسباب پر بحث کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کسریٰ تاج و تخت کو بچانے کے لیے شاہی خاندان کے افراد کو ادلنا بدلنا شروع کر دیا۔

(باقی حاشیہ) باذان نے دو سردار مدینہ منورہ بھیجے انہوں نے صورت حال سے آگاہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ خسرو پرویز رات اپنے لڑکے کے ہاتھوں قتل ہوگیا ہے وہ سردار واپس یمن چلے گئے واقعہ کی تصدیق ہونے پر باذان مسلمان ہوگیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو وہاں کا گورنر رہنے دیا۔

شیرویہ اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کرنے کے بعد تھوڑے دن زندہ رہا۔ اس کے بعد اس کا کمسن لڑکا اردشیر تخت نشین ہوا۔ اس کو بھی ایک ایرانی سپہ سالار شہریار نے قتل کر دیا اور خود تخت پر قابض ہو گیا۔۔۔ ایرانی سرداروں نے اس شہریار کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر شیرویہ کی بہن اور خسرو پرویز کی لڑکی بوران کو تخت پر بٹھا دیا۔ عمائدینِ سلطنت نے بوران کو بھی ایک سال چند ماہ کے بعد تخت سے اتار دیا۔ اس کے کئی نو عمر لڑکے اور عورتیں یکے بعد دیگرے ایران کے تخت پر بیٹھتی رہیں تا آنکہ آخری تاجدار یزدجرد ساسانی تخت نشین ہوا۔

ایرانی عربوں کو بہت حقیر سمجھتے تھے

ایرانی مشرک تھے وہ نبوت کی شان سے قطعاً ناواقف تھے۔ اسی لیے غرور و تکبر میں آکر خسرو پرویز نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبلیغی مراسلہ کو پھاڑ دیا تھا جس کو سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی سلطنت بھی عنقریب پارہ پارہ ہو جائے گی۔ بہر حال اپنی جہالت اور آبائی تکبر کی وجہ سے انہیں دعوتِ اسلام کو سمجھنے کی سوجھ بوجھ ہی نہ تھی۔ صرف اپنے ترحی فخر و مباہات کی جھلملاتی روشنی میں چلتے پھرتے تھے اور عرب ایسی قوم کو تو بہت ہی حقیر جانتے تھے۔ جس کا مظاہرہ ہر مقام پر ہوتا رہا ہے خواہ وہ مدائن کا کسروی پایہ تخت ہو یا قادسیہ اور نہاوند کے میدانِ جنگ میں سپہ سالاروں کے ٹھاٹ بھاٹ کے درباروں ہر جگہ۔۔۔۔۔۔۔۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار ۔۔۔ عرب را بہ جائے رسید است کار

کہ تخت کیاں را کنند آرزد ۔۔۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

کے مضامین کی تفسیر تھی اور بس۔۔۔۔۔۔۔ حالانکہ عرب اسلام کی وجہ سے سربلند اور فاتح بنے ہیں اور وہ اسلام کی دعوت کو تمام روئے زمین پر بسنے والوں کے کانوں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔

اسلام حق ہے اور باطل باطل ہے

اسلام حق ہے اور لوگوں کو حق کی دعوت دیتا ہے۔ اس حق کے مقابل باطل کو ٹھہرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ جو شخص حق کی دعوت کو قبول کر لیتا ہے اس کو بھی حقوق آنِ واحد میں مل جاتے ہیں جو ایک دیرینہ مسلمان کے حصہ میں آتے ہیں۔ ہاں اگر کسی کو کسی پر تفوق ہے تو اس کے اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کی وجہ ہے۔ اس لیے جس کسی نے اسلام کی اس عالمگیر دعوتِ حق کو قبول کر لیا وہ مساویانہ حقوق لینے کا حقدار ہو جاتا

سماجی زندگی میں اسلام امن و سلامتی پیش کرتا ہے۔ جو اقوام اسلام کی دعوت کو قبول کر لیتی ہیں وہ عرب و عجم کے خود ساختہ امتیازات سے بالاتر ہو جاتی ہیں۔ لیکن جو اقوام اسلام کی دعوت کو تو قبول نہیں کرتیں لیکن اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیتی ہیں ان کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہو جاتی ہے اور اس ذمہ داری لینے کے بدلے میں مسلمان ان سے حقیر سی رقم بطور حق الخدمت وصول کرتا ہے اور اگر ان ہر دو شقوں میں سے کوئی سی شق .... قابلِ قبول نہیں سمجھی جاتی تو تلوار میدان جنگ میں فیصلہ کر دیتی ہے۔ اس کا فیصلہ سچے اور پاکباز مسلمانوں کے حق میں ہوا کرتا ہے اس لیے کہ وہ داعیٔ حق ہیں اور وہ باطل کو نقشِ باطل سمجھ کر مٹانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی تو فرمایا ہے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ٥

کسروی اقتدار نے مسلمانوں کے آگے سرِ تسلیم خم نہیں کیا

کسروی اقتدار نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ تلوار نے ہر مقام پر فیصلہ عرب مسلمانوں کے حق میں دیا ہے (جن کو وہ بہت حقیر سمجھتے ہیں) خواہ عرب مسلمانوں کے مقابلہ میں ایرانیوں کی تعداد کئی گنا زیادہ کیوں نہ ہو..... اگر کسریٰ اور اس کی رعایا کو دعوتِ اسلام کو قبول کرنے سے انکار تھا تو مسلمانوں کے اس سیلابِ "باجگذاری کے بند" سے روکا جا سکتا تھا۔ لیکن کسروی انا" نے بزعم خود اس پشتیبان سے کام لینا گوارا نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی سیلاب کے آگے اپنا اور اپنی رعایا کے اقتدار اور وجود کو خس و خاشاک کی طرح بہنے دیا۔ آخر وہ وقت بھی آ گیا جب یزدجرد شاہ ایران کسمپرسی کی حالت میں مقتول ہوا اور ساسانیوں کی تمام جاہ و حشم کو اپنی لاش کے ساتھ دریا میں بہا کر لے گیا۔

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

یہ چند سطور اس لیے لکھی ہیں کہ داضح کر دیا جائے کہ اسلام ملکی فتوحات حاصل کرنے کے لیے دنیا میں

یزدجرد اپنی جان چھپاتا پھرتا تھا کہ وہ ایک پن چکی والے کے ہاں رات گزارنے کے لیے ٹھہر گیا اس پن چکی والے نے جواہرات کے لالچ میں آ کر شاہ ایران کو قتل کر دیا اور اس کی لاش کو پانی میں بہا دیا۔ یہ واقعہ ۳۱ھ کا حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کا ہے۔

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے والا ہی ہے۔

نہیں آیا اور نہ ہی جنگ و جدال اس کا نصب العین ہے اسلام کے نام لیودں کا کام تو صرف دعوتِ اسلام پیش کرنا ہے اور بس مسلمان کو کھینچ تان کر میدانِ جنگ میں لایا گیا ہے وہ خود بخود نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات گزشتہ کی روشنی میں مورخ کو کہنا پڑتا ہے کہ دومتہ الجندل اور جیرہ کی شکست ایرانیوں کے لیے کافی تھی کہ سمجھ لیا جاتا کہ اسلامی فتوحات کے سیلاب کو ہرگز روکا نہیں جاسکتا۔ البتہ "جزیہ" یا "باجگذاری" سے پشتیبان لگایا جاسکتا ہے ...... پھر اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کے حصول کی خاطر قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ، سقوطِ مدائن، جلولا اور اردگرد کے معرکہ ہائے حرب و ضرب باہوش و مدبر حکمران کو سوچنے پر مجبور کر سکتے ہیں کہ ہوا کا رُخ کس سمت کو ہے؟

اصول جہانگیری اور جہانبانی کو نہ اپنایا گیا

دوسری طرف امیرالمومنین کا بار بار پیغام سپہ سالاروں کے نام پہنچتا ہے کہ آگے بڑھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ حتیٰ کہ اہواز کے حکمران ہرمزان کی آئے دن کی بغاوت کے بعد جب حضرت احنفؓ بن قیس اس ہرمزان کو لے کر امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو امیرالمومنین نے احنفؓ بن قیس اور اس کے ساتھی سپہ سالاروں سے یہ کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ذمیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتے اور ان سے کیے ہوئے عہد و پیمان کی پابندی پوری طرح نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ ذمی بغاوت کرتے ہیں...... حضرت احنفؓ بن قیس نے عرض کی کہ امیرالمومنین! ہماری طرف سے ایسی کوتاہی نہیں ہوتی۔ اس کا واحد سبب یزدجرد...... شاہ ایران جب تک زندہ ہے اس نے اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کے حصول کی خاطر اپنی تمام رعایا کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ اس لیے اس کی ناکہ بندی ضروری ہے۔ امیرالمومنین نے احنفؓ بن قیس کی اس بات کی زبانی تصدیق کی۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد جب معرکہ نہاوند پیش آیا تو امیرالمومنین کو احنفؓ کی بات کی مزید تصدیق ہوگئی۔ اسی لیے نہاوند کی فتح کے بعد امیرالمومنین نے ایران کے ملک پر عام لشکرکشی کا حکم دے کر حضرت احنفؓ کے قول کی عملی تصدیق فرما دی۔

نہاوند، خراسان، سجستان اور اصفہان کے صوبہ جات تسخیر ہو جانے کے بعد یزدجرد شاہ ایران کو فرار ہونے کی بجائے یا تو بذاتِ خود بہادروں کی طرح سے کسی محاذ پر کمان اپنے ہاتھ میں لینی چاہیے تھی تاکہ اسلامی قوت شوکت کا اس کو خود بخود اندازہ ہو جاتا یا خاقان تاتار کے پاس جا کر شاہی مہمان کے طور پر زندگی کے دن گزارنے چاہیے تھے...... مگر ہوا کیا؟ فرغانہ میں خاقان تاتار کے ہاں رہتے ہوئے سیاسی پناہ حاصل کی پھر وہاں سے بھاگے ہوئے ایرانی سرداروں کو انگیخت کرتا رہا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جاویں اور

خود بلخ پہنچ گیا اور جب بلخ بھی فتح ہو گیا تو وہاں سے بھی بھاگ نکلا۔ ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو بتا رہی ہیں کہ یزدجرد شاہِ ایران اصول جہانگیری اور جہانبانی سے ناواقف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اپنے سرداروں نے اس سے شاہان سلف کے زیورات اور جواہرات لے کر اس کو ملک سے نکال دیا یہاں تک کہ وہ ایک پن چکی والے کے ہاتھوں مقتول ہو گیا۔ اس کے قتل ہونے کے ساتھ ہی ایران پر مکمل قبضہ ہو گیا اور سارے ایران میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی

یزدجرد اور اس کی حکومت تباہ و برباد کیوں نہ ہوتی جبکہ اس کے دادا خسرو پرویز نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو غصہ میں پھاڑ دیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اللہ تعالیٰ نے صرف چودہ، پندرہ سال کے عرصہ میں حرف بحرف پورے کر دکھائے ......

ویسے اسباب کی دنیا میں اگر غور کیا جائے تو اس کی اپنی ہلاکت اور ملک میں خون خرابہ کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اس قائد پر ہوتی ہے جس نے اسلام کی سیدھی سادھی تعلیم کو سمجھنے کی بجائے کفر عنادی کے طور پر اس کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔

اسلامی فتوحات کو اسکندر، چنگیز خان، ہلاکو خان کی فتوحات سے کوئی نسبت نہیں ہے

اسلامی فتوحات کا مقابلہ اسکندر مقدونیہ، چنگیز خان، ہلاکو خان وغیرہ کی فتوحات سے کرنا حقیقت میں انصاف کا منہ چڑانا ہے۔ ان فاتحین عالم نے ہر محاذ پر وہ مظالم ڈھائے کہ انسانیت منہ چھپانے پر مجبور ہو رہی ہے ...... شہروں میں لوٹ مار کرنا، دشمن کی فوج کے جوانوں کے خون سے میدان کو لالہ زار بنا دینا تو معمولی بات تھی .... بے گناہ شہریوں کو آمان دے کر قتل کرنا، پھر ان کے سروں اور لاشوں سے مینار کھڑے کرنا اور ہنستے بستے شہروں کو جلا کر خاکستر کر دینا اور ادنیٰ سی بات پر لکھو کھہا انسانوں کو تکلیف دے دے کر موت کے گھاٹ اتار دینا ان فاتحینِ عالم کا روزمرہ کا مشغلہ تھا۔

مسلمانوں کے اصولِ جہانگیری

دوسری طرف مسلمانوں کے امیر کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ پہلے دعوتِ اسلام پیش کی جائے اگر قبول کر لی جائے تو وہاں کے باسی مساوی حقوق کے حقدار ہیں۔ اگر دعوت اسلام قبول نہ کریں تو ذمی ہو کر رہیں اور جزیہ کی حقیری رقم بطور حق الخدمت ادا کریں۔ اس میں بھی معذور، فقیر اور نادار کو مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے۔ پھر جزیہ وصول کرنے کے بعد ان ذمیوں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت ان مسلمان فاتحین کے ذمہ ہو جاتی ہے۔ ان ذمیوں کے مذہب اور رسم و رواج میں دخل دینے کا حق ان مسلمان فاتحین کو ہرگز ہرگز نہیں ہوتا اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک بھی اختیار نہ کی جائے تو مجبوراً حق و باطل کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوتا ہے۔ اس وقت بھی امیر المومنین کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ کسی بوڑھے، بچہ، بیمار، اپاہج اور عورت پر ہرگز دست درازی نہ ہونے پائے، ان کی عبادت گاہیں معمول کے مطابق قائم رہتی ہیں۔

گھمسان کی لڑائی کے وقت کسی مسلمان فوجی سے دشمن کوئی معاہدہ کرے تو اس کو نبھانا اور اس پر عملدرآمد کرنا سپہ سالار سے لے کر ادنیٰ سپاہی تک کو لازم ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو امان دے دی گئی ہے تو اس کی امان لامحالہ قائم رہے گی خواہ کتنا ہی نقصان مسلمان قوم کو پہنچ رہا ہو۔ معاہدہ ہر حالت میں برقرار رہے گا۔ اور ہر حالت میں امان قائم رہے گی۔ امیر المومنین بار بار اس بات کی تاکید فرماتے کہ معاہدہ کی پابندی کی جائے۔ جہاں کہیں محاصرہ طوالت اختیار کر جائے تو امیر المومنین کی طرف سے سپہ سالار کو یہ پیغام پہنچتا ہے کہ "معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام بجالانے میں کوتاہی کی ہے ورنہ حق کے مقابلہ میں باطل اتنی دیر نہیں ٹھہر سکتا" ان الفاظ سے یہ مفہوم نہیں لیا جاتا تھا کہ قرب و جوار کے رہنے والوں پر بلا وجہ سختی کی جائے اور ان میں خوف و ہراس پیدا کیا جائے۔ بلکہ امیر المومنین کے الفاظ جاں سپاری اور جذبہ شہادت کو تیز کرنے کے لیے مہمیز کا کام دیتے تھے اور جب اتنی قربانی کے بعد وہ شہر مفتوح ہو جاتا تو انتقامی صورت نہ ہوتی بلکہ وہی مراعات قائم رکھی جاتیں جو جنگ کرنے سے پہلے ان کے لیے پیش کی جاتی تھیں اور ایسا بھی ہوا کہ انتہائی پریشانی اور مجبوری کی حالت میں جب کبھی دشمن کی فوج نے اسلامی فوج سے امان کی بھیک مانگی ہے تو ان کو نہایت خندہ پیشانی سے امان ہی نہیں دی بلکہ مزید مراعات اپنی طرف سے پیش کر دیں۔

بار بار کی عہد شکنی بھی مسلمانوں کے صبر و تحمل پر اثر انداز نہ ہوا کرتی تھی۔ جب میدانِ جنگ کا یہ عالم

ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے "EVERY THING IS FAIR IN LOVE AND WAR"
محبت اور جنگ میں ہر بات جائز ہے تو عام زندگی میں امن و آمان کے وقت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوؤں کی وجہ سے کس قدر رحمت برستی ہو گی۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

بہر حال یزدجرد کے نخوت و غرور نے پورے ملک کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور اپنی رعایا کو مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہونے کا موقعہ ہی نہ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طبیعتوں نے اسلام تو قبول کیا لیکن بعض طبائع میں مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد کی چنگاری تحت الشعوری کے طور پر سلگتی رہی۔ اس لیے ایرانی حضرت فاروق اعظمؓ کو ساسانی شاہی خاندان کو مٹانے والا تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ساری تباہی و بربادی خود خسرو پرویز اور یزدجرد نے اپنے ہاتھوں پیدا کی ہے۔ ورنہ اس کے برعکس ہرقل شاہ روم نے اپنی بچی کھچی عمارت پر ہی قیصریت کی بلڈنگ کو کھڑا رہنے دیا۔ یرموک کی جنگ ملک شام میں پہلی فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس کے بعد ہرقل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ مسلمان کس جرأت اور جنگجویانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ دمشق، حلب، حمص، جزیرہ اور فلسطین وغیرہ محاذات میں رومیوں نے زیادہ لڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ اکثر جگہوں میں رومیوں نے جزیہ دینے پر صلح کر لی۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے ملک مصر پر حملہ کرنے کی اجازت بڑی مشکل سے حاصل کی۔ وہ بھی ایسی صورت میں کہ ارطبون رومی سپہ سالار بھاگ کر مصر جا پہنچا اور بہت ممکن ہے کہ امیر المومنین کی بیت المقدس کی واپسی کے فوراً بعد فلسطین پر حملہ کر دے اور اس علاقہ میں بغاوت اور شورش پیدا کر دکھائے۔

حضرت عمرؓ فتوحات کے دامن کو سمیٹنا چاہتے تھے

ملک مصر کو حضرت عمرو بن العاص نے بڑی دانشمندی، شجاعت اور سپاہیانہ تدبر سے بڑے تھوڑے عرصہ میں فتح کر لیا۔ باب لیون، کریون اور اسکندریہ وغیرہ چند جگہوں میں خونریز لڑائیاں ہوئیں جو ہرقل کے نقطۂ نگاہ سے ناگزیر تھیں۔ ورنہ رومی تھوڑی بہت مدافعت کے بعد صلح کر لیتے سپہ سالار اپنی اور اپنی قوم اور ملک کی عاقبت اسی میں سمجھتے کہ مسلمانوں سے زیادہ مقابلہ نہ کیا جائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص برقہ، طرابلس تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہ جنوبی افریقہ کی طرف پیش قدمی کرنے کی اجازت

طلب کرتے رہے لیکن امیر المومنین نے سختی سے منع فرمادیا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے قیساریہ کی فتح کے بعد قبرص (سائپرس) پر حملہ آور ہونے کی اجازت طلب کی۔ امیر المومنین نے انکار کردیا۔ اگرچہ سیاسی اعتبار سے یہ پیشقدمی نہایت ضروری تھی تاکہ قسطنطنیہ کی طرف سے رومیوں کے حملہ کو روکا جا سکے۔

اس سیاسی ضرورت کے باوجود امیر المومنین نے امیر معاویہؓ کو سمندر میں لڑنے سے منع فرما دیا۔ ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ فتوحات کے دامن کو سمیٹنا چاہتے تھے۔ جنگ و جدل اور خونریزی سے اجتناب کرتے تھے۔ آپ نے بارہا فرمایا کہ کاش ہمارے اور خراسان کے درمیان آگ کا سمندر رہتا تاکہ اس علاقہ میں پیش قدمی نہ کی جاتی۔

ملک شام پر وسیع پیمانہ پر پیشقدمی کرنے کا سبب

اب ایک سوال کا جواب دینا رہ گیا ہے کہ ملک شام میں وسیع پیمانہ پر پیش قدمی کیوں کی گئی۔ اجمالاً تو اس کا جواب دے دیا گیا ہے کہ رومی مسلمانوں کے حدود سلطنت میں داخل ہو کر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ لیکن اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رومی عرب مستعرہ کی آزاد ریاستوں کو بغور دیکھ رہے تھے کہ وہ اس نوزائیدہ اسلامی سلطنت کو کس طور اور کب مغلوب کریں گے۔ اسی لیے وہ ان آزاد ریاستوں کو خفیہ امداد بھی دیتے رہتے تھے۔ جنگ موتہ، غزوہ تبوک اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کی پیش قدمی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

یہ تو کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے کہ شرجیل غسانی حاکم بصرہ اور دمشق کے گورنر کو ان کی نازیبا حرکات کی سزا دینا نہایت ضروری ہوگیا تھا۔ اس صورت میں اگر رومی ان کی امداد نہ کرتے تو ان ہر دو والیاں کو ان کے اپنے کیے کی سزا جلد مل جاتی۔ لیکن رومیوں نے نہ صرف ان کی امداد کی بلکہ انہوں نے اسے اپنا ذاتی معاملہ بنالیا۔ اس وجہ سے رومیوں سے باز پرس کرنا بھی سیاسی طور پر ضروری ہوگیا۔ اگر رومی درمیان میں نہ آتے تو مسلمانوں کو ان سے الجھنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ لیکن رومیوں کو اس غلط ہیچ دلری کی بنا پر یرموک، دمشق، انطاکیہ، حلب، حمص، جزیرہ اور فلسطین کے محاذات پر لکھوکھا فوجیوں کو جنگ کی بھٹی میں جھونکنا پڑا۔ پھر ان جنگوں میں جو نتائج نکلے ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں۔

ملک مصر تو سیاسی مصلحت کی بنا پر میدان کارزار بنا تھا ورنہ امیر المومنین تو ہر قدم پر یہی کہتے تھے کہ لڑائی کے میدان کو وسیع نہ کیا جائے بلکہ تنگ تر کر دیا جائے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملکِ مصر اور ملکِ شام کے مفتوح ہونے کے وقت خونریزی اس قدر نہیں ہوئی جس قدر عجم اور فارس کی فتوحات کے وقت ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رومی اہلِ کتاب تھے اور سمجھتے تھے کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ورود کتبِ سماویہ میں درج ہے۔ ان کو تردد اس امر میں تھا کہ عرب کے بجائے ان کا ظہور ملکِ شام میں ہوگا۔ ورنہ وہ نبی کی تعلیم اور اس کے مشن کے منکر نہیں تھے۔ اسی وجہ سے رومیوں نے جب اسلامی فتوحات کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو دیکھا۔ پھر ان حملہ آوروں کی مروت اور پاسداری وعدہ اور دیگر اخلاقِ حسنہ کو ان کی روزمرہ کی چلتی پھرتی زندگی میں جاری وساری دیکھا تو ایرانیوں کی طرح ہر قدم پر اڑنے کی کوشش نہیں کی بلکہ عافیت کوشی کا طریقہ اختیار کیا۔ جزیہ یا خراج دے کر اپنے آپ کو تباہ و برباد ہونے سے بچالیا۔ اس کے برعکس شاہِ ایران نے ذاتی اقتدار کی خاطر اپنے ملک اور اپنی قوم کو بھینٹ چڑھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی شہنشاہیت اپنے تمام کروفر کے باوجود اس اسلامی سیلاب کے سامنے ٹھہر نہ سکی اور خس و خاشاک کی طرح بہہ گئی۔ اور ایک انچ زمین بھی باقی نہ رہی جو کسریٰ اقتدار کے لیے آخری سنبھالا بن سکے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ایرانیوں نے عرب فاتحین کے سامنے سرِتسلیم خم نہیں کیا اور عربوں کی برتری کو قبول نہیں کیا۔ ایرانیوں نے عرب شہسواروں کو تلاطم خیز موجوں سے الجھتے اور انہیں دریا میں پایاب اترتے دیکھ کر "دیواں آمدند" "دیواں آمدند" چلاتے ہوئے راہِ فرار تو اختیار کرلی لیکن مسلمانوں کی شجاعت کا اعتراف کرنا پسند نہیں کیا اور نہ ہی اپنی کمزوری اور بزدلی پر افسوس ہی کیا۔ بڑے بڑے دیوپیکر جنگی ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد تو میدانِ جنگ میں لاکر کھڑی کردی لیکن عربوں کے اس فنی مہارت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا جو انہوں نے اپنے اونٹوں پر سیاہ جھول ڈال کر پیش کی۔ جس کی وجہ سے ایرانی گھوڑے بدکنے اور بھاگنے پر مجبور ہوگئے جس کی وجہ سے ایرانیوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ بار بار کی عہد شکنی کرکے پے در پے شکست کھانے کے نتائج سے دوچار ہونے کی ذلت کو تو گوارا کرلیا لیکن ایک "حلیف" کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اپنی مدافعت کے لیے کوئی موثر قدم ہی اٹھایا۔ "پدرم سلطان بود" "پدرم سلطان بود" کے خوش کن نعروں میں اپنے ساتھ اپنی رہی سہی ساکھ کو ڈبو کر ہی دم لیا۔

کسریٰ کی حکومت برائے نام نہ تھی

اگر یہ کہا جائے کہ کسریٰ کی حکومت برائے نام تھی تو یہ غلط خیال ہے۔ اس وقت کی متمدن دنیا میں ایران اور روم دو ہی سلطنتیں تھیں جن کے تمدن کو دنیا نے اپنایا ہوا تھا اور ایرانی شہنشاہیت تو وہ تھی جس نے کچھ عرصہ پہلے رومی سلطنت کو پے در پے شکستیں دی تھیں اور اس ضرب و حرب میں رومیوں کی

صلیب (مذہبی نشان) تک کو چھین کر لے گئے تھے اور ان کے بڑے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ پھر ہرقل قیصر روم نے دن رات کی تیاری کے بعد جب انہیں ایرانیوں سے لڑکر اپنے مفتوحہ علاقہ جات کو حاصل کر لیا تو ہر دو حکومتوں کے درمیان صلح ہوگئی۔ اس وقت ایرانی جاہ و حشم میں کمی نہیں آئی تھی۔ بلکہ ہر دو حکومتیں برابر کی سمجھی گئی تھیں۔

یزدجرد شاہ ایران کا تکبر اور غرور

ان حالات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ مٹھی بھر عرب سرزمین حجاز سے اٹھ کر بیک وقت قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تخت الٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ رومیوں نے حتی المقدور مدافعت کرنے کے بعد عرب کی سیادت کو تسلیم کر لیا۔ اس طرح اپنے بہت سے علاقہ جات مفتوح ہونے کے باوجود بھی ملک کے ایسے علاقے بچا لیے جہاں اس کی قیصریت کا وجود کچھ دنوں تک قائم رہا۔ لیکن کسروی اقتدار نے آخری دم تک عربوں کی برتری کو تسلیم نہیں کیا اور یہی سمجھتے رہے کہ اجڈ عرب تہذیب و تمدن سے کلیتہً عاری ہیں۔ ایک بگولے کی طرح اٹھے ہیں جو طوفانی صورت کے بعد خود بخود بیٹھ جائیں گے۔

شاہ ایران نے حملہ آور اور فاتح قوم کے اصولوں کو نہ ہی خود سمجھا اور نہ ہی اپنی رعایا کو سوچنے اور سمجھنے کا موقعہ دیا۔ پے در پے شکستیں کھاتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک تباہ ہو کر رہ گیا۔ آخر شاہ ایران کس مپرسی کی حالت میں مقتول ہو کر ساسانی خاندان کا خاتمہ اپنے ہاتھوں کر گیا۔ اس طرح کہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ کا عملی ثبوت اہل دنیا کے سامنے آگیا۔

ایرانی جفا شعار ظالم اور جابر فاتحین کو ہی فاتح سمجھتے رہے

کیا یزدجرد کے مرنے کے بعد ملک ایران میں اسلام نہیں پھیلا؟ .... اسلام پھیلا اور ضرور پھیلا ...... اسلامی تہذیب و تمدن کو ایرانیوں نے اپنایا۔

شاہ ایران کے نزدیک اسکندر مقدونی، بخت نصر، چنگیز خان وغیرہ قسم کے لوگ ہی فاتح ہو سکتے ہیں جو بارونق شہروں کو بلا وجہ جلا کر خاکستر کر دیتے ہوں اور بے گناہوں اور نہتے شہریوں کو قتل کر کے ان کے سروں اور جسموں کے مینار تیار کر کے فتح کے شادیانے بجاتے ہوں۔ شاہ ایران کے نزدیک اسلام کے فرزند فاتح کہلانے کے حقدار نہیں ہیں، جو میدان جنگ اور عین گھمسان کے موقعہ پر بھی کسی عورت، بچے بوڑھے، راہب اور موبد کو قتل کرنا گناہ عظیم سمجھتے ہوں۔ معاہدہ ہو چکنے کے بعد انسانی خون کا بہانا تو

درکنار، کسی پھلدار درخت کو بھی کاٹنا گناہ کبیرہ سمجھتے ہوں، جن کے امیر کی طرف سے یہ پیغام پہنچا ہو کر محاصرہ کی طوالت کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ مجاہدین نے کتاب و سنت پر عمل کرنے میں کوتاہی کی ہے ورنہ حق کے مقابلہ میں باطل اتنی دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ تمام لشکریوں کو جمع کر کے اس بات سے آگاہ کریں اور اپنے دینی اور جانی نقصان کی تلافی استغفار سے کریں"۔

ایسے قدسی صفات فاتحین کو شاہ ایران اور اس کی سپاہ اپنی نظر میں فاتح نہ سمجھتے ہوں تو نہ سمجھیں لیکن دنیا ان کے گن گا رہی ہے۔ البتہ ہرقل قیصر روم نے جب مسلمان مجاہدین کے اوصاف سنے کہ وہ دن کو گھوڑے کی پیٹھوں پر اور رات کو مصلوں پر خدا کے حضور میں اپنا وقت گزار دیتے ہیں، تو اس نے بے تکلف اپنے دربار میں اعلان کر دیا کہ اگر ان کی یہی حالت ہے تو وہ اس زمین پر بھی قبضہ کر یں گے جس پر وہ بیٹھا ہوا ہے اس کی رعایا بھی موقعہ شناس تھی۔

ایک واقعہ

ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓو بن العاص باب لیون کی فتح کے بعد کئی مہینے وہیں ٹھہرے رہے اور وہ اس انتظار میں تھے کہ امیرالمومنین کی طرف سے کمک پہنچے تو اسکندریہ کی طرف بڑھا جائے۔ اس اثناء میں قبطی اور رومی جو شہر میں رہا کرتے تھے وہ عربوں کی چال ڈھال پر اپنی پرائیویٹ محفل میں ہنسا کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓو بن العاص کو اس تحقیر آمیز رویہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے قبطیوں اور رومیوں کو ایک دعوت میں بلایا اور ان کے ساتھ عربوں کو بھی ایک ہی دسترخوان پر بٹھا دیا۔ ...... خوراک کیا تھی...... اونٹ کا کچا پکا گوشت جس میں شوربا کی بھرمار تھی۔ عرب اپنے طریق پر کھاتے اور گوشت کو توڑنے میں بے تکلفی کرتے اس طور پر کہ ساتھیوں کو گھن آتی...... اس طرح ہنسی خوشی میں یہ تقریب ختم ہو گئی۔ دوسرے دن پھر دعوت کی گئی ہے۔ قبطیوں اور رومیوں کو پھر ایک ہی دسترخوان پر عربوں کے ساتھ بٹھا دیا۔ اس روز کھانا رومیوں کی پسند کا تھا۔ عربوں نے رومیوں اور مصریوں کے ساتھ بیٹھ کر نہایت سلیقہ کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ دیکھ کر رومی اور قبطی بہت حیران ہو گئے۔ تیسرے روز عربوں کی فوجی پریڈ دکھائی گئی جس کو دیکھ کر رومی اور قبطی نہایت متعجب ہوئے اور ان کے دل سے یہ خیال دور ہو گیا کہ عرب محض...... میدان جنگ کے کھلاڑی ہیں، بلکہ ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ عرب سلیقہ اور نفاست کے لحاظ سے متمدن اقوام سے بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ان قبطیوں اور رومیوں کو عربوں کے بارے میں تمسخر اڑانے کا خیال تک بھی پیدا نہ ہوا۔ امیرالمومنین کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا

کہ عمروؓ بن العاص نے اس غلطی کی اصلاح کھانا کھلانے میں کر دکھائی ہے جو تلوار سے بھی نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔۔۔۔

اس واقعہ کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جو قوم فاتحانہ حیثیت سے ملکوں میں داخل ہو رہی ہے وہ مفتوح اقوام کے تمام اونچ نیچ کے معاملات سے واقف ہوتی ہے خواہ وہ معاملات بزم کے ہوں یا رزم کے۔۔۔۔۔۔

رومیوں اور قبطیوں کے ملکوں اور شہروں کو فتح کرنے میں اسلامی لشکر کو اتنی دقت نہیں ہوئی جتنی کہ یزدجرد شاہ ایران کے ملک میں ہوئی ہے۔ اس لیے نہیں کہ ایرانیوں نے مدافعت ایسی ڈٹ کر کی کہ عربوں کی بہت سی طاقت ضائع ہو گئی۔۔۔۔۔۔ نہیں ہرگز نہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ایرانیوں کو اپنی مدافعت کرنے میں بے انتہا جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا اور اخیر تک یہی سمجھتے رہے کہ ہمچوں ما دیگرے نیست۔

یوں تو دنیا کی تاریخ میں اقوام فاتح اور مفتوح ہوتی آئی ہیں لیکن جائے افسوس ہے کہ ایرانی فوجوں کو مدافعت کی بھی طاقت نہ ہو۔ یزدجرد شاہِ ایران۔۔۔۔۔۔ میدان جنگ میں خود کمان کرنے کی ہمت نہ رکھتا ہو اور اخیر وقت میں خاقان تاتار کے پاس شاہی مہمان کی صورت میں بھی اپنے شکست خوردہ سرداروں کو بار بار مسلمانوں کے خلاف ابھارتا رہے تاکہ رہی سہی کسر بھی باقی نہ رہے۔۔۔۔۔۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ ایران مقتول ہو گیا، اس کا خاندان ختم ہو گیا اور اب ایرانی عوام عربوں کے رحم و کرم پر رہ گئے۔

آخر ایران میں اسلام پھیلا۔۔۔۔۔۔ اور سعید ارواح نے اسلام کو دل سے قبول کر لیا۔ لیکن چند ایک نے اسلام کو اس لیے قبول کیا کہ میدانِ جنگ میں تو عربوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ مسلمانوں کو ان کے مذہبی اور داخلی معاملات میں الجھا دیا جائے جس کی وجہ سے عربوں سے انتقام اچھا خاصا لیا جا سکتا ہے۔ ان کے خیال میں اَلْحُبُّ يَتَوَارَثُ وَالْبُغْضُ يَتَوَارَثُ٭ کا اصول کامیاب ہے۔ اس لیے کہ نئی نسلوں کے شیرخوار بچوں کے رگ و ریشہ میں محبت اور بغض کے جذبات ماں کے دودھ کے ساتھ نشوونما پاتے ہیں اور یہی جذبات پروان چڑھ کر دل و دماغ پر متسلط ہو جاتے ہیں اور عمل کی دنیا میں گاہ بگاہ متشکل بھی ہوتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ پھر علمی اور اعتقاد کی دنیا میں نون میخ نکالنا عوام کا ایک طرح کا شغلہ بن جاتا ہے خود تیار کردہ قصص کی صورت پیدا ہو جاتی تا آنکہ رفتہ رفتہ۔۔۔ عقائد و اعمال میں ایک

٭ محبت بھی ورثہ میں آتی ہے اور بغض بھی ورثہ میں آتا ہے۔

علیحدہ راستہ آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگ جاتا ہے۔

مفتوح اقوام کا تخریب کار عنصر فاتحین کے خلاف بغض و عناد کے جذبات نئی نسلوں میں منتقل کر کے اپنی شکست کا بدلہ لینے کی کوشش کرتا ہے

حقیقت میں کسی قوم سے انتقام لینے کا یہ طریقہ نہایت کامیاب رہا ہے کہ خود ساختہ قصص کو اعتقادات میں ایسا سمو دیا جائے جو نسلاً بعد نسل ماں کے دودھ کے ساتھ منتقل ہوتے رہیں۔۔۔۔۔۔ پھر ایک دور ایسا بھی آجائے کہ قوم بالکل جداگانہ نظر آنے لگے۔ اس وقت یہ نزاعی مسائل ہی نہیں رہتے بلکہ سیاسی صورت اختیار کر جاتے ہیں، جس کو سمجھانے کے لیے تلوار اور قلم دونوں بے بس نظر آتے ہیں۔ عوام تو عوام ہیں، خواص میں بھی اتنی سکت نہیں رہتی کہ چھان پھٹک کر اختلافات کی خلیج کو پاٹ سکیں۔۔۔۔۔۔ ایسے افراد کا پہلا مرحلہ علمی اور مذہبی میدان میں ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے ہوش و حواس بجا نہیں رہتے۔

ؔ چہ قدر افیوں در مے انداز ساقی

حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

جب یگانوں کی یہ حالت ہے کہ ان کے اعتقادات کی جڑوں کو نزاعی اور اختلافی مسائل دیمک کی طرح چاٹ رہے ہوں تو بیگانوں پر کاہے کا گلہ اگر وہ اسلام کی جڑوں پر کھلم کھلا کلہاڑا چلا رہے ہوں۔۔۔۔۔۔

ؔ من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم

کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اس دینی اور مذہبی آویزش سے ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے جب اپنوں کے طعن و تشنیع سنتے سنتے اور بیگانوں کے گھاؤ کھاتے کھاتے تنگ آکر دیر و حرم سے ہی انسان بے نیاز ہو جاتا ہے۔

ؔ ساقی نہ معلوم کتنی افیون شراب میں ملا دیتا ہے جس کی وجہ سے حریفوں کو نہ اپنے سر کی ہوش رہتی ہے اور نہ ہی دستار کی۔

ؔ میں بیگانوں پر شکوہ و شکایت نہیں کر رہا۔ میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ اپنوں نے کیا ہے۔

ے تنگ آ کے آخر میں نے دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے تیرے فسانے

بہرحال ایسے حالات کے بعد ایک سٹیج ضرور آتا ہے جہاں ہر ایک بہو کا روٹی کے ٹکڑے کے عوض اپنے ایمان کا سودا کر بیٹھتا ہے اور اپنی تمام خاندانی روایات کو نظر آتش کر کے اس کی راکھ کے اندگرد بیٹھ کر..... خوش گپیوں میں وقت گزار دیتا ہے۔ اس کو کہا جاتا ہے کہ ع

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اصل میں قوموں کی جانکنی کا یہی وقت ہوتا ہے اَللّٰھُمَّ اَعَاذَنَا مِنْ ھٰذِہِ الْخُرَافَاتِ وَجَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ..... ..

اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ جب ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو ایک خونی انقلاب آتا ہے جو دنیا کے اکثر حصوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے........ پھر کچھ عرصہ کے بعد جب مطلع صاف ہوتا ہے تو چند اللہ کے بندے اللہ کے حکم سے میدان میں نکل آتے ہیں اور اسی خون و پوست کے ملبہ سے از سر نو عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر براؤن مشہور مستشرق کی رائے

اس طویل بحث کو سمیٹتے ہوئے کھلے الفاظ میں کہنا پڑتا ہے کہ ایرانی شہنشاہیت کے ختم ہونے سے ایک گروہ ایسا نمودار ہوا جس نے مذہبی عقائد میں موشگافیاں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے...... "خلافتِ علیؓ" کی آڑ لے کر اپنے بغض و عناد کی بھڑاس نکالنے کے لیے خلفائے راشدین پر بیجا طعن و تشنیع کی بوچھاڑ شروع کر دی ہے.......

انگریز مؤرخ ایڈورڈ براؤن ایک مشہور مستشرق ہے جو مدتوں ایران کی سرزمین میں رہا ہے اور فارسی ادب سے اسے خاص شغف ہے۔ ایران میں اپنے قیام کے دوران اس نے کتاب ادبیات ایران کے نام سے لکھی ہے جس میں اس نے ایرانی کلچر اور ایرانی ثقافت کے بارے میں بہت روشنی ڈالی ہے ایران پر مسلمانوں کے حملہ کے بارے میں وہ لکھتا ہے۔

" راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ سے جو اہل عجم متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ غارت گر عجم تھے۔ اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دے دیا لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے"۔ (تاریخ ادبیات ایران از براؤن اردو ترجمہ جلد اوّل مطبوعہ انجمن ترقی اردو دہلی)

دوسری جگہ لکھتا ہے :۔

معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کو جو حضرت عمرؓ سے عداوت ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حقوق کو غصب کیا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے ایران کو فتح کر کے ساسانی خاندان کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایرانی شاعر رضائے کرد کے دو شعر بھی نقل کیے ہیں :۔

لہ بشکست عمر پشت ہژبران اجم را
بر باد، فنا داد رگ و ریشہ جم را
ایں عربدہ بر غصب خلافت ز علی نیست
با آلِ عمرؓ کینہ قدیم است عجم را

(تاریخ ادبیات ایران از براؤن جلد چہارم ص ۴۹ ـ ۴۸ اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو دہلی)

ایک اہم واقعہ

بعض واقعہ دیکھنے میں تو معمولی ہوتا ہے لیکن وہ تاریخ کے دھارے کو بدل دیا کرتا ہے۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں تمام ممالک محروسہ میں کلیۃً امن و امان تھا اور عدل و انصاف کا دور دورہ تھا کسی کا حق غصب کرنے یا کسی پر تشدد کرنے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا تھا۔ دریائے سندھ سے لے کر شمالی افریقہ تک تمام لوگ خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی گزارتے تھے کہ اچانک ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے ہر صاحب بصیرت کو چونکا دیا۔ اگرچہ اس وقت تو اس کو ایک اتفاقی امر سمجھا گیا لیکن بعد میں اس کے اثرات نے تاریخ کے دھارے کو بدلنے کی کوشش کی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ذوالحجہ ۲۳ھ کی آخری تاریخوں میں ایک نوجوان غلام فیروز نامی (جس کی ابولولو کنیت ہے) امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ میرا مالک مغیرہؓ بن شعبہ مجھ سے حق مالکی زیادہ وصول کرتا ہے۔ امیرالمومنین اس سے پوچھتے ہیں کہ کس قدر رقم وصول کرتا ہے؟ جواب دیتا ہے دو درہم روزانہ۔ آپ اس غلام سے

لہ حضرت عمرؓ نے جنگل کے شیروں کی کمر کو توڑ کر رکھ دیا (اہل ایران) جمشید کے خاندان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ یہ سارا جھگڑا اس وجہ سے نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت غصب کر لی ہے بلکہ آلِ عمرؓ سے ایرانیوں کی دشمنی پرانی چلی آ رہی ہے۔

دریافت فرماتے ہیں کہ تُو کام کیا کرتا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ نقاشی، سنجاری اور حدادی یعنی پینٹنگ، بڑھئی اور لوہار کا کام کرتا ہوں۔ امیرالمومنین فرماتے ہیں کہ تیرے پیشہ کے لحاظ سے یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔ وہ غلام یہ بات سُن کر اندر ہی اندر کڑھتا ہوا چلا جاتا ہے......

کچھ دنوں کے بعد وہی غلام امیرالمومنین کو راستہ میں اچانک مل جاتا ہے۔ امیرالمومنین اس کو بلا کر کہتے ہیں کہ سنا ہے تو ایک ہوائی چکّی تیار کر لیتا ہے ہمارے لیے بھی ایک ایسی چکی تیار کر دو۔ وہ غلام جواب دیتا ہے کہ میں آپ کے لیے ایسی چکّی تیار کروں گا جس کی شہرت مشرق اور مغرب تک ہو جاوے گی۔

امیرالمومنین کو قتل کی دھمکی

یہ کہتا ہوا وہ غلام تو اپنے راستہ پر ہولیا لیکن امیرالمومنین اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ یہ نوجوان مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے ساتھیوں نے کہا کہ اسے گرفتار کیا جائے۔ فرمایا کہ جب اس نے جرم کا ارتکاب ہی نہیں کیا اس کو کیونکر گرفتار کیا جائے۔

امیرالمومنین پر ابولؤلؤ کا قاتلانہ حملہ

۲۸۔ ذوالحجہ کو امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ حسبِ معمول علی الصبح مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے داخل ہوئے۔ آپ کا دستور تھا کہ مصلیٰ پر کھڑے ہونے سے پہلے صفوف کو درست کروالیا کرتے تھے اس کے بعد جماعت کھڑی ہو جاتی تھی۔ اس دن بھی جب آپ حسبِ معمول صفوں کی درستی کروانے کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ چکے تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے اس غلام ابولؤلؤ نے ایک کونہ سے نکل کر امیرالمومنین پر خنجر کے چھ پے در پے وار کیے۔ آخری وار ناف کے نیچے پڑا۔ وار کرنے کے بعد وہ غلام بھاگ نکلا۔ امیرالمومنین نے گرم جوشی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (جو پیچھے کھڑے تھے) کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ مصلیٰ پر کھڑا کر دیا اور آپ زخموں کی تاب نہ لاکر فرش پر گر پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے "والعصر" اور "الکوثر" کی دو چھوٹی سورتوں سے نماز پڑھائی۔

ابولؤلؤ نے خودکشی کر لی

امیرالمومنین نے گرتے ہی فرمایا پکڑو اس کتے کو اس نے مجھے کاٹ کھایا ہے۔ اس کے بعد فرش

پر بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ وہ لوگ جو نماز میں شریک ہو رہے تھے انہوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی جب کہ وہ بھاگ رہا تھا۔ اس کشمکش میں ابولولو نے بارہ آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ آخر ایک شخص نے اس پر کپڑا پھینک کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ جب ابولولو کو معلوم ہوا کہ وہ پکڑا گیا ہے اور اب وہ بچ نہیں سکتا تو اس نے اسی وقت وہی خنجر اپنے سینہ میں گھونپ لیا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔

ادھر نماز پورے اطمینان سے ہو رہی ہے جب کہ امیر المومنین امام کے مصلّٰی کے قریب خون میں لت پت ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ اللہ اللہ! وہ کیا نظارہ ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ کیا مقدس تعلیم ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ کیا جذبہ ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔ اللہ کے بندوں پر وہ کیا محویت طاری ہے؟ کہ مالک حقیقی کے روبرو کھڑے حاضری دے رہے ہیں اور ان کے عین سامنے ان کا امیر خون میں لت پت بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔ نہ کسی نے غلام کو پکڑنے کی کوشش کی اور نہ ہی تڑپنے والی لاش کی طرف توجہ دی۔ قیام، رکوع اور سجود میں کسی قسم کی افراتفری نہیں ہوئی۔ نہایت اطمینان کے ساتھ رب العالمین کی ثناء زبان پر جاری ہے اور ارکان و جوارح امام کے اشارہ پر حرکت کر رہے ہیں۔۔۔۔ دل میں اسی کی یاد بسی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔۔۔۔۔۔۔۔ ایسی ہی نماز کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

دوسری طرف امیر المومنین سراپا تسلیم و رضا ہیں اور زبان حال سے "اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امیر المومنین کو اٹھا کر گھر لے آتے ہیں۔ بے ہوشی کا عالم ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ "اَلصَّلٰوۃ" فرمایا ہاں مسلمان کے لیے نماز فرض ہے اسی حالت میں آپ نے لیٹے لیٹے نماز ادا کی۔ بعد میں فرمانے لگے جاؤ دریافت کر کے آؤ کہ میرا قاتل کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابولولو ہے۔ امیر المومنین کے روئے انور پر بشاشت طاری ہو گئی۔ فرمایا "الحمد للہ" میرا قاتل کوئی کلمہ گو نہیں ہے جس نے میرے خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔

اسی وقت طبیب کو بلایا گیا۔ اس نے ان کے لیے کھجوروں کا نچوڑ پیش کیا۔ پینے کے بعد وہ زخموں سے اسی طرح باہر نکل آیا۔ اس کے بعد طبیب نے کہا کہ شاید رات تک بچ سکیں۔ بعدہٗ امیر المومنین نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو بلایا اور فرمایا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں جا کر عمرؓ کا سلام کہو اور اجازت طلب کرو کہ عمرؓ کی خواہش ہے کہ اس کو اپنے دو پیشروؤں کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت مل جائے۔ جاتے ہوئے اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ کو تاکید کی کہ امیر المومنین نہ کہنا بلکہ

حضرت عمر کہنا۔

امیر المومنین کے مطالبہ پر حضرت عائشہ صدیقہ

کا حجرہ میں دفن ہونے کی اجازت دینا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ اس دل سوز واقعہ کی وجہ سے بیٹھی رو رہی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد محترم کا سلام انہیں الفاظ میں عرض کیا جن الفاظ میں انہیں تاکید کی گئی تھی، بعد میں ان کی خواہش پیش کی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ یہ جگہ انہوں نے اپنے لیے رکھی تھی لیکن میں عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں خوشخبری لے کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سن کر فرمایا الحمد للہ! یہ میری بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ پھر فرمانے لگے......

کہ حضرت ام المومنین کے حجرہ کے سامنے جنازہ رکھ دینا، پھر اجازت طلب کرنا، اگر اجازت مل جاتے تو اندر لے جانا۔ پھر فرمایا کہ قبر کی جگہ کو زیادہ لمبا نہ کھودنا۔ حجرہ چھوٹا ہے اگر میرے اعمال اچھے ہوئے تو قبر کے اندر خود بخود فراخی ہو جاوے گی، اگر اعمال بد ہیں تو ظاہر کی فراخی کے باوجود اندر سے قبر کی زمین سکڑ جائے گی۔ پھر فرمایا کہ میرے جنازہ کو ذرا تیزی سے لے کر چلنا اگر اس جنازہ میں خیر ہے تو وہ جلد اپنی جگہ پر پہنچ جاتے اور اگر شر ہے تو شر کو بلا وجہ کیوں بردوش رکھا جائے، اس کو جلدی اتار پھینکنا چاہیے۔

امیر المومنین نے روزینہ کے طور پر جو رقم بیت المال

سے وصول کی تھی وہ رقم اپنا ذاتی مکان بیچ کر بیت المال میں جمع کر دی

وصال سے ایک روز پہلے فرمانے لگے کہ میرے بارے میں وہ الفاظ نہ کہے جائیں جس کا میں مستحق نہیں ہوں۔ پھر فرمایا کہ میرے کفن پر بے جا خرچ نہ کرنا۔ اگر میں بہتر ہوں تو مجھے خود بخود اچھا لباس مل جائے

گا اگر مَیں اچھا نہیں ہوں تو اچھے لباس سے کیا فائدہ ؟ حضرت امیر المومنینؓ نے آہ و بکا سے بھی منع فرمایا اس کے بعد عبد اللہ بن عمرؓ کو بلایا گیا کہ حساب کر کے مجھے بتلایئے کہ بیت المال سے انہوں نے کس قدر رقم بطور روزینہ وصول کی ہے ؟ حساب کرنے کے بعد بتایا گیا کہ چھیاسی ہزار درہم ہے آپ نے فرمایا کہ میرے مکان کو بیچ کر وصول کردہ رقم بیت المال میں جمع کر دی جائے ۔اگر بیت المال کی رقم اس سے پوری نہ ہو سکے تو بنی عدی سے امداد حاصل کر لی جائے ،اگر پھر بھی رقم پوری نہ ہو سکے تو قریش سے اپیل کر لینا اس کے بعد کسی اور کو تکلیف نہ دی جائے ۔ امیر المومنین کا یہ مکان حضرت امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ درہم میں فوراً خرید کر لیا اور دورِ خلافت میں وصول کردہ رقم بیت المال میں جمع کر دی ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ روزینہ کے طور پر جو کچھ خلافت کے دوران وصول کیا تھا اس کو حضرت عمرؓ نے اپنے محترم پیشرو کی طرح قرضہ سمجھ کر بیت المال میں جمع کروا دیا تاکہ خدا کے حضور جب بھی پیش ہوں تو مسلمانوں کے بیت المال کا بار میرے سر پر نہ ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس قسم کی وصیتیں کرنے کے بعد آپ کی توجہ ان کی جانشینی کی طرف دلائی گئی ۔

جانشینی کے بارے میں غور و فکر

آپ نے فرمایا کہ اگر حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح زندہ ہوتے تو انہیں مسلمانوں کے مشورہ سے جانشینی کے لیے منتخب کر جاتا جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت کا خطاب دیا ہے یا حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کے بعد سالمؓ مولی ابو حذیفہ کو ان کے تقویٰ کی بنا پر جانشینی کے لیے تجویز کر جاتا وہ بھی دنیا میں موجود نہیں ہیں ۔ اب میرے سامنے دونوں مثالیں ہیں ،اگر نامزدگی اختیار نہ کروں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی عمل کیا تھا ،اگر نامزدگی کی تجویز پیش کروں جیسا کہ میرے محترم پیشرو نے کیا تھا تب بھی کر سکتا ہوں ۔ حضرت ابو عبیدؓ بن الجراح اور سالمؓ مولی ابو حذیفہ ہر دو انتقال کر چکے ہیں ۔اگر زندہ ہوتے تو ان میں سے کسی ایک کے بارے میں نامزدگی کی تجویز کر سکتا تھا ۔ اسی دوران کسی نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا نام ان کے زہد و تقوای کی بنا پر پیش کیا ۔ آپ نے فرمایا کہ جس کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کی بھی صلاحیت نہ ہو وہ امورِ سلطنت کو کیا سر انجام دے گا ۔ نیز "خطاب" کی اولاد کے لیے کافی ہے کہ مَیں نے اس بوجھ کو اٹھا رکھا ہے ،خاندان کے دیگر افراد اس بوجھ کے نیچے کیوں دب جائیں ؟ اس سے مَیں اگر برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں کہ جیسے دنیا میں آئے ویسے ہی دنیا سے چلے جائیں ۔ نہ کچھ لیا اور نہ کچھ دیا تو بھی غنیمت ہے ۔

عشرہ مبشرہ میں سے چھ رکنی کمیٹی مقرر کی

مندرجہ ذیل چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائے دیتا ہوں، یہ تمام کے تمام عشرہ مبشرہ میں سے ہیں
ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر دیا جائے۔

- حضرت عثمان غنی رضؓ
- حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ
- حضرت طلحہؓ
- حضرت زبیرؓ
- حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف
- حضرت سعدؓ بن ابی وقاص

امیر المومنین نے یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ بن عمرؓ کو بھی بطور مشورہ شامل کر لیا جائے لیکن انہیں خلافت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

حضرت مقدادؓ اور حضرت طلحہ انصاریؓ کو بلایا گیا کہ وہ ان اصحابِ شوریٰ کو کسی مناسب جگہ اکٹھا کر دیں اور آپ ہر دو باہر بیٹھے رہیں تاکہ ان کے پاس کوئی نہ آئے۔ تین دن کے اندر اندر یہ حضرات اپنے میں سے جس کو چاہیں منتخب کر لیں۔ حضرت طلحہؓ اس وقت مدینہ منورہ سے باہر گئے ہوئے ہیں اگر وہ تین دن تک واپس آجائیں تو انہیں اس کمیٹی میں شامل کر لیں ورنہ ان کی عدم موجودگی میں کسی ایک کو منتخب کر جائے۔ جس کو خلیفہ چن لیا جائے اسے قبول کر لیا جائے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں فرمایا کورم کو پورا کرنے کے لیے وہ رائے دے سکتے ہیں۔ اگر آرا دونوں طرف برابر ہوں تو عبداللہ بن عمرؓ اس طرف ووٹ دیں گے جس طرف عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہوں جب تک خلیفہ کا انتخاب نہ ہو اس وقت تک حضرت صہیب رومیؓ خلافت کے فرائض سرانجام دیں کمیٹی کی تشکیل ہو گئی اور اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔

کمیٹی کے ارکان کو وصیت فرمائی کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو چاہیے کہ پانچ فرقوں کا خیال

- مہاجرین
- انصار
- اعراب

- وہ عرب جو دور شہروں میں آباد ہو گئے ہیں۔
- اہلِ ذمہ (عیسائی، یہودی، مشرک اور پارسی جو اسلامی حکومت کی رعایا ہیں)

پھر فرمایا کہ میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری کا لحاظ رکھیں یعنی اہلِ ذمہ سے جو اقرار کیا ہے اس کو پورا کیا جائے، ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

(الفاروق از شبلی نعمانیؒ)

اس کے بعد امیر المومنین نے حضرت مقدادؓ بن الاسود اور حضرت طلحہ انصاریؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تین روز تک مجلسِ شوریٰ کے ارکان کو ایک جگہ جمع کریں اور باہر دروازہ پر آپ ہر دو پہرہ دیتے رہیں۔ تاکہ کوئی ان کی کاروائی میں دخیل کار نہ ہو سکے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے لیے جانشینی کا کام بہت اہم تھا اس لیے اس کا خاکہ خود ہی تیار کر دیا۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں گھر والوں اور عوام کے لیے ضروری ضروری وصیتیں فرماتے رہے۔ آخر یکم محرم الحرام ۲۴ھ بروز شنبہ جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

امیر المومنین کی تجہیز و تکفین

حضرت صہیب رومیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف، حضرت علیؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اسلام کے اس آفتاب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ کے پہلو میں سُلا دیا۔ آپ کی عمر آپ کے محترم پیشرو کی طرح تریسٹھ سال ہے اور دورِ خلافت دس سال چھ ماہ اور چار دن ہے۔

اللہ کے اس روشن آفتاب کے غروب ہونے سے مدینہ منورہ میں جو کہرام مچا ہے وہ بیان نہیں کیا جا سکتا........ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے جنازہ پر رکھے گئے تو لوگوں نے انہیں گھیر لیا۔ دعائیں مانگتے تھے، قبل اس کے کہ جنازہ اٹھایا جائے میں بھی ان لوگوں میں تھا پس یکایک ایک شخص نے میرا شانہ پکڑ لیا تو وہ "علیؓ" تھے، پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کے لیے دعائے رحمت کی اور کہا کہ اے عمر! تم نے کسی ایسے شخص کو اپنے پیچھے نہیں چھوڑا کہ آپ جیسے اعمال کے ساتھ خدا سے ملتا ہوا بہ نسبت تمہارے مجھے زیادہ محبوب ہو۔ اور خدا کی قسم! میں خیال کرتا تھا کہ اللہ تمہیں تمہارے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا، اور میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے

اکثر مجالس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مَیں، ابوبکرؓ و عمرؓ گیا، مَیں، ابوبکر و عمر داخل ہوا، مَیں، ابوبکر و عمر باہر نکلا...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ عمر فاروقؓ کی موت سے تمام بنیادیں ہل گئی ہیں، زندگی کے تمام شعبے متاثر ہو گئے ہیں۔

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ عرب میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس کا نظام حضرت عمر فاروقؓ کی موت سے درہم برہم نہ ہو گیا ہو۔

حضرت حذیفہؓ بن یمان نے فرمایا کہ اسلام ایسا قلعہ تھا جس میں لوگ اب تک داخل ہوتے تھے لیکن اس سے باہر نہ آتے تھے اور اب حضرت عمر فاروقؓ کے وفات سے اس قلعہ میں رخنہ اور شگاف پڑ گیا ہے۔ چنانچہ اس سے لوگ باہر تو آ جاتے تھے لیکن باہر آ کر پھر واپس نہیں جاتے تھے۔

حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یکے از عشرہ مبشرہ) سے جو پوچھا گیا کہ آپ حضرت عمر فاروقؓ کی موت پر کیوں اشک بار دئیے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مَیں عمر پر نہیں رو رہا بلکہ اسلام پر رو رہا ہوں جس میں ان کی موت سے شگاف پڑ گیا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا مقولہ کس قدر صحیح اور جامع ہے کہ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا، اسلام کی فتح، حضرت عمرؓ کا ہجرت کرنا اسلام کی نصرت اور حضرت عمرؓ کی خلافت سراپا رحمت ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے ایک موقعہ پر کتنا بلیغ اور جامع مقولہ ارشاد فرمایا کہ میں اللہ سے تقریب حاصل کرنے کی خاطر رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک کرتا ہوں اور حضرت عمرؓ خالص اسی تقرب کی خاطر اپنے اقربا اور عیال وغیرہ کو ہر قسم کی آسائش سے محروم کرتے تھے۔ اس کے بعد تین مرتبہ فرمایا کہ ہم میں سے کون ہے جو حضرت عمرؓ کی برابری کرے۔

بہر حال حضرت عمرؓ فاروق کی وفات کے بعد ایک بہت بڑا نقصان ہوا ہے اور ان کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا ہے کہ مسلسل قیامت تک اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ زندگی کی کوئی ایسی شاخ نہیں ہے جس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات نے ہلا نہ دیا ہو اور انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو ان کی وفات سے متاثر نہ ہوا ہو۔

مسلمانوں کا نجی یا مجلسی کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو حضرت عمر فاروقؓ کے دنیا سے رخصت ہونے پر بہت بڑے خلا کی نشاندہی نہ کرتا ہو۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ کی شہادت کے بارے میں ایک بات قابل غور ہے جس کا اجمالاً تو ذکر آ چکا ہے کہ ابو لؤلو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے غلام نے ذوالحجہ ۲۳ھ کی اخیر تاریخوں میں اپنے مالک کی شکایت

امیر المومنین کے پاس آکر کی کہ اس کا مالک اس سے حقِ مالکی زیادہ وصول کرتا ہے۔ امیر المومنین نے اس کے پیشہ وارانہ مہارت کے تحت فرمایا کہ دو درہم روزانہ ادا کرنا کوئی زیادہ نہیں ہے۔ اس پر غلام منہ بسور کر چلا جاتا ہے۔ دوبارہ ایک دن وہ غلام امیر المومنینؓ کو راہ چلتے مل جاتا ہے تو آپ اُسے کہتے ہیں کہ سنا ہے تم ایک ہوائی چکی بنا لیتے ہو، ایسی ہمیں بھی بنا دو۔ غلام جواب دیتا ہے کہ آپ کو ایسی چکی بنا کر دوں گا جس کا چرچا مشرق و مغرب سب جگہ ہو جائے گا۔ یہ الفاظ کہہ کر وہ چل دیتا ہے۔ امیر المومنینؓ حاضرین سے فرماتے ہیں کہ یہ نوجوان مجھے قتل کی دھمکی دے کر چلا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ اسے گرفتار کر لینا چاہیئے۔ فرماتے ہیں کہ جب اس نے ارتکاب جرم ہی نہیں کیا اس کو کیوں کر ماخوذ کیا جا سکتا ہے؟ ۲۸ ذوالحجہ علی الصبح مسجد نبوی میں وہی ابولؤلو امیر المومنینؓ پر قاتلانہ حملہ کر دیتا ہے آپ ان زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے تین دن کے بعد انتقال فرما جاتے ہیں۔

اس غلام کو پکڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ دس بارہ آدمیوں کو زخمی کر دیتا ہے۔ آخر جب ایک شخص اس پر کپڑا پھینک کر اسے پکڑ لیتا ہے تو وہ غلام اسی خنجر سے خودکشی کر لیتا ہے۔ اگر زندہ پکڑا جاتا تو بہت سے رازہائے سربستہ کا انکشاف ہو جاتا۔ قیاس آرائی کی بجائے صحیح واقعات معلوم ہو جاتے کہ اس کا یہ فعل ذاتی رنجش کی بنا پر ہے یا کسی گہری سازش کا نتیجہ ہے .... دو دھارے خنجر کا قبضہ درمیان میں تھا وہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے جب دیکھا تو بے اختیار فرمایا کہ وہ گزشتہ رات ایک راستہ پر جا رہے تھے کہ انہوں نے ہرمزان، جفینہ اور ابولؤلو کو اکٹھے بیٹھے دیکھا تھا، یہ تینوں مجھے (عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ) دیکھ کر کچھ گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور ایک خنجر جلدی میں ان کے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔ جو ابولؤلو نے فوراً اٹھا لیا۔ اس سے پوچھا کہ اس خنجر سے وہ کیا کرتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔ اس سے وہ گوشت کاٹا کرتا ہے۔ یہ سن کر میں (عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ) اپنے راستہ پر ہو لیا اور بات وہیں ختم ہو گئی۔

لیکن اب اس قاتلانہ حملہ کے بعد جب اسی ابولؤلو کے پاس سے خنجر برآمد ہوا جس سے اس نے امیر المومنین پر حملہ کیا تھا تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے فوراً شناخت کر لیا کہ یہ وہی خنجر ہے جو گزشتہ رات ابولؤلو کے ہاتھ میں دیکھا تھا....... اس کے بعد انہوں نے گزشتہ رات کا واقعہ جوں کا توں بیان کر دیا۔ عبیداللہ بن عمرؓ نے ان کا بیان سن کر خیال کیا کہ میرے والد حضرت عمرؓ کا قتل ابولؤلو کی ذاتی رنجش کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ جفینہ اور ہرمزان کی سازش سے ہوا ہے۔ خنجر کی شناخت اور ابولؤلو قاتل کے ساتھ ہرمزان اور جفینہ کے اکٹھے بیٹھنے نے عبیداللہ بن عمرؓ کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا۔ جوشِ انتقام میں تلوار لے کر ہرمزان کو قتل کر دیا پھر جفینہ پر حملہ آور ہوا کہ اتنے میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ہمت کر کے عبیداللہ بن عمرؓ کو پکڑ لیا

اور اس کو پکڑ کر صہیبؓ رومی کے پاس لے گئے۔ انہوں نے قید کرنے کا حکم دیا تاکہ منتخب ہونے والا خلیفہ اس کا فیصلہ کریں۔

امیر المومنین پر قاتلانہ حملہ کے ضمن میں مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں:۔

- ابولؤلو۔ ہرمزان اور جفینہ کا قاتلانہ حملہ کے واقعہ سے ایک رات پہلے سڑک کے کنارے پر اکٹھے بیٹھے ہونا۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا اتفاقیہ طور پر پاس سے گزرنا۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو اچانک دیکھ کر ہر سہ کا اٹھ کھڑے ہونا اور پھر گھبراہٹ کے آثار پائے جانا۔
- اس گھبراہٹ میں دو دھارے خنجر کا ابولؤلو کے ہاتھ سے زمین پر گر جانا۔
- اس دو دھارے خنجر کو زمین سے اٹھالینا۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا خنجر کو دیکھ کر پوچھنا کہ اس سے وہ کیا کرتا ہے؟
- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے سوال کا جواب اس طرح دینا کہ اس خنجر سے وہ گوشت کاٹا کرتا ہے۔
- دوسرے روز ابولؤلو کے ہاتھ سے امیر المومنین کا زخمی ہونا۔
- ابولؤلو کا بارہ اشخاص کو بھاگتے ہوئے زخمی کر جانا۔
- جب ابولؤلو کو پکڑ لیا گیا تو اسی خنجر سے خودکشی کر لینا۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا خنجر کو دیکھ کر فوراً شناخت کر لینا کہ یہ وہی خنجر ہے جس کو انہوں نے گزشتہ رات ابولؤلو کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔
- اس وقت ابولؤلو اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے پاس ہرمزان اور جفینہ بھی ہے۔
- امیر المومنینؓ پر قاتلانہ حملہ ہو جانے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے ذہن میں گزشتہ رات کا واقعہ دفعتاً آ جانا اور خنجر کا شناخت کر لینا۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی بات سن کر عبیداللہ بن عمرؓ کا مشتعل ہونا۔
- عبیداللہ بن عمرؓ کا مشتعل ہو کر ہرمزان کو قتل کر دینا۔
- ہرمزان کے قتل پر عبیداللہ بن عمرؓ کا جوش انتقام ختم نہ ہونا۔
- جفینہ پر بھی حملہ آور ہونا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا بڑی مشکل سے عبید اللہ بن عمرؓ کو پکڑ کر حضرت صہیبؓ رومی کے سپرد کر دینا۔

حضرت صہیبؓ رومی قائم مقام امیر کا عبید اللہ بن عمرؓ کو قید میں رکھنا تاکہ ہونے والا امیر اس کا فیصلہ کرے۔

ایسے خیالات ہیں جو قارئین کرام کے ذہنوں میں شعوری یا لاشعوری طور پر ابھر رہے ہیں۔ پھر اسی پر بات ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ہونے والے خلیفہ کی خلافت کا تعلق بھی اسی مقدمہ کے فیصلہ پر سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کا انہوں نے کس طرح فیصلہ کیا؟ اس کا ذکر تو ان کی خلافت کے سلسلہ میں آئے گا۔ سردست تو واقعہ کی نوعیت کو سمجھنا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابو لؤلؤ، ہرمزان اور جفینہ ہر سہ کے کردار پر قدرے روشنی ڈالی جائے۔

ہرمزان آہواز کا والی تھا۔ یزدجرد شاہ ایران کا خاص منظورِ نظر تھا اور یزدجرد کو اس پر ناز تھا کہ وہ مسلمانوں سے اچھی خاصی ٹکر لے گا۔ لیکن متعدد بار ..... شکست کھانے کے بعد اس نے مجبوراً اپنے آپ کو اس شرط پر پیش کیا کہ یہ سالار اسے امیر المومنینؓ کی خدمت میں پہنچا دے۔ چنانچہ شہر مفتوح ہو گیا اور ہرمزان کو احنف بن قیس کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ امیر المومنینؓ نے ہرمزان سے فرمایا کہ تم نے بار بار عہد شکنی کر کے اپنا انجام دیکھ لیا ہے۔ ہرمزان نے عرض کی پہلے مجھے پانی پلا دیا جائے میں بہت پیاسا ہوں پانی منگوایا گیا۔ ہرمزان نے برتن پانی والا ہاتھ میں لے کر کہا کہ امیر المومنینؓ! مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ پانی پینے سے پہلے ہی مجھے قتل کر دیں گے۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہوگا یہ جواب سُن کر اس نے پیالہ زمین پر دے مارا اور کہا کہ اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے کیونکہ میں نے اس پانی کو نہیں پیا۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ ہرمزان! تو نے مجھے دھوکا دیا ہے، تمہاری امان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت احنفؓ بن قیس اور دوسرے ساتھیوں نے عرض کی کہ آپ اس کو امان دے چکے ہیں۔ پانی پینے کے بعد کارروائی کی جاتی گی۔ اب چونکہ اس نے پانی ہی نہیں پیا اس لیے لامحالہ اس کو امان مل چکی ہے۔ اس تھوڑی سی گفتگو کے بعد اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ امیر المومنینؓ نے ہرمزان کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور دو ہزار درہم سالانہ اس کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا اور وہ مسلمان کی حیثیت سے مدینہ منورہ میں رہنے لگا۔ بعض اوقات ایران کے ملکی معاملات کے بارے میں امیر المومنین ہرمزان سے مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔

بہر حال ہرمزان نے اسلام قبول کیا تاہم وہ اس سے پہلے یزدجرد شاہِ ایران کا منظورِ نظر تھا اور اس

کی ماتحتی کا دم بھرتا تھا۔ امان ملنے پر مدینہ منورہ میں رہنے لگا اور وہ وظیفہ خوار بھی تھا۔ اس کا قتل ایک کلمہ گو کا قتل ہے خواہ وہ مولفۃ القلوب کے زمرہ میں ہی شمار کیوں نہ ہوتا ہو۔

فیروز نامی ایک مجوسی نوجوان تھا، ابولولو اس کی کنیت تھی۔ یہ نوجوان نہاوند کے معرکہ میں ایران جنگ کی صورت میں مدینہ منورہ میں آیا تھا۔ بعد میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے حصہ میں ایک غلام کی حیثیت سے آیا۔

کیا ابولولو نے قتل محض ذاتی رنجش کی بنا پر کیا تھا؟

کسروی اقتدار کا خاتمہ عراق عجم سے قادسیہ کی جنگ (۱۴ھ) کے بعد ہو گیا تھا اگرچہ جلولاء، مدائن اور دیگر مقامات کی فتوحات جنگ قادسیہ کے بعد ہوئی ہیں۔ تاہم ایک حقیقت ہے کہ قادسیہ کے معرکہ میں ایرانیوں کا بے انتہا جانی و مالی نقصان ہوا تھا۔

ابولولو کے الفاظ کہ عربوں نے ایرانیوں کا جگر چبا لیا ہے قابل غور ہیں

معرکہ نہاوند ۲۱ھ میں ہوا جس میں سوا لاکھ سے زائد ایرانی مقتول ہوئے اور بہت سے ایران جنگ کی صورت میں مدینہ منورہ پہنچے۔ نہاوند کے معرکہ کے بعد ایران مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا۔ اگرچہ نہاوند کے معرکہ کے بعد بھی بعض صوبہ جات پر مزید قبضہ ہوتا گیا لیکن معرکہ نہاوند نے یزدجرد شاہ ایران کی طاقت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ یہ تو یزدجرد کی ضد اور ہٹ دھرمی تھی جب کہ اپنے ملک سے بھاگ کر فرغانہ خاقان تاتار کے پاس پہنچا تو وہ ایرانی سرداروں اور عوام کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایران کے کچھ لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت، کینہ، بغض اور عداوت کے جراثیم کثرت سے پیدا ہو گئے ابولولو بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھا جس کو بنظر غائر دیکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کو مسلمانوں کے خلاف بے انتہا نفرت تھی۔ وہ ایرانی نژاد بچوں کو دیکھتا تو کہہ اٹھتا کہ عربوں نے ایرانیوں کا جگر چبا لیا ہے...... اس نفرت کا نتیجہ تھا کہ اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا جس نے تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا....

حق مالکی کی زیادتی کی شکایت امیر المومنینؓ کے پاس لے جانا اور پھر امیر المومنین کے فیصلہ پر ناک بھوں چڑھا کر چلے آنا۔ دوبارہ ملاقات کے موقعہ پر امیر المومنین کی فرمائش کے جواب میں اشارۃً قتل کی

دھمکی دے کے چل دینا ایسے صریح نشان ہیں جو بتا رہے ہیں کہ وہ قومی عصبیت کے تحت۔۔۔۔ امیرالمومنین کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ورنہ ذاتی رنجش ایک معمولی سی بات پر اس قدر شدید نہیں ہو سکتی جو اس کو اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور کرے۔ پھر اس شدید غصہ کی زد براہ راست امیرالمومنین پر نہیں پڑتی، بلکہ اس رنجش کا زیادہ تعلق اپنے مالک حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے ہے۔ اس کے سامنے تو ایک یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ عربوں نے ایرانیوں کا جگر چبا لیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس عصبیت کے جذبہ کو تسکین دینے کے لیے اس نے امیرالمومنین کے قتل کو ضروری سمجھا اس لیے کہ وہ سمجھے بیٹھا تھا کہ امیرالمومنین کے وجود سے ایرانی شہنشاہیت کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔ اس وجود کو درمیان سے ہٹانے کے لیے اس نے انتہائی خطرناک قدم اٹھایا۔ ویسے اس خیال کا اظہار اس نے دو روز پہلے ہی کر دیا تھا کہ امیرالمومنینؓ کے لیے ایسی ہوائی چکی بنا کر دوں گا جس کی شہرت مشرق اور مغرب سب جگہ ہو جاوے گی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب امیرالمومنینؓ نے ابولؤلو کے لفظوں کو صریحاً دھمکی سمجھا تو اس کا تدارک کیوں نہ کیا گیا اور اس فتنہ کو وقت سے پہلے ہی کیوں نہ دفن کر دیا۔ اس کا جواب تو یہی ہے کہ امیرالمومنینؓ نے حالت بسمل میں فرمایا تھا کَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَقْدُوْرًا جو کبھی نہیں ٹل سکتا لیکن اسباب کے تحت ہر سہ خلفائے راشدینؓ جو شہید ہوئے ہیں ان کی زندگیاں اس بات کا بین ثبوت پیش کر رہی ہیں کہ وہ دنیا کے حکمرانوں کی طرح سے نہیں تھے جو اپنی جان کی حفاظت کے لیے پہرہ داروں کے جھمگٹ میں حرکت کرتے ہوں جن کی راتیں بھی جان کے خوف کی وجہ سے سکون سے بسر نہ ہوتی ہوں۔ یہ ۔۔۔۔۔۔ خلفائے راشدین ہیں جن کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، سونا اور جاگنا اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں ہوا کرتا تھا، انہیں اپنی جان کی حفاظت کے بجائے عوام کے جان و مال کی حفاظت کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ خطرہ کو سامنے دیکھتے ہوئے معاملہ خداوند تعالیٰ کے سپرد کر دیتے اور ارتکاب جرم سے پہلے انہوں نے کسی مشتبہ آدمی کو بھی اپنی جان کی خاطر ماخوذ نہیں کیا۔

امیرالمومنین حضرت عثمان غنیؓ نے پوری قدرت رکھنے کے باوجود آخر دم تک محاصرین اور شر پسندوں کا قلع قمع کرنے کے لیے قدم نہیں اٹھایا۔ دوست اور احباب آکر ملتجی ہوتے ہیں کہ ان شر پسندوں کو کچلنے کی اجازت دی جائے جو آپ کے خون کے پیاسے نظر آتے ہیں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جس کی وجہ سے دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خونریزی ہو۔ اس طرح انہوں نے اپنے سبھی غلاموں کو بھی آزاد کر دیا اور حکم کہا کہ جو میری حفاظت کی خاطر خونریزی کرے گا۔ قیامت کے دن میں اس سے باز پرس کروں گا۔ آئندہ صفحات میں ان تمام عوامل اور اسباب کی بحث آئے گی (ان شاء اللہ العزیز)

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عبدالرحمٰن بن ملجم کے ارادہ کا علم ہو چکا تھا اور انہیں اپنی شہادت کا بھی یقین ہو چکا تھا۔ ایک بار منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ یہ داڑھی (اپنی داڑھی کو پکڑ کر کہنے لگے) عنقریب خون سے رنگین ہو جاوے گی۔ دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ ظالم! تو نے اتنی دیر کیوں لگا دی۔

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو پورے طور پر علم ہو چکا تھا کہ خوارج نہرواں کے مقام پر قتل ہو چکے ہیں اور ان کے ورثا کوفہ میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کی جانب سے رہائش پران (حضرت علیؓ) کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ ان بدیہی حالات کے باوجود اپنی جان کی حفاظت کے سلسلہ میں کوئی قدم نہیں اٹھایا اس لیے کہ ارتکاب جرم سے پہلے کسی آدمی کو کیوں پکڑا جائے۔ ایسی ہی خلافت کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے جن کے عہد خلافت میں عوام ہر طرح سے آرام و سکون سے زندگی بسر کریں اور خلفائے راشدینؓ اپنی جانوں کو جوکھوں میں ڈال کر عوام کی بہتری کی خاطر کوشش کرتے رہیں نہ کوئی پہرہ دار ہوا اور نہ ہی پہرہ کی ضرورت سمجھی جائے بلکہ وہ عوام کے جان و مال کی حفاظت کی خاطر خود راتوں کو پہرہ دے رہے ہوں۔ حقیقت میں ایسی ہی حکومتیں خلافت راشدہ کہلاتی ہیں جو منہاج نبوت پر قائم ہوں۔ دنیا کے حکمرانوں کو ان سے کیا نسبت

؎ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

اب اصل واقعہ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ابولؤلؤ نے امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کو کسی ذاتی رنجش کی بنا پر قتل نہیں کیا بلکہ قومی عصبیت کی بنا پر ان پر قاتلانہ حملہ کیا تھا تاکہ اپنی قوم کا انتقام لیا جائے۔ اگر وقتی اور ذاتی رنجش کو سمجھا جائے تو اس قاتل کا غصہ اپنے مالک پر ہو سکتا ہے جس کی شکایت امیرالمومنینؓ کے پاس جا کر کی تھی اور امیرالمومنینؓ نے اس کی سمجھ کے مطابق اس کی شکایت کا ازالہ نہیں کیا تو وہ شدید قسم کے غصہ کا اظہار اپنے مالک پر کر سکتا تھا جس پر ایسا کرنے میں اسے کوئی طاقت روک نہیں سکتی تھی وہ تو اپنے مالک کا غلام تھا، اور ہر وقت کا اٹھنا بیٹھنا ان کے ساتھ تھا۔ اس کا امیرالمومنینؓ کے پاس خطرناک ارادہ کے ساتھ پہنچنا ہی کار سے وارد تھا اسی لیے اس نے اپنے خطرناک ارادہ کی تکمیل کے لیے علی الصبح کا وقت نکالا اور وہ بھی مسجد کے کونہ میں چھپ کر اس وقت وار کیا جب کہ امام (امیرالمومنینؓ) اور مقتدی تکبیر تحریمہ کہہ کر خدا کے حضور میں کھڑے ہو گئے تھے اور دنیوی علائق سے اس وقت منہ موڑ چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز بدستور قائم رہی۔ تڑپنے والا خنجر کے گھاؤ کھا کر بسمل کی طرح تڑپتا رہا اور مقتدی اور نئے امام حسب سابق تسبیح و تحمید میں مصروف رہے۔ صرف فرق اتنا ہوا کہ لمبی لمبی سورتوں کے بجائے دو چھوٹی چھوٹی سورتوں سے نماز پڑھائی گئی وہ بھی اس لیے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پہلے مقتدی تھے۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر امام کے مصلیٰ پر کھڑا

کردیا گیا تو وہ سمجھے کہ اصل امام کے ساتھ کوئی غیر معمولی حادثہ رونما ہو گیا ہے۔ اس قاتل کو پکڑنے والے وہ نمازی تھے جو نماز میں شریک ہونے کے لیے وضو کر رہے تھے۔

ان حالات کے تحت یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ قاتل کا مقصود اور مطمع نظر امیرالمومنین کا قتل تھا خواہ جان جوکھم کا ہی کام کیوں نہ ہو......

اگر حق مالکی کی زیادتی کا رنج ہوتا تو یقیناً سب سے پہلے اپنے مالک پر شدید غصہ کا اظہار ہوتا بعد میں دوسرا قدم اٹھاتا جہاں اسے ایسا کرنے میں اتنے بڑے مصائب سے گزرنا نہ پڑتا۔ پھر ہوائی چکی والی بات میں اس کے الفاظ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ امیرالمومنینؓ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے اور ایسا کرنے میں وہ اہل مشرق اور اہل مغرب کو بتا دے گا کہ اس نے کتنا بڑا خطرناک کام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیرالمومنین نے اس کے الفاظ سنتے ہی فوراً فرمایا کہ یہ نوجوان مجھے قتل کی دھمکی دے کر جا رہا ہے پھر یہ بھی تو قابل غور بات ہے کہ شکایت کرنے کے چند روز بعد ابولؤلؤ برسر راہ امیرالمومنین کو مل جاتا ہے آپ اسکو خود بلا لیتے ہیں اس خیال سے کہ شاید نوجوان کو میرے اس روز کے الفاظ سے صدمہ ہوا ہو۔ نرمی سے اس کے فن کی تعریف کرتے ہوئے فرمائش کرتے ہیں کہ انہیں بھی ایک ہوائی چکی بنا دے حقیقت میں یہ بھی ابولؤلؤ کے دل سے رنج دور کرنے کا ایک نفسیاتی طریق تھا......

اس بات کو تسلیم کرنے میں کسی کو انکار نہیں ہے کہ امیرالمومنینؓ کا وجود مجوسیوں کے نزدیک اپنے کسریٰ سے بہت بڑا ہے کیونکہ وہ انہیں شہنشاہوں سے شہنشاہ تصور کرتے ہیں اور ان کے دبدبہ سے لرزاں ہیں۔ اس لیے امیرالمومنینؓ ایک ایرانی نژاد غیر مسلم غلام کو خود برسر راہ بلائیں اور اس کے فن کی تعریف کرتے ہوئے کسی چیز کے بنوانے کی فرمائش کریں صرف اس لیے کہ اس طرح غلام کی عزت افزائی ہو جا دے گی۔ ورنہ مجوسی اور کسروی تصورات کے تحت ایک بہت بڑے شہنشاہ اور ایک ادنیٰ غلام کا ہم کلام ہونا ہی سمجھ سے بالاتر ہے۔ پھر ہم کلامی میں سبقت کرنے والا بھی شہنشاہ ہو اور بات کا آغاز بھی اس غلام کے فن کی تعریف میں ہو اور اپنی فرمائش بھی اس فن کے تحت ہو اور اس کے فن سے باہر کسی اور چیز کے بارے میں نہ ہو۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ اس غلام نے کتنا بے باکانہ جواب دیا جس میں صریحاً قتل کی دھمکی تھی.........

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے جب خنجر رات کے وقت ابولؤلؤ کے ہاتھ میں دیکھا تو وہ دو دھارا تھا اور اس کے درمیان میں قبضہ تھا۔ جب ابولؤلؤ سے پوچھا کہ اس سے کیا کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس سے گوشت کاٹا کرتے ہیں...... دنیا کا کوئی ایسا حصہ ہے جہاں گوشت کو دو دھارے

خنجر سے کاٹا جاتا ہو اور اس خنجر کے درمیان میں قبضہ ہو......

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اس خنجر کو اس وقت دیکھ کر خیالات کو دُور تک تو نہ لے گئے ہوں گے اس لیے کہ ان کی نظر میں تینوں کا ایک جگہ بیٹھنا اور خنجر کا ہاتھ سے گر جانا اور پھر اسے اٹھا لینا سب اتفاقی باتیں تھیں جو ذہن کو کسی اور طرف نہیں لے جا رہی تھیں......

البتہ اگلے روز جب ابولؤلو نے اسی خنجر سے امیر المومنینؓ پر حملہ کیا۔ اور بعد میں مایوس ہو کر خودکشی کر لی تاکہ راز ہائے سربستہ ظاہر نہ ہوں۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو گزشتہ رات کا واقعہ سنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ ایسے عوامل ہیں جو اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ امیر المومنینؓ کے قتل کرنے میں قاتل کے قومی عصبیت کے جذبہ کی تسکین کا پہلو نمایاں ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ حصہ ذاتی رنجش کا بھی ہو۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو قاتل کے اس فعلِ شنیع میں قومی عصبیت کا حصہ غالب ہے...

جفینہ کون تھا؟

جفینہ ایک عیسائی تھا جو حیرہ کی جنگ میں پکڑا ہوا آیا تھا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس غلام کی حیثیت سے دن گزارتا تھا اور اس کی بیوی نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بچہ کو دودھ بھی پلایا تھا رضاعت کی وجہ سے بھی اس کا تعلق حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے مستحکم ہو گیا تھا۔ وہ مسلمان نہیں ہے بلکہ عیسائی ہے اور بحیثیت غلام وہ مدینہ منورہ میں دن گزار رہا تھا...... ابولؤلو سے اس کا ملنا جلنا عجمی نژاد کی وجہ سے تھا۔ حیرہ کی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایرانیوں کو بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوا تھا۔

قومی اور ملکی نقصان نے اس کی رگِ عصبیت کو اور تیز کر دیا تھا، جس بنا پر ابولؤلو ایسے گستاخ، بدکردار اور جان پر کھیل جانے والے نابہنجار نوجوان سے دوستی اور مراسم پیدا کیے ہوں گے۔ ان کی دوستی کا ثبوت اس طرح واضح طور پر مل جاتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے اچانک پہنچ جانے سے جفینہ اور اس کے ساتھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور دودھارا خنجر ابولؤلو کے ہاتھ سے گھبراہٹ میں گر جاتا ہے۔ اگر اس سازش میں جفینہ کو شامل نہ بھی سمجھا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اس کو کھڑے ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور اگر تعظیماً کھڑا بھی ہو گیا تھا تو خنجر کے بارے میں ابولؤلو کے جواب کے بعد سکوت اختیار نہ کرتا فوراً بتلا دیتا کہ اس خنجر سے جانوروں کا گوشت نہیں کاٹا جاتا بلکہ اس سے اور کام لیا جاتا ہے۔

ابولؤلو اور جفینہ غیر مسلم ہیں۔ اول الذکر مجوسی اور ثانی الذکر عیسائی ہیں لیکن دونوں کا تعلق کسریٰ کی حکومت سے ہے جس کو امیر المومنینؓ کے دورِ خلافت میں تباہی اور بربادی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

رہا ہرمزان کا مسئلہ . . . . یہ کلمہ گو تھا اور امیرالمومنین اس پر اعتماد فرماتے تھے۔ اس سے امیرالمومنینؓ نے اصفہان، آذربائیجان اور فارس کے علاقہ جات کے بارے میں مشورہ بھی لیا تھا اور اس کے مشورہ کے مطابق اس پر امیرالمومنینؓ نے عمل بھی کیا تھا۔ اس لیے ہرمزان کے بارے میں خیال کرنا کہ وہ بھی اس قتل میں شریک تھا کہاں تک درست ہے؟ جہاں تک اس کے اسلام لانے سے پہلے کا کردار ہمارے سامنے ہے وہ تو اس بات کی عکاسی کر رہا ہے کہ وہ اسلام کا خیر خواہ نہیں تھا۔ اسلام لانے کے بعد حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اسلام تمام پچھلے گناہوں کو مٹا دیا کرتا ہے اس کے اسلام پر شک نہیں کیا جاسکتا لیکن غور طلب امور یہ ہیں :-

- ابولؤلو، جفینہ اور ہرمزان تینوں بیٹھے سرگوشیاں کرتے پائے گئے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ان کے پاس سے گزرے۔
- تینوں میں سے دو ابھی تک غیر مسلم ہیں اور غلام کی حیثیت سے دن گزار رہے ہیں۔ ہرمزان معزز شہری مسلمان کے طور پر مدینہ منورہ میں اقامت گزیں ہے۔
- ان تینوں میں سے ابولؤلو کے ہاتھ سے اس نشست میں ایک دو دھارا خنجر گھبراہٹ میں فرش پر گر جاتا ہے۔
- ابولؤلو اس خنجر کو اٹھا لیتا ہے۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اس خنجر کو دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ یہ خنجر کس غرض کے لیے ہے تو ابولؤلو جواب دیتا ہے کہ یہ گوشت کاٹنے کے لیے ہے۔
- بات یہیں ختم ہو جاتی ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اپنے راستہ پر ہو لیتے ہیں۔
- دوسرے روز امیرالمومنینؓ پر ابولؤلو قاتلانہ حملہ کر دیتا ہے اور پکڑے جانے پر خودکشی کر لیتا ہے۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اس تمام واقعہ کے راوی ہیں۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اس قاتلانہ حملہ اور غلام کے خودکشی کرنے کے بعد اس خنجر کی شناخت کرتے ہیں کہ یہ وہی خنجر ہے جو انہوں نے دو روز پہلے ابولؤلو قاتل کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔
- کیا ایک شخص کی شہادت قابل قبول ہو سکتی ہے؟

کیا اس قتل کی سازش کا علم ہرمزان اور جفینہ کو تھا

مندرجہ بالا تمام شقوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ابولؤلو غلام نے قتل کرنے کا ارادہ پختہ کر رکھا تھا جو اس نے مکمل کر دکھایا۔ ہرمزان اور جفینہ بھی کم از کم اس کے ارادے سے واقف تھے۔ جفینہ سے تو توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ اس اہم اور خطرناک منصوبہ کا افشاء کرے اس لیے کہ وہ غیر مسلم تھا اور تحت الشعور میں اس کے دل میں بھی یہی جذبہ کارفرما ہو کہ عربوں نے ایرانیوں کا جگر چبا لیا ہے لیکن ہرمزان تو مسلمان تھا اور تمام مسلمانوں والی اسے مراعات مل رہی تھیں وہ وظیفہ خوار بھی تھا۔ اگر وہ اس قتل کے منصوبہ کا اظہار امیرالمومنین کے پاس کر دیتا تو پوزیشن صاف ہو جاتی .... ہاں ہرمزان کی بریت اس طور پر بھی ہے کہ وہ ابولؤلو کو سمجھا ہی رہا ہو کہ وہ ایسی حرکت سے باز آجائے ...

اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیا جائے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے ہرمزان اور جفینہ کا نام ان کو ملوث کرنے کے لیے شامل کر لیا ہے۔ یہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے منافی ہے۔ پھر عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو وہ ہیں جو جنگِ بدر میں قریش کی طرف مسلمانوں کے مقابل میں لڑنے کے لیے آئے تھے (اس وقت وہ مسلمان نہ تھے) البتہ مسلمان ہونے کے بعد انہیں مقتدر صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کے لڑکے محمد بن عبدالرحمٰنؓ بھی صحابی ہیں جو صدیقی خاندان کو چار پشت تک صحابیت کے شرف سے سرفراز کر کے جملہ اصحاب میں امتیازی صورت پیدا کرنے والے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ جلیل القدر صحابی ہیں

ان کی ثقاہت میں کوئی کمی نہیں ہے

- محمد بن عبدالرحمٰن
- عبدالرحمٰن بن ابی بکر
- ابو بکر بن ابو قحافہ
- ابو قحافہ بن عثمانؓ

} رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

بہر حال حضرت عبدالرحمٰن ابی بکرؓ کی ثقاہت میں کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر یہ بات بھی سوچنے کے قابل ہے کہ نہ واقعہ قتل سے پہلے اور نہ بعد حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کو ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی

تھی۔ جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے وہ توان کا آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا واقعہ ہے ان کے بیان میں کسی قسم کا سقم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بات کو سن کر عبید اللہ بن عمرؓ نے ہرمزان اور جفینہ سے اپنے محترم والد صاحب (حضرت عمرؓ) کے انتقام لینے کی کوشش کی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؓ پر قاتلانہ حملہ قومی عصبیت کے تحت ہوا ہے

اس واقعہ قتل کے تجزیہ کرنے کی ضرورت صرف اس لیے ہوئی ہے کہ ابولؤلو نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو محض ذاتی اور وقتی رنجش کی بنا پر قتل نہیں کیا بلکہ قومی عصبیت کے تحت قتل کیا۔ مابعد کے آنے والے ہر دو خلفاء کے دور خلافت میں یہ قومی عصبیت ایک فرد کی عصبیت نہیں رہی بلکہ اجتماعی صورت اختیار کر گئی ہے جس کا تعلق صرف اتنا ہی نہیں رہا کہ خلیفہ وقت کو شہید کر دیا جائے اور بس۔ بلکہ عالم اسلام کے عقائد و اعمال میں بھی فتور پیدا کر دیا جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حفاظت اور تمکین کا وعدہ فرمایا ہے کہ وہ خلفائے راشدین کے وجود سے تمکین دین کی دولت سے مسلمانوں کو نوازے گا۔ بدیں وجہ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی جانیں پیش کر دیں لیکن دین حقہ میں رخنہ پیدا ہونے نہیں دیا۔

ان تمام امور کی بحث اپنی اپنی جگہ پر انشاء اللہ العزیز آوے گی

ازواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے قبل از اسلام زینب بنت مظعون سے نکاح کیا انہوں نے اسلام بھی قبول کیا۔ ان کے بطن سے حضرت عبداللہ، حضرت عبدالرحمن اور حضرت حفصہؓ پیدا ہوئیں حضرت حفصہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔

دوسری شادی قریبہ بنت ابی امیہ سے ہوئی اس نے اسلام قبول نہیں کیا لہذا اس کو طلاق دے دی گئی۔

تیسری شادی ملیکہ بنت جرول خزاعی سے کی۔ اس کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے طلاق دے دی

ان کے بطن سے عبیداللہ پیدا ہوئے۔

چوتھی شادی ۶ھ میں مدینہ منورہ میں جمیلہ بنت عاصم بن ثابت انصاری سے کی جن کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔

پانچویں شادی حضرت ام کلثومؓ بنت حضرت علیؓ سے ۱۷ھ میں ہوئی۔ ان سے زید اور رقیہ پیدا ہوئیں۔ (طبری نے تاریخ کبیر اور ابن اثیر نے کامل میں بیان کیا ہے۔ شبلی نعمانی نے الفاروق میں اس امر کی تصریح کی ہے)

حضرت عمر فاروقؓ کی طبیعت میں شروع سے ہی بہت سختی تھی اور یہ سختی ان کو ورثہ میں ملی تھی۔ اسلام لانے کے ساتھ اس نے دوسرا رخ اختیار کیا یعنی اسلام کے مخالفین سے اسلام قبول کرتے ہی جنگ و جدال کیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے ذاتی خصائل

مسلمان چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کلمہ تشہد پڑھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، جب ہم حق پر ہیں تو پھر چھپ کر نماز کیوں ادا کریں؟....... چنانچہ ارقمؓ صحابی کے مکان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ صحابہ کرامؓ کو خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے کے لیے لاتے۔ اس واقعہ سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں اکثر نماز پڑھا کرتے اور وہیں صحابہ کرامؓ کو تبلیغ بھی فرمایا کرتے۔ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دو گروہوں میں دار ارقمؓ سے خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے کے لیے آئے۔ ایک گروہ کی قیادت حضرت حمزہؓ کر رہے تھے اور دوسرا گروہ حضرت عمرؓ کی قیادت میں آ رہا تھا۔ کفار مکہ نے مخالفت کی۔ آخر بہت زیادہ قیل و قال اور جنگ و جدال کے بعد مسلمانوں کو حوصلہ ہو گیا کہ وہ خانہ کعبہ میں نماز ادا کریں۔

جلوت و خلوت کی مجالس میں حضرت عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم اور مشیر کی حیثیت سے نظر آتے ہیں

ہجرت کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے بہت بڑی جوانمردی دکھائی اور سب کفار کو چیلنج کیا کہ جو اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ بنانا چاہتا ہے وہ میرا مقابلہ کھلے میدان میں آ کر کرے۔ کسی کو لب کشائی کی

کی جرأت نہ ہوئی آخر حضرت عمرؓ نے کھلے بندوں ہجرت کی اور ان کے ساتھ تیس صحابہؓ نے ہجرت کی۔

مدینہ منورہ پہنچ کر بھی شانِ فاروقی نمایاں ہے۔ میدانِ جنگ ہو یا مجلسِ شوریٰ، سیاسی معاملات ہوں یا فقہی مسائل، اسلامی وفود کا تذکرہ ہو یا امہات المومنین کے نجی معاملات ہر مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم اور مشیر کی حیثیت سے حضرت عمر فاروقؓ نظر آتے ہیں اور پھر جانثاری میں بھی بحر۔ حضرت صدیق اکبرؓ سب صحابہؓ پر فوقیت لے جاتے ہیں۔ ایسے بے شمار خصائل تھے جن کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ گئے۔ میں اور ابوبکر و عمر نے یہ کام کیا۔ میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے۔ . . . ."

اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان ہر دو پر اعتماد کا یہ عالم ہے کہ ان کی عدم موجودگی میں بھی محیر العقول بات بیان کر کے فرماتے ہیں کہ "اس پر میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ گواہ ہیں۔ . . . ."

ایسا کیوں نہ ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب کو اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لیا ہے تاکہ ان کی وجہ سے دین کو تقویت ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ کی طبیعت میں

سختی اور نرمی کا امتزاج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے حضرت عمرؓ کی طبیعت میں پختگی اور عزم عالیشان کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لیے دلسوزی، محبت اور شفقت کے جذبات کو تیز تر کر دیا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی سہ دو سالہ رفاقت نے قومی، ملکی اور سیاسی شعور میں مزید پختگی کر دی۔ ان کی سختی نرمی میں تبدیل ہو گئی۔ جس وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کی جانشینی کی تجویز صائب الرائے اصحاب کے سامنے رکھی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے الفاظ سننے والے ہیں۔ انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت عمرؓ میں سب خوبیاں ہیں لیکن طبیعت میں سختی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا جواب بھی قابلِ غور ہے کہ ان میں سختی اس وقت تک کہ میں نرم ہوں۔ میں نے انہیں خوب دیکھا ہے کہ جس معاملہ میں میں سخت ہوتا ہوں وہ نرم ہوتے ہیں اور جہاں میں نرم ہوتا ہوں وہ سخت ہو جاتے ہیں۔ ذمہ داری خود بخود ان کو نرم کر دے گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے کہ ذمہ داریوں نے کس قدر نرم کر دیا ہے کہ رات کی تاریکی میں پہرہ دے رہے ہیں تاکہ تھکے ماندے قافلہ والے آرام سے رات گزار سکیں۔ اپنی ذمہ داری اور طبیعت کی سختی کا انہیں خود بھی خیال تھا۔

حضرت عمرؓ کا پہلا خطبہ

مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی جو ابتدائی جملے فرمائے ہیں وہ یہی ہیں کہ "رب العالمین! میں سخت ہوں مجھے نرم کر، میں کمزور ہوں مجھے قوت عطا کر" پھر عوام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "عرب کی مثال سرکش اونٹ کی طرح سے ہے جس کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا"۔ یہ جذبات تھے جن کا اظہار انہوں نے اپنی پہلی تقریر میں فرمایا۔

اس تقریر کے دو اہم حصے ہیں۔ ایک اہم حصہ میں وہ اپنی کمزوری اور طبیعت کی سختی کا اعتراف کرتے ہوئے دُعا کرتے ہیں کہ اے رب العالمین! میری سختی کو نرمی اور میری کمزوری کو طاقت میں بدل دے دوسرے حصہ میں عرب کے آزاد فضا میں تربیت پانے والے لوگوں کی جبلی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ قوانین کی پابندی سے اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں اس لیے حضرت عمرؓ نے اپنے عزم کا اظہار فرمایا ہے کہ چونکہ وہ ان کا امیر مقرر ہوا ہے لہذا وہ ان کو سیدھے اور صحیح راستہ پر گامزن کر کے دم لے گا۔

حضرت عمرؓ میں احساس ذمہ داری

حضرت عمرؓ کی نرمی اور احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ رات بھر خیموں کا پہرہ دے رہے ہیں اور اسی احساس کی بدولت وہ شہر سے دور نکل جاتے ہیں اور چھپ چھپا کر لوگوں کے حالات معلوم کرتے ہیں تاکہ صحیح واقعات کا اندازہ ہو سکے کہ وہ لوگ جو شرم و حیا کی وجہ سے خلیفہ تک نہیں پہنچ سکتے انہیں مقررہ وظیفہ بھی ملتا ہے یا نہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ امیر المومنینؓ رات کو گشت کر رہے ہیں کہ ایک خیمہ سے بچوں کے رونے کی آواز آرہی ہے۔ آپ مجبور ہو کر دستک دیتے ہیں (کیونکہ رونے کی آواز بڑھتی ہی جا رہی تھی) ایک عورت خیمہ سے باہر نکلتی ہے آپ پوچھتے ہیں کہ اماں جان! بچے کیوں رو رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ بچے بھوکے ہیں، کھانے کو مانگتے ہیں۔ اتنے میں آپ ہنڈیا کو چولہے پر دیکھ پاتے ہیں جس کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہنڈیا میں جو پک رہا ہے وہ انہیں کھلا کیوں نہیں دیتی؟ عورت نہایت افسردگی سے کہتی ہے کہ ہنڈیا میں تو کچھ نہیں۔ صرف پانی میں چند سنگریزے ڈال رکھے ہیں اور نیچے آگ جلا رکھی ہے تاکہ بچوں کو تسکین ہو جائے کہ کچھ پک رہا ہے اور پھر روتے روتے وہ سو جائیں گے۔ امیر المومنینؓ نے سُن کر فرمایا کہ اماں! ان کو سونے نہ دینا میں ابھی آتا ہوں دوڑے

ہوئے بیت المال میں پہنچے۔ آٹے کی بوری کندھے پر رکھے اور گھی کا ٹین ہاتھ میں پکڑے ہوئے اس خیمہ کی طرف بھاگے آ رہے ہیں۔ راستہ میں غلام بار بار اصرار کر رہا ہے کہ یہ بوجھ میں اٹھالیتا ہوں لیکن امیر المومنینؓ فرماتے ہیں کہ آج دنیا میں تو یہ بوجھ تو اٹھالے گا مگر کل قیامت کے روز میرے بوجھ کو کون اٹھائے گا؟ جب کہ واضح ارشاد ہے کُلُّ وَازِرَةٍ وِزْرَ اُخْرٰی اسی طرح ہانپتے کانپتے اس خیمہ میں پہنچے آگ خود جلائی ،حلوہ بناکر بچوں کو کھلایا۔ جب کھلا چکے تو پوچھنے لگے کہ اماں! اب تم عمر سے خوش ہوگئی ہو؟ . . . . . . اس عورت نے جواب دیا کہ تم سے خوش ہوں خدا تم کو خلیفہ بنا دے۔ فرمانے لگے کہ تم نے اپنی حالت امیر المومنین کے پاس جاکر کیوں بیان نہیں کی؟ جواب میں کہا کہ "یہ امیر المومنین کا فرض ہے کہ وہ خود دیکھے کہ اس کی مملکت میں کون بھوکا سو رہا ہے"۔ اس گفتگو کے بعد امیر المومنینؓ چلے جاتے ہیں اور صبح کو اس کا روزینہ مقرر فرما دیتے ہیں۔

بچے کا روزینہ پیدائش کے روز سے ہی مقرر کر دیا گیا

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو بتا رہے ہیں کہ حضرت عمرؓ میں جذبہ ہمدردی اس قدر بیدار ہو چکا تھا کہ ایک خیمہ سے بچے کے رونے کی آواز سنتے ہیں، اس کی ماں سے پوچھتے ہیں کہ بچے کو کیوں رونے دیا جاتا ہے، اس کو دودھ کیوں نہیں پلاتی؟ عرض کرتی ہے کہ بچے کا دودھ چھڑوا دیا ہے کیونکہ اس بچے کا روزینہ خلافت کی طرف سے اس وقت تک مقرر ہوگا جب تک بچہ دودھ پینا نہ چھوڑ دے۔ یہ سُن کر آپ کانپ اٹھے کہ نامعلوم کتنے بچوں کے دودھ چھڑوانے کی ذمہ داری عمرؓ پر عائد ہوتی ہے دوسرے دن حکم نامہ جاری کر دیا کہ بچے کی پیدائش کے روز سے ہی اس کا روزینہ مقرر کر دیا جائے۔

ایک رات ایک خیمہ کے پاس سے گزرتے ہیں کہ ایک اعرابی پریشان حال بیٹھا ہے۔ دریافت کرتے ہیں کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے کوئی اڑوس پڑوس میں امداد کے لیے نہیں ہے۔ آپ اسی وقت گھر جاتے ہیں اور رات کی تاریکی میں اپنی زوجہ محترمہ کو لے کر اس اعرابی کے خیمہ تک پہنچتے ہیں۔ زوجہ محترمہ کو اندر بھیج دیتے ہیں اور خود اس اعرابی کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کی زوجہ محترمہ کہتی ہیں کہ امیر المومنینؓ! اپنے بھائی کو مبارک باد دو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لڑکا عطا کیا ہے۔ "امیر المومنین" کا لفظ سُن کر اعرابی چونک پڑتا ہے اور بہت شرمندہ ہوتا ہے۔ آپ اپنی زوجہ محترمہ کو تھوڑی دیر کے بعد ہمراہ لے کر چلے آتے ہیں اور اعرابی کو کہتے ہیں کہ صبح میرے پاس آنا بچے کا روزینہ مقرر کیا جائے گا۔

سینکڑوں ایسی مثالیں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ امیر المومنین رضؓ نے کس حد تک انسانیت کی خدمت کرنا اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ قحط سالی کے زمانہ میں آپ کی ہمدردی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ آپ نے گیہوں کی روٹی اور گھی کا استعمال ترک کر دیا تھا اور صرف زیتون اور جو کی روٹی پر ہی گزر اوقات کرتے تھے اگرچہ یہ زیتون ان کو موافق نہ آتا تھا۔

قحط سالی کے موقعہ پر امیر المومنینؓ کا دستور العمل

یہ سختی اور محاسبہ اپنی ذات پر ہی نہ تھا بلکہ اہل وعیال پر بھی اس طرح محاسبہ فرمائے۔ ایک روز ایک گورنر نے آپ کے دسترخوان کو دیکھ کر فرمایا کہ اتنی سختی اپنے اوپر نہ فرمایئے۔ ہر شخص کو باقاعدہ کھانا مل رہا ہے۔ آپ اس گورنر سے پوچھتے ہیں کہ کیا میری مملکت کے ہر فرد کو پیٹ بھر کر کھانا مل جاتا ہے؟ وہ گورنر کہنے لگا کہ ہر فرد کے بارے میں تو صحیح طور پر بتایا نہیں جا سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جب تک سب کو پیٹ بھر کا کھانا نہیں ملے گا عمر کی یہی حالت رہے گی۔ جب آٹھ نو ماہ کے بعد قحط سالی دور ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اپنے سابقہ معمول کے مطابق کھانا پینا شروع کر دیا پھر کمال یہ ہے کہ قحط سالی کے دوران فاروقی دسترخوان پر بیٹھ کر امیر المومنینؓ بھی تمام لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ کسی قسم کی کوئی تمیز نہ ہوتی کہ امیر المومنین کون ہیں۔۔۔؟

امیر المومنینؓ کا طاعون عمواس

کے موقعہ پر مناسب ہدایات دینا

اسی طرح طاعون عمواس کے موقعہ پر امیر المومنین ملک شام میں امداد کی غرض سے روانہ ہوئے، راستہ میں ایک مقام پر آ کر رک گئے بعض صحابہ کرامؓ نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا اس لیے کہ اگلا تمام علاقہ طاعون کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پیش کیا کہ جب تم کسی جگہ طاعون پھیلی ہوئی دیکھو تو وہاں نہ جاؤ اور اگر کسی شہر میں یہ وبا پھوٹ پڑے تو اس شہر سے باہر نہ نکلو۔ اس حدیث شریف کو سن کر آپ نے واپسی اختیار کی اور ساتھ ہی مناسب ہدایات بھیجا دیں کہ لشکریوں کو کھلی پر فضا جگہ میں منتقل کر دیا جائے۔

امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کا روز و شب کا دستور العمل

بہرحال امیرالمومنین عمرفاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت سراپا رحمت ہے۔ ان کے روز مرہ کا پروگرام" اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسکندریہ کی فتح کی خوشخبری لانے والے قاصد کو واضح الفاظ میں فرمایا کہ تمہیں میرے آرام کا خیال نہیں کرنا چاہیے بلکہ فوراً بلاتاخیر میرے پاس پہنچ جانا چاہیے تھا اس لیے کہ اگر میں دن کو آرام کروں تو عوام کا نقصان ہے اور اگر میں رات کو آرام کروں تو میرا اپنا نقصان ہے اسی پروگرام کے تحت ان کا ساڑھے دس سالہ خلافت کا زمانہ گزرا ہے جو انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے جامع الفاظ کا پھر اعادہ کر دیتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا فتح اسلام ہے ان کی ہجرت اسلام کی نصرت ہے اور ان کا دورِ خلافت سراپا رحمت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لباس

لباس کا یہ عالم تھا کہ جس وقت بیت المقدس پہنچتے ہیں تو جسم مبارک پر جو کپڑا تھا اس میں کئی جگہ پیوند لگے ہوئے تھے اور جب ان کو لباس تبدیل کرنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہماری عزت لباس سے نہیں ہے بلکہ ہماری عزت اسلام کی وجہ سے ہے۔

بیت المقدس کا سفر کس شان سے طے کیا

پھر سادگی اور عدل و انصاف کا یہ عالم ہے کہ بیت المقدس پہنچنے میں تمام سفر غلام اور آقا نے ایک ہی اونٹ پر باری باری کیا جس وقت بیت المقدس پہنچتے ہیں تو غلام اپنی باری کے تحت اونٹ پر سوار تھا اور امیرالمومنین ایک مہار پکڑے آگے آگے چل رہے تھے۔ یہ شان اس امیرالمومنین کی ہے کہ جس کی فوجوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو روند ڈالا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی ان قیاصرہ اور اکاسرہ کے جسموں پر کپکپی طاری ہو جایا کرتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خشیت الٰہی کا اثر

ان تمام اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ کا سرچشمہ خشیتِ الٰہی تھا اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عالم یہ ہوتا تھا کہ بعض اوقات ساری ساری رات رکوع و سجود میں گزار دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے جلال کی آیات

کو پڑھ کر اتنا روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔ وصال کے وقت فرمانے لگے کاش اے عمر! تیری ماں تجھے نہ جنتی۔ کاش تو ایک اینٹ پتھر ہوتا"

انہیں ایام میں ایک موقعہ پر فرمایا کہ اگر برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں نہ کچھ لیا جائے اور نہ کچھ دیا جائے تب بھی بڑی بات ہے۔ خداوند تعالیٰ کے مؤاخذہ سے اتنا ڈرتے اور کہتے کہ اگر تمام لوگ سوائے ایک کے جنت میں جائیں گے تب بھی مجھے خیال ہے کہ وہ بدنصیب شاید عمر ہی ہو۔۔۔

ہر شخص کو قلب و فکر کی آزادی تھی

ہر شخص کو قلب و فکر کی آزادی تھی عوام جب کبھی کسی بات پر امیر المومنین کو ٹوک دیا کرتے تو وہ برگشتہ خاطر نہ ہوتے تھے بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف بھری مجلس میں کر لیا کرتے اور غلطی سے آگاہ کرنے والے کا احترام کرتے اور ہر شخص کو اس کا صحیح مقام دینے میں ہرگز تامل نہ کرتے۔

ایک عورت کی اپنے خاوند کے متعلق شکایت

ایک عورت امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خاوند کے بارے میں عرض کرتی ہے کہ اس کا خاوند دن کو روزہ سے رہتا ہے اور رات مصلّی پر گزار دیتا ہے۔ آپ نے یہ کلمات سن کر فرمایا کہ وہ تو بہت اچھا آدمی ہے دوبارہ سہ بارہ عرض کرنے کے بعد آپ نے اس کے خاوند کے بارے میں یہی الفاظ دہرائے کہ بہت اچھا آدمی ہے۔ جب وہ عورت جانے لگی تو ایک انصاری جو آپ کی خدمت بیٹھے ہوتے تھے عرض کرنے لگے کہ امیر المومنینؓ اس عورت کا یہ مطلب نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ یہ تو اپنے خاوند کی شکایت سے کر آئی ہے کہ اس کا خاوند حقِ زوجیت ادا نہیں کرتا۔ جب اس عورت سے پوچھا تو اس نے اثبات میں جواب دیا۔ امیر المومنین نے اسی انصاری کو حکم دیا کہ چونکہ آپ معاملہ کی تہ کو پہنچ چکے ہیں لہٰذا آپ ہی اس کا فیصلہ کر دیں۔ انہوں نے عورت کے خاوند کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ تین راتیں تم اللہ اللہ کیا کرو اور اپنی بیوی کے پاس چوتھی رات جایا کرو۔ خاوند نے یہ فیصلہ سن کر اقرار کیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ امیر المومنین نے اس انصاری سے دریافت کیا کہ ایسا فیصلہ دینے میں آپ نے کتاب اللہ کے کس حکم کو حجت ٹھہرایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ امیر المومنینؓ قرآن پاک نے چار بیویوں تک کی اجازت دے رکھی ہے۔ اگر اس کا خاوند تین اور عورتیں اپنے نکاح میں رکھے تو لامحالہ اس عورت کے حصہ میں چوتھا روز آتا ہے۔ اس طرح اس کی حق تلفی بھی نہ ہوگی۔ اس فیصلہ کو سن کر امیر المومنین بہت زیادہ مسرور ہوئے

اور اس انصاری کو عراق کا قاضی بنا کر بھیج دیا۔

قلب و فکر کی دولت تمام ممالک محروسہ میں پھیلی ہوئی تھی

قلب و فکر کی آزادی صرف مدینہ منورہ یا مضافات میں ہی نہ تھی بلکہ اس دولت کو تمام ممالک محروسہ میں پھیلا دیا تھا۔ گورنروں کی تقرری کے وقت ان کے کردار کو پرکھا جاتا تھا اور ساتھ ہی پروانہ لکھ کر دیا جاتا تھا جس میں اس گورنر کے تمام اختیارات درج ہوتے تھے اور اس گورنر کو حکم ہوتا تھا کہ اس پروانہ کو عوام میں پڑھ کر سنائے تاکہ والی کے اختیارات کا ہر فرد کو علم ہو جائے اور والی کسی وقت بھی اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کر پائے۔ جہاں کہیں تجاوز کی صورت پیدا ہوتی فوراً اس کو روک دیا جاتا۔ پھر حج کے موقعہ پر تمام والیان علاقہ کو بلایا جاتا اور مجمع عام میں ہر شخص کو کھلی اجازت تھی کہ شکایات سب کے سامنے پیش کرے کسی گورنر کو مجال نہ تھی کہ دم مار سکے۔ جب تک شاکی مطمئن نہ ہوتا گورنر سے باز پرس ہوتی رہتی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گورنروں کی تقرری کے وقت جو پروانہ جاری ہوتا ہے وہ اتنا واضح ہوتا کہ کسی کو افہام و تفہیم کے معاملہ میں کبھی دقت نہ ہوتی۔

i ۔ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا (تاکہ اس کی البیلی چال کو دیکھ کر دل میں تکبر اور غرور پیدا نہ ہو)

ii ۔ باریک کپڑا نہیں پہنے گا۔

iii ۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

iv ۔ دروازہ پہ دربان مقرر نہ کرے گا۔

v ۔ شریعت کی پابندی ضروری کرے گا۔

vi ۔ اپنا دروازہ حاجت مندوں کے لیے ہمیشہ کھلا رکھے گا۔

vii ۔ کسی قسم کے تحائف وصول نہ کرے گا۔

viii ۔ مسافروں کے کھانے پینے کا انتظام بیت المال سے کرے گا۔

مندرجہ بالا ہدایات گورنروں کے لیے تھیں۔

ایک گورنر کے بارے میں لوگوں نے شکایت کی کہ فلاں وقت جب ہم ضرورت کے تحت اس کے مکان پر گئے تو دروازہ بند تھا۔ امیرالمومنینؓ نے اس گورنر سے جواب طلبی کی تو معلوم ہوا کہ اس والی کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑے کا ہے جس کو ہفتہ میں ایک بار دھونا پڑتا ہے اور کپڑے دھونے کے وقت دروازہ کو بند رکھنا پڑتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غور تو کیجئے کہ امیرالمومنینؓ نے عوام کا کس قدر خیال رکھا

ہے کہ صوبے کے گورنر کا دروازہ کسی وقت بھی بند نہیں ہونا چاہیے تاکہ پبلک کو پریشانی نہ ہو اور پھر اس گورنر کی سادگی کو بھی ذہن میں رکھا جائے کہ جس کے پاس ایک ہی جوڑا پہننے کے لیے ہو اور اسی کو ہفتہ میں دھو کر وہ پہنتا ہو......

کسی عامل کی تقرری سے پہلے اس کی جائیداد کا حساب رکھا جاتا تھا جب وہ اپنی ملازمت سے فارغ ہو کر آتا تب بھی اس کی جائیداد کا حساب لیا جاتا۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ حالات کیسے ہی نازک ترین کیوں نہ ہوں، امیرالمومنین کو باز پرس کرنے میں کسی تردد نہیں ہوا اور نہ ہی اس معاملہ میں کسی بڑی سے بڑی مصلحت بینی کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

گورنروں اور سپہ سالاروں پر کڑی نگرانی

یرموک کے محاذ میں حضرت خالدؓ بن ولید سپہ سالارِ اعظم کی تنزلی کے احکام اس وقت موصول ہوتے ہیں جب کہ فوجیں لڑ رہی ہیں۔ اس طرح ان کی معزولی کے احکام ۱۷ھ میں اس وقت پیش کیے جاتے ہیں جبکہ تمام سپہ و لشکر موجود ہے اور تعمیلِ احکام بھی اس انداز سے ہے کہ دنیا کی تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی مفصل بحث گزشتہ صفحات پر گزر چکی ہے۔

اسی طرح حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، فاتحِ ایران کو لوگوں کی شکایت پر کوفہ کی گورنری سے اس وقت معزول کیا جب کہ نہاوند کا معرکہ ہونے والا تھا۔ ایرانی فوج پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر نہاوند کے محاذ پر پہنچ چکی تھی۔ بغیر کسی تردد اور ہچکچاہٹ کے حضرت نعمانؓ بن مقرن کو ان کی جگہ سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اور کمال یہ ہے کہ پبلک کو اس ردوبدل سے ذرہ برابر تردد یا پریشانی نہ ہوئی۔

حضرت عمروؓ بن العاص فاتحِ مصر کو امورِ سلطنت کے بارے میں بار بار ہدایات بھیجیں کہ خراج کی رقم مصر سے تھوڑی مقدار میں کیوں بھیجی جا رہی ہے؟ جب کہ وہ ایک زرخیز علاقہ ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت امیرالمومنین عمر فاروقؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کے درمیان خط و کتابت بھی جاری تھی۔ اگر امیرالمومنینؓ کی شہادت کا واقعہ رونما نہ ہوتا تو عمروؓ بن العاص کو بھی گورنری سے برطرف کر دیا جاتا۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے ابتدائی دورِ خلافت میں حضرت عمرؓ کے نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت عمرو بن العاص کو گورنری سے معزول کر دیا تھا اور ان کی بجائے عبداللہ بن ابی سرح کو گورنر بنا دیا تھا۔

گورنر مصر کو ہدایت

پھر امیر المومنینؓ کی کتنی دُور بین نگاہ تھی کہ اسکندریہ فتح کرنے کے بعد رقہ اور طرابلس کی طرف مسلمانوں کو مجبوراً بڑھنے دیا اور اس سے آگے بڑھنے سے روک دیا اور جس وقت حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر کے دارالخلافہ کے بارے میں لکھا کہ اسکندریہ قائم سے مصر کا پایۂ تخت چلا آرہا ہے یہاں ہر طرح کی سہولتیں موجود ہیں اس لیے اس کو دارالخلافہ ہی رہنے دیا امیر المومنین نے منع فرمایا حضرت عمروؓ بن العاص نے باب لیون کو دارالخلافہ بنانے کی تجویز پیش کی۔ امیر المومنین نے لکھا کہ ایسی جگہ دارالخلافہ ہونا چاہیے جہاں میں آسانی سے آجاسکوں اور درمیان میں دریا کی طغیانی مجھے عوام تک پہنچنے میں مانع نہ ہو۔ اس بنا پر حضرت عمروؓ بن العاص نے فسطاط ایک نئے مقام پر دارالخلافہ بنانے کا حکم حاصل کیا جو دریائے نیل کے اس کنارے پر ہے ...... فسطاط ایک نئی چٹیل جگہ تھی یہاں ہر طرح کی عمارت تیار ہونا تھی لیکن اسکندریہ اور باب لیون ہر دو مقام کو دارالخلافہ بنانے کی اجازت صرف اس لیے نہیں دی کہ ان ہر دو شہروں تک پہنچنے میں سمندر اور دریا حائل ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ گورنر سے کسی معاملہ میں باز پُرس کرنے میں یا کسی مظلوم کی حق رسی کرنے میں سمندر یا دریا کی طغیانی حائل ہو جائے اور وہ مظلوم یوں ہی جان دے دے جس کی باز پرس اللہ تعالیٰ کے ہاں عمر سے ہو۔

امیر المومنین عمر فاروقؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت تھی

حُبِّ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ بیت المال سے وظائف مقرر کرتے ہوئے امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ نے خیال رکھا کہ جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی نسبت ہوتی وہ اسی نسبت سے وظیفہ مقرر فرمائے۔ سب سے زیادہ وظیفہ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا تھا اس کے بعد امہات المومنینؓ کا .... اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ کا تین ہزار سالانہ مقرر کیا۔ حضرت اسامہؓ بن زید کے وظیفہ مقرر کرنے پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اعتراض کیا تو جواب میں فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُسامہؓ کو تجھ سے اور اسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے ....

اسی طرح فتح مدائن کے سلسلہ میں جب مال غنیمت آیا تو امیرالمومنینؓ نے مسجد میں ڈھیر لگا دیا سب سے پہلے ایک ایک ہزار حضرات حسنینؓ کو دیئے اور پانچ سو درہم اپنے بیٹے عبداللہ کو دیئے تو اس تقسیم پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے قدرے اعتراض کیا اور عرض کی کہ وظیفہ مقرر کرتے وقت بھی آپ نے حضرات حسنینؓ کا مجھ سے زیادہ وظیفہ مقرر کیا ہے اور اب مال غنیمت میں سے بھی ان کو زیادہ حصہ ملا ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی میں جہاد میں شریک ہوا کرتا تھا جس وقت حضرات حسنینؓ ابھی بچے تھے۔ اس کے جواب میں امیرالمومنینؓ نے فرمایا کہ ان کے والد علی المرتضیٰؓ ان کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرۃؓ ہیں ان کے نانا سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی نانی اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں، ان کے چچا حضرت جعفر طیارؓ بن ابی طالب اور ماموں حضرت ابراہیم لختِ جگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کی خالائیں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ہیں۔ ایسی پاکیزہ نسبت تمہیں کہاں نصیب ہے۔ آئندہ ان کی برابری کا خیال دل میں ہرگز نہ لانا۔

عدل و انصاف

عدل و انصاف تو آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ فاروق کا لقب اسی لیے آپ کو ملا تھا کہ آپ حق و باطل میں بے لاگ تفریق کیا کرتے تھے کسی بڑے یا چھوٹے کا اس میں تذکرہ نہ تھا۔ ان کی خلافت کے دوران ایک دفعہ جبلہ بن رایہم رئیس شام نے طواف کے موقع پر ایک اعرابی کے تھپڑ مار دیا۔ اعرابی نے بھی ویسا ہی تھپڑ اس کے مارا۔ اس کی شکایت جبلہ بن رایہم نے امیرالمومنینؓ کے پاس کی فرمایا کہ تو سزا کا مستحق ہے

حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر کے بیٹے نے کسی کو بلا وجہ مارا۔ امیرالمومنینؓ کو معلوم ہوا تو اس شخص سے گورنر کے بیٹے کو کوڑے لگوائے۔

اپنے اور غیر میں کسی طرح کی کوئی تمیز نہ تھی۔ اپنی ذات پر بھی احتساب قائم رکھتے۔ اگر نفس میں کبھی سرکشی پیدا ہوتی تو اس کا بھی فوراً علاج فرماتے ایک دفعہ منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ ایک وقت تھا جبکہ میں مفلوک الحال تھا، لوگوں کو پانی پلایا کرتا تھا وہ مجھے اس کے عوض کچھ کھجوریں دیا کرتے جن کو کھا کر میں گزر اوقات کرتا۔ اسی طرح دوسرے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور اونٹ چراتے بھی مجھے نہیں آتے تھے۔ اس میں جب کبھی کوتاہی کرتا تو میرے والد خطاب مجھے پیٹا کرتے تھے۔ لوگوں نے ہر دو موقعہ پر پوچھا کہ ان الفاظ کے ادا کرنے کا یہ کون نیت تھا۔ فرمایا کہ دل میں غرور پیدا ہو رہا تھا کہ تو بہت بڑا آدمی ہے ...... اس مرض کا علاج کیا ہے

فرض شناسی کا جذبہ

بیت المال کا حساب پورا پورا رکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ غنیمت کے مال میں اونٹ آئے۔ ان میں سے چند ایک کو خارش کی وجہ سے زخم ہو گئے تھے۔ آپ بڑی محنت اور جفاکشی سے ان اونٹوں کے زخموں کو خود دھوتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ دیکھکر فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی نے اپنے باپ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عرض کیا تھا کہ ایک شخص "قوی الامین" ہے اسی طرح امیر المومنینؓ آپ پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں۔

بیت المال کے حسابات اچھی طرح رکھتے۔ ایک دفعہ ایک فربہ اونٹ بازار میں اچھی قیمت پر بکا امیر المومنینؓ کو معلوم ہوا کہ یہ اونٹ عبداللہ بن عمرؓ کا ہے اور یہ اونٹ کچھ عرصہ بیت المال کی چراگاہ میں کسی وجہ سے چرتا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اونٹ کی اصل قیمت مالک کو دی جائے اور منافع بیت المال میں جمع کر دیا جائے۔

بیت المال سے جو روزینہ ملا کرتا تھا، آپ اسی پر گزر اوقات کرتے تھے، کسی قسم کا تصرف بیت المال کی اشیاء میں نہ کیا جاتا تھا اور فرمایا کرتے تھے جو شخص بیت المال سے ایک حبہ بھی ناجائز خرچ کرے گا وہ خلیفہ نہیں بادشاہ ہے۔

ایک دفعہ امیر المومنینؓ کے سامنے ایک تحریر پیش ہوئی۔ اس پر شعبان کا مہینہ لکھا ہوا تھا اب سوال پیدا ہوا کہ کس سال کا شعبان کا مہینہ ہے۔

سنہ ہجری کا اجراء

اس فیصلہ کے لیے مجلس شوریٰ طلب کی گئی اور اس مسئلہ کو زیر بحث لایا گیا۔ اس مجلس میں ہرمزان سابق شاہ اہواز کو بھی دعوت دی گئی۔ بعض صحابہؓ کی رائے تھی کہ ایرانی سنین کی مطابقت کر لی جائے ......

ہرمزان نے بتایا کہ ہمارے ہاں سال نوروز سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تجویز پیش کی کہ سن ہجرتِ رسول اللہ علیہ وسلم سے شروع ہونا چاہیئے جیسا کہ مسلمان اپنے گھروں میں یادداشت کے طور پر شمار کرتے ہیں۔ اس پر سب نے اتفاق کیا لیکن غور طلب یہ بات تھی کہ ہجرتِ نبوی ربیع الاول سے شروع ہوتی ہے اور عربوں کا سال محرم سے شروع ہوتا ہے آخر اس بات پر سب کا فیصلہ ہوا کہ ہجرت نبوی کا پہلا سال نو ماہ کا ربیع الاول سے شمار ہو، اور اگلا سال شروع محرم سے شمار کیا جائے۔ اس طرح ہر سال بارہ

ماہ کا ہو جاوے گا چنانچہ اس فیصلے کے مطابق تمام ممالک محروسہ میں سرکلر جاری کر دیئے۔

امیر المومنین کا لقب

دوسرا اہم مسئلہ خلیفہ وقت کے لیے لفظ "امیر المومنین" کا اختیار کرنا تھا۔ اس مجد و شرف کے لقب کو استعمال کرنے میں کسی تکلف یا تصنع کو دخل نہیں ہے بلکہ "امیر" کا لفظ عرب والے ہر اس شخص کے لیے بولتے تھے جو صاحب اقتدار ہوتا مثلاً امیر جماعت، امیر عسکر وغیرہ کفار، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امیر مکہ کہا کرتے تھے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جب کوفہ میں گورنر بن گئے تو اردگرد کے ایرانی اور عرب انہیں امیر المومنین کہہ پکارتے تھے یعنی مومنین کا سردار۔ حضرت عمر فاروقؓ کو مطلقاً اس بات کا علم نہ تھا ایک بار حضرت لبیدؓ بن ربیع اور حضرت عدی بن حاتم مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے کوفہ میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے کہنے لگے کہ "امیر المومنین" کو ہمارے آنے کی اطلاع دی جائے۔ اسی طرح حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک موقعہ پر امیر المومنین کہہ کر پکارا۔ حضرت عمرؓ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا حوالہ دیا۔ حضرت عمرؓ کو بھی یہ لقب اپنے لیے پسند آیا، اس لیے کہ تمام لوگ مومنین ہیں اور آپ ان مومنین کے امیر ہیں۔ بعد میں یہ لقب خلیفہ وقت کے لیے مختص ہو گیا اس لیے کہ حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ رسول کہلاتے تھے اور حضرت عمرؓ حقیقت میں خلیفہ رسول کے خلیفہ ہیں اس طرح حضرت عمر فاروقؓ نے خیال کیا کہ آپ کے بعد آنے والے خلفاء کے لیے خلیفہ و خلیفہ رسول کی لمبی چوڑی اضافات میں عوام الجھ کر رہ جائیں گے بدیں وجہ "امیر المومنین" کا لقب خلیفہ وقت کے لیے مختص کر دیا گیا اور تمام ممالک محروسہ میں اس بات کی اطلاع دے دی گئی۔

بیت المال سے وظائف مقرر کرتے

ہوئے مراتب اور مدارج کا خیال رکھا گیا

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ کے بیت المال سے وظائف مقرر کرتے ہوئے مدارج اور مراتب کا خیال رکھا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں مراتب کا خیال نہیں رکھا گیا بلکہ غنیمت کے مال کو جب مساوی طور پر تقسیم کیا گیا تو کسی نے خلیفہ رسول کی توجہ مراتب و مدارج کی طرف دلائی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ رزق کو مراتب

سے کیا تعلق ؟ مجد و شرف ایک الگ وصف ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ صحابہؓ کے فضائل اور مراتب کے
قائل ضرور تھے مگر ان کے مختصر سے عہد میں اندرونی خلفشار ختم ہونے کے بعد ہی فتوحات تو شروع ہو گئی
تھیں لیکن غنائم کی کثرت و بہتات نہیں ہوئی تھی اس لیے ضرورت تھی کہ جو کچھ غنیمت میں آیا وہ مساوی طور پر
سب کو تقسیم کر دیا جائے اس کے باوجود ان دورِ خلافت میں بیت المال تیار ہو گیا تھا لیکن ان کے وصال
کے وقت جب کھول کر دیکھا گیا تو اس میں کوئی مال نہیں تھا۔ صرف ایک قفل لگا ہوا تھا اور بس۔

امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں بے شمار مال غنیمت آنا شروع ہو گیا اور ہر
شخص فارغ البال نظر آنے لگا۔ اس وقت امیر المومنینؓ نے مناسب سمجھا کہ بیت المال کا حساب و
کتاب رکھا جائے اس سلسلہ میں مجلسِ شوریٰ بلائی گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور چند دوسرے صحابہؓ کا
خیال تھا کہ غنیمت کے مال کو فوراً تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی رائے تھی کہ اس کا باقاعدہ
اندراج ہونا چاہیے اور اس میں فوج کے اخراجات پہلے نکال لیے جائیں اور باقی سب تقسیم کر دیا جائے۔
حضرت عمرؓ نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔ اخراجات کی ضروری ضروری مدات نکالنے کے بعد مناسب سمجھا
گیا کہ مراتب اور مدارج کے لحاظ سے فہرست تیار کر لی جائے تاکہ اس کے مطابق سالانہ وظائف مقرر
کیے جائیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ طبقاتی تقسیم کے قائل تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ
"السابقون الاولون" کے تحت وہ حضرات جو اسلام کی خدمات کے لحاظ سے عزت و احترام کے
حق دار ہیں انہیں افضلیت کا موقع دیا جائے۔ قرآن مجید نے بھی اس بات کی وضاحت فرمائی ہے
فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا
عَظِيْمًا ۔ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔

یہ تو ویسے بھی ایک فطری بات ہے کہ ایک کی خدمات بے انتہا ہوں اور وہ شروع سے لے کر آخر
دم تک ہر مقام پر اپنی جان و مال اور اولاد کو اسلام پر قربان کرتا رہا ہو۔ دوسرا فتح کے بعد اسلام کی شوکت اور
عظمت کو دیکھ کر مسلمان ہوا ہو وہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ "اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کی عزت
افزائی نہ ہو تو انسان کو سوچنے میں تردد ضرور پیدا ہوتا ہے قرآن مجید میں " يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ
مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا "
فرمایا ہے کہ اے دنیا کے باسیو! تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبیلوں اور

گروہوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ اللہ کے نزدیک قابل تکریم تو وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے یعنی إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ......
عزت وشرف کا ایک پیمانہ مقرر فرمادیا ہے یعنی پیدائش سب کی ایک ہی طریق پر ہوتی ہے خواہ وہ بادشاہِ وقت ہو یا نانِ شبینہ کا محتاج گدا بحیثیت انسان ہر دو برابر ہیں کوئی فرق نہیں ہے وجہ عزو شرف ہے تو اس بات میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرے اور اس کے احکام کو احسن طریق سے بجالائے وہ زیادہ تکریم کے قابل ہے۔

امیر المومنین کوئی جاگیردارانہ نظام چلانا نہیں چاہتے تھے

اندریں حالات حضرت عمر فاروقؓ نے شخصیت کو بھی مدنظر رکھا ہے لیکن ساتھ ساتھ ان کی خدمات اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت کا بھی خیال رکھا ہے تاکہ مناسب تکریم اور عزت افزائی ہوتی رہے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ موجودہ طرز کی طرح (BEAUREECKACY سے ARIETOCRACY) بیوروکریسی یا ارسٹوکریسی جاگیردارانہ نظام کے چلانے کا خیال حضرت عمرؓ کے ذہن میں تھا....... اگر یہی ہوتا تو صحابہ کرام کی اولاد جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ان سے بھی وہی خاندانی امتیازی سلوک روا رکھتے لیکن ان صحابہؓ کی اولاد کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا ہے جس کے وہ حقدار تھے

یہ خیال بھی دل میں نہیں آنا چاہیے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے وظائف کے بارے میں اپنے جلیل القدر محترم پیشرو کی مخالفت کی ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں میں معیشت کا مسئلہ پورے طور پر حل نہیں ہوا تھا لیکن خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں معیشت کی طرف سے بدحالی فارغ البالی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو ملک حجاز میں فاقوں مر رہا ہو حتیٰ کہ مسافروں کے لیے مسافر خانے بنا رکھے تھے جہاں ہر مسافر کے لیے خوراک اور رہائش کا بندوبست ہوا کرتا تھا۔ غنائم کی کثرت کی وجہ سے ہر شخص فارغ البال نظر آتا تھا۔ اس لیے بیت المال سے تمام سرکاری اخراجات نکال کر باقی رقم کو مراتب کے تحت تقسیم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ خدمات اسلام کی بنا پر ہر ایک کی تکریم و تعظیم کی جائے۔ اس طرح کسی کو کسی پہ گلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ گلہ و شکوہ کا جواب حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کے وظیفہ مقرر کرنے میں مفصل دے دیا ہے جو امر کو قائم کیا تھا اس کی توضیح گزر چکی ہے۔

عہد صدیقیؓ میں مرتدین جو تائب ہو چکے تھے ان کو باہر جہاد پر نہیں بھیجا گیا

عہد فاروقیؓ میں ان لوگوں سے بڑے بڑے کام لیے گئے ہیں

حضرت صدیق اکبرؓ نے تائب ہونے والے مرتدین کو ان کی توبہ کے باوجود اپنے دورِ خلافت میں باہر جہاد پر نہیں بھیجا لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں باہر محاذاتِ جنگ پر جہاد کے لیے بھیج دیا تھا اور انہوں نے ایسے ایسے کارہائے نمایاں کر دکھائے جو تاریخ کے صفحات کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ طلیحہ بن خویلد اسدی جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور گرفتار ہو کر تائب ہوا تھا اس نے عہد فاروقی میں نہاوند کے محاذ پر بہت بڑا کام سرانجام دیا حلوان سے نہاوند تقریباً نوے میل ہے اور راستہ کٹھن اور پہاڑی ہے۔ اسی طلیحہ بن خویلد نے جاسوس بن کر یہ سارا فاصلہ پیدل طے کرنے کے بعد سپہ سالارِ اعظم حضرت نعمان بن مقرن کو اطلاع دی کہ حلوان اور نہاوند کے درمیان کسی جگہ بھی دشمن کی فوج گھات میں بیٹھی ہوئی نہیں ہے۔ چنانچہ ان کی رپورٹ پر اسلامی لشکر بے خوف و خطر نہاوند پہنچ گیا اور معرکہ نہاوند میں بھی ان کی فوجی صلاحیتوں نے مسلمانوں کو فتح عظیم دلانے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اسی طرح "مولفۃ القلوب" اور دیگر دورِ ارتداد کے متاثرین کو میدان جنگ میں بھیج کر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے اسلامی خدمات لی ہیں حالانکہ خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر نے ان پر کلیۃً اعتماد نہیں کیا تھا۔

ایسے واقعات سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے محترم پیشرو کی مخالفت کی ہے۔ اس کا تو واضح اور روشن پہلو یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے مختصر سے دورِ خلافت میں ایسے متاثرین شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے ان پر کڑی نگرانی کے بعد فیصلہ کیا کہ ایسے حضرات کو باہر میدان جنگ میں جہاد کی غرض سے بھیج دیا جائے تاکہ اپنے سابقہ داغ ہائے سیاہ کو عملی طور پر دھو سکیں اور گزشتہ گناہوں کی تلافی کر سکیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ اجتہاد کس قدر درستی پر مبنی ہے اور اس اجتہاد کی بدولت کتنے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کبار کو باہر ملکوں میں جانے اور ان کو وہاں سکونت پذیر ہونے سے

روک دیا تھا کہ مبادا ان جلیل القدر صحابہؓ کی وجہ سے ذمی یا نومسلم حضرات فتنہ میں پڑ جائیں گے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور قرابت کی وجہ سے ان کی تعظیم و تکریم کے سلسلہ میں شریعت کی حدود سے تجاوز کر جائیں۔ کیونکہ مشرک، مجوسی، آتش پرستی، یہودی اور عیسائی عقائد میں بادشاہِ وقت اور ان کے قرابت داروں کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہؓ کو مرکز سے دور نہ ہونے دیا۔ حضرت عمرؓ کی یہ دوررس نگاہ تھی کہ انہوں نے فتنہ کو پیدا ہونے سے پہلے ہی بھانپ لیا تھا........ ایسی ہی پیشبندی تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس درخت کو حدیبیہ کے مقام سے کٹوا دیا تھا جس کے نیچے بیٹھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں بیعت رضوان صحابہؓ سے لی تھی اور اللہ تعالیٰ نے "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ" کے روح افزا پیغام سے صحابہؓ کو نوازا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا حدیبیہ کے مقام سے اس درخت کے کٹوانے کا فعل ان کی نہایت دور اندیشی کا بین ثبوت ہے۔

نماز تراویح کو باجماعت ادا کرنے کا طریق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں نوافل میں قرآن پاک پڑھا کرتے تھے اور صحابہؓ بھی اقتدا میں قرآن پاک کو سنا کرتے تھے۔ شدہ شدہ زیادہ حضرات جمع ہونے شروع ہو گئے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز باجماعت کے سلسلہ کو منقطع کر دیا کہ کہیں یہ نماز بھی مسلمانوں پر فرض نہ ہو جائے اور مسلمان یہ بوجھ نہ اٹھا سکیں۔ پھر یہی طریق کار عہد صدیقیؓ میں بھی رہا کہ لوگ رمضان المبارک میں کبھی علیحدہ کبھی اکٹھے قرآن مجید کو نوافل میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس فعل کو مستحسن سمجھا کہ اس طرح قرآن مجید کی تلاوت سے قرآن پاک بھی اچھی طرح یاد ہو جاوے گا اور نماز باجماعت ادا کرنے سے اجتماعی لذت اور سرور بھی پیدا ہوتا رہے گا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہ مستحسن فعل شروع ہونے لگا تھا جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے بوجھ کے خیال سے تسلسل منقطع کر دیا تاکہ نبی کا فعل امت کے لیے فرضیت کا درجہ حاصل نہ کرلے۔ بہر حال اس نماز تراویح پر امت کا اجماع ہو گیا اور تمام ممالک محروسہ میں اس کی ترویج ہو گئی۔

نماز جنازہ کی چار تکبیرات پر امت کا اجماع

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں نماز جنازہ کی تکبیرات پر امت کا اجماع ہو گیا اور تمام ممالک

محروسہ میں اس کے احکام جاری کر دیئے گئے۔

شراب پینے کی سزا چالیس دوروں کی بجائے اسی ۸۰ درہ مقرر کر دی گئی

شراب پینے کی سزا حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں چالیس درہ مقرر تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے چالیس کی بجائے اسی درے کر دیئے تاکہ اس ام الخبائث سے لوگ بچتے رہیں۔ اس سزا کو فرامین کی صورت میں تمام مملکت میں جاری کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود خوشحالی کے لوگوں کا اس طرف رجحان نہ ہوا۔

حمص والوں کو جزیہ کی رقم واپس کر دی

جزیہ کی رقم ذمیوں کے حق الخدمت میں وصول کی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کی جاتی تھی اور ایسا بھی اتفاق ہوا کہ جب سپہ سالار نے دیکھا کہ نازک حالات کے تحت ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کما حقہٗ نہیں ہو سکتی تو ان کو جزیہ کی وصول شدہ رقم واپس کر دی جاتی۔ چنانچہ حمص والوں کے ساتھ یہی طریق اختیار کیا گیا۔ یرموک کے محاذ پر رومیوں کی بے انتہا فوج دیکھ کر سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے حمص سے بھی فوج کو بلا لیا اور ساتھ ہی جزیہ سے لاکھوں روپے کی وصول شدہ رقم ان کو واپس کر دی کہ نازک ترین حالات کے تحت ان کے شہر کی کما حقہٗ حفاظت نہیں کی جا سکتی۔

بسطام والوں سے جزیہ کی بجائے فوجی خدمات لی گئیں

شہر بسطام اور اس کے مضافات میں صلح کے وقت یہ درخواست مفتوح اقوام کی طرف سے پیش ہوئی کہ وہ جزیہ کی رقم ادا نہیں کریں گے بلکہ وہ فوجی خدمت دینے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ اسی طرح ملک مصر میں بھی ایک حکمران نے یہ درخواست رقم کی تھی کہ جزیہ کی بجائے اس سے دوگنی سرگنی باجگذاری کے طور پر وصول کر لی جائے۔ اس درخواست کو بھی امیر المومنینؓ عمر فاروقؓ نے قبول فرمایا۔ بہر حال امیر المومنینؓ کا یہ ایسا اجتہاد ہے جو مبنی بر صواب ہے۔

زمانہ ارتداد میں مرتدین کے جو بچے غلام

بنائے گئے تھے ان کو آزاد کر دیا گیا

ارتداد کے زمانہ کے جو مرد، عورتیں اور بچے لڑائی میں پکڑے آئے تھے وہ غلام بنائے گئے تھے حضرت عمر فاروق ؓ نے ارتداد کے زمانہ کے پکڑے ہوئے غلاموں کو آزاد کر دیا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ عرب غلام نہیں ہو سکتا ...... یہ سرکلر ممالک محروسہ میں جاری کر دیا گیا۔

غلاموں کے بارے میں سرکلر کا اجراء

اسی طرح وہ لونڈی جو صاحب اولاد ہو جائے اس کی خرید و فروخت منع کر دی وہ ہر حالت میں آزاد ہے۔ مکاتبت کے سلسلہ میں حکم جاری کر دیا گیا کہ غلام ایک مقررہ رقم دے کر آزاد ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ذکر ہے۔ "فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا" پہلے اس حکم کو وجوبی قرار نہیں دیتے تھے لیکن حضرت عمر فاروق ؓ نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا یعنی پہلے یہ بھی متصور تھا کہ آقا چاہے تو غلام کی شرط آزادی کو قبول کرے خواہ نہ کرے۔

لیکن حضرت عمر فاروق ؓ نے غلامی کو ہٹانے کے لیے یہ اقدام اٹھایا کہ یہ امر وجوبی ہے ہر حالت میں اسے تسلیم کرنا ضروری ہے، چنانچہ حضرت انس ؓ کے ایک غلام سیرین نامی نے امیر المومنین کے پاس شکایت کی کہ میں مکاتبت پر آزادی چاہتا ہوں مگر میرے آقا اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت انس ؓ کو بلایا گیا اور ان کو حکماً مکاتبت کی شرط کو پورا کرنے کے لیے کہا گیا۔

غلاموں کے بارے میں ایک کریہہ صورت یہ بھی تھی کہ باپ بیٹے سے، ماں بیٹی سے اور بھائی بھائی سے جدا ہو جاتے تھے، اس طرح کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ فروخت ہوتے اور اس کو قبیح نہیں سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ قرآن پاک میں ذکر آتا ہے "وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ" تم قطع رحمی نہ کرو۔ اس سے بڑھ کر اور قطع رحمی کیا ہو سکتی ہے اس لیے فرمان جاری کر دیا کہ باپ بیٹا، یا ماں بیٹی یا کنبہ کے افراد کو ان کے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جائے تاکہ جدائی کی مصیبت دوچند اور سہ چند نہ ہو جائے۔

گھوڑوں پر زکوٰۃ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں تھی۔ یہ جانور سواری کے لیے مخصوص تھا اور میدان جنگ میں کام آتا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں بھی یہی طریق رائج رہا لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی گئی اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑوں کی تجارت نہیں ہوتی تھی نہ ہی خلیفہ اول کے زمانہ میں اس جانور کو تجارت کا مال سمجھا جاتا تھا۔ البتہ خلیفہ ثانی کے عہد میں مملکت وسیع ہونے کی وجہ سے گھوڑوں کی باقاعدہ تجارت ہونا شروع ہوگئی۔ اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کر دی۔ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی نافرمانی نہیں تھی بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں گھوڑے کی جنس مراد لی تھی وہ سواری کے گھوڑے تھے۔ اس زمانہ میں لوگ گھوڑوں کو تجارت کی غرض سے نہ رکھتے تھے اور نہ ہی اس غرض سے خرید و فروخت کیا کرتے تھے اس لیے اس جانور کو مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔ اب حضرت عمرؓ نے گھوڑوں کو مال تجارت سمجھ کر اس پر زکوٰۃ مقرر کر دی۔

عشور

اسی طرح تجارت کا مال جو دوسرے ملکوں میں عرب سے جایا کرتے تھے اس پر عشور (ٹیکس) دس فیصد وصول کیا جاتا تھا۔ بعض ملکوں کے تاجروں نے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں درخواست دی کہ ہمیں اسلامی مملکت میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے ہم عشور دینے کے لیے تیار ہیں۔ امیرالمومنینؓ نے ان کی درخواست کو منظور فرمالیا۔ بعد میں ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی عشور کا طریقہ رائج کر دیا۔ البتہ تھوڑا بہت فرق قائم رکھا یعنی

i : حربیوں سے دس فیصد

ii : ذمیوں سے پانچ فیصد

iii : مسلمانوں سے اڑھائی فیصد۔

رفتہ رفتہ یہ عشور تمام ممالک خردسہ میں جاری کر دیا گیا۔ البتہ عشور سال بھر کے لیے شمار ہوتا تھا یعنی کوئی تاجر سال بھر تک اسلامی مملکت میں جہاں چاہے اپنا مال لے جائے۔ اس سے صرف ایک بار عشور کی رقم وصول کی جاتی تھی اس میں رعایت یہاں تک دے رکھی تھی کہ دو صد درہم کی قیمت کے

مل پر عشور معاف ہوتا تھا اور عشور وصول کرنے والوں کو حکم تھا کہ جو مال سامنے موجود ہے اس پر عشور وصول کیا جائے جس کو چھپا لیا جائے اس کی تلاشی نہ لی جائے۔

امام اور موذن کی تنخواہیں مقرر کر دیں

امیر المومنینؓ نے آئمہ مساجد اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کر دیں کیونکہ دیکھا گیا کہ اس کے بغیر مسجد کی رونق نہیں ہو سکتی۔ اس طریق پر فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کر دیں لیکن فقیہہ بننے کے لیے ہر کس و ناکس کو اجازت نہ تھی کہ فتویٰ دے۔

امیر المومنینؓ ان فقہاء کا امتحان لیتے جو ان کے امتحان میں کامیاب ہو جاتا اس کو فقیہہ کہلانے کا حق ہوتا۔ اس کا مشاہرہ بیت المال سے دیا جاتا۔ اس سلسلہ میں عدلیہ کا مقام بہت بلند کر دکھایا۔

مسجد نبوی میں توسیع

امیر المومنین نے مدینہ منورہ میں حرم شریف کی توسیع کا ارادہ کیا اردگرد کے مکانات خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر دیئے۔ حضرت عباسؓ اپنا مکان کسی قیمت پر بھی دینے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ مجبوراً امیر المومنین نے حکومت کی طرف سے مقدمہ حضرت ابیؓ بن کعب قاضی شہر کی عدالت میں دائر کر دیا جس وقت امیر المومنین عدالت میں گئے تو حضرت ابیؓ بن کعب نے حضرت عمرؓ کی تعظیم کرنا چاہی تو امیر المومنینؓ نے سختی سے منع فرمایا کہ یہ طریقہ عدلیہ کے اصول کے خلاف ہے انصاف کی نظر میں مدعی اور مدعی علیہ برابر ہیں خواہ فریقین کسی بھی حیثیت کے ہوں۔ حضرت ابیؓ بن کعب نے فیصلہ دیا کہ حکومت زبردستی کسی کا مکان خرید نہیں سکتی اور حضرت عباسؓ کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ نے از خود برضاء رغبت بلا کسی قیمت کے عام مسلمانوں کے فائدہ کی خاطر مکان حکومت کو دے دیا۔ اصل میں بتانا یہ مقصود ہے کہ ہر شخص اپنے کام میں آزاد ہے۔ اسلام کسی پر جبر و تشدد نہیں سکھاتا۔

حرم شریف کی توسیع کی گئی اور

خانہ کعبہ کا غلاف مصر سے تیار کروایا گیا

جہاں مسجد نبوی کی توسیع ۱۷ھ میں ہوئی اس طرح مکہ معظمہ میں حرم شریف کی توسیع کی گئی اور

لوگوں کے مکانات خرید کر اس کی حدود کو وسیع کر دیا اور اس کے ارد گرد چار دیواری بنا دی اور اس کی چار دیواری پر رات کو چراغاں کیا جاتا تھا۔ عہدِ جاہلیت میں بھی خانہ کعبہ پر غلاف چڑھائے جاتے تھے۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے نہایت عمدہ کپڑے کا مصر سے غلاف تیار کروایا اور اس کو چڑھانے کا بندوبست بھی کیا۔

میقات کی حدود

میقات کی حدود پتھر کی برجیاں بنا کر ظاہر کی گئیں ......

قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے کا انتظام

قرآن مجید کے پڑھانے کا انتظام بہت بڑے پیمانے پر کیا گیا۔ قرار صحابہؓ کو ممالک محروسہ میں تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لیے بھیجا۔ مسلمانوں کے لیے قرآن مجید کا پڑھنا لازمی قرار دیا گیا۔ قرآن مجید کو بہت سی جلدوں میں نقل کیا گیا اور ان جلدوں کو دور دراز علاقہ جات میں بھیجا گیا۔ طلباء کے لیے وظائف مقرر کیے گئے۔

پرچہ نویسی کا محکمہ

تمام ممالکِ محروسہ میں نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے پرچہ نویس مقرر کیے تاکہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں لوگوں کی بود و باش اور طور و طریق کے علاوہ ...... والیانِ علاقہ جات کے بارے میں رپورٹ باقاعدہ دارالخلافہ میں بھیجتے رہیں۔ یہ محکمہ اتنا زبردست منظم تھا کہ امیر المومنینؓ کو صحیح حالات کا اندازہ مدینہ منورہ میں بیٹھے بٹھائے ہوتا رہتا تھا۔ جہاں کہیں فتنہ و فساد ہونے یا کسی عامل کے جابرانہ رویہ سے عدل و انصاف کا سر رشتہ ٹوٹنے یا چھوٹنے کا خطرہ ہوتا وہاں حفظِ ماتقدم کے طور پر اس کا پہلے ہی بندوبست کر لیا جاتا۔

فوج میں خاص طور پر پرچہ نویسی کا کام بہت اہمیت رکھتا تھا۔ حضرت خالد بن ولید کے واقعہ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ امیر المومنینؓ نے ان کی باز پرس جس انداز سے کی ہے وہ بھی گزشتہ صفحات میں مذکور ہے۔ اسی طرح عمرو بن معدیکرب ایک جانباز اور بہادر سردار ایران کے محاذِ جنگ میں شریک تھا اس نے اپنے سپہ سالار کو گستاخانہ الفاظ کہے۔ سپہ سالار تو یہ سمجھ کر چپ ہو رہا کہ غصہ میں ایسے الفاظ

اداہوتے ہیں لیکن پرچہ نویس کے ذریعہ جب امیر المومنینؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے عمرو بن معدیکرب کی ایسی جواب طلبی کی کہ آئندہ پھر کسی لشکری کو کبھی ایسی جرأت نہ ہوئی۔

امیرالمومنین کے عدل وانصاف کی چند جھلکیاں

پرچہ نویس کی اطلاع غیر جانبدارانہ ہوتی تھی۔ امیرالمومنین کو دُور دراز بیٹھے بٹھائے ہوئے تمام حالات سے آگاہی ہوجایا کرتی اور اس بارے میں مناسب تدابیر کی جاتی تھیں۔ حاکم ومحکوم کے معاملہ میں مساویانہ سلوک فرماتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھتے کہ ان کے یہ تعلقات حفظِ مراتب کے تحت قائم رہیں۔ آپ بڑے سے بڑے معتمد علیہ اور قابلِ تکریم شخصیت پر بھی کڑی نگرانی رکھتے۔ حضرت ابیؓ بن کعب بڑے پائے کے صحابی تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ ان کی بہت زیادہ عزت کرتے اور لوگ بھی ان کا بہت زیادہ احترام کرتے۔ ایک دفعہ کسی مجلس میں سے اُٹھ کر آنے لگے تو تمام لوگ تعظیماً اُٹھ کر کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرؓ پاس سے گزرے تو سرزنش فرمائی۔ حضرت ابیؓ بن کعب نے تعجب سے پوچھا کہ عمر! یہ کیا؟ جواب میں فرمایا کہ تم لوگوں کو فتنہ سے منع کیوں نہیں کرتے؟ .... یہ طریق تابع کے لیے ذلت اور متبوع کے لیے فتنہ ہے۔

حضرت عمرو بن العاص حج کے موقعہ پر مصر سے آئے ہیں اور ان کا لڑکا عبداللہ بھی ساتھ ہے۔ کسی نے اس مجلس میں امیرالمومنینؓ سے شکایت کی کہ عمروؓ بن العاص کے لڑکے عبداللہؓ نے بلا وجہ میرے کوڑے مارے ہیں۔ امیرالمومنینؓ نے جُرم ثابت ہونے پر تمام مجلس کے روبرو اس مدعی سے گورنر مصر کے لڑکے کے کوڑے لگوائے جب کہ تمام عمائدین نے یہ نظارہ دیکھا۔

گورنر مصر کو بھی اپنے مُدعی کو راضی کرنا پڑا

اسی طرح حضرت عمروؓ بن العاص کے خلاف کسی مصری نے ان کے تشدد کی شکایت کی۔ جُرم ثابت ہونے پر اس سائل کو حکم دیا کہ اس مجلس میں اس کا انتقام عمروؓ بن العاص سے لے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے عرض کی کہ اس طرح نظام سلطنت درہم برہم ہوجائے گا اور حکومت کا رُعب اٹھ جائے گا۔ امیرالمومنینؓ نے فرمایا کہ خواہ کچھ بھی ہو شکایت کرنے والے کی داد رسی ضرور ہوگی آخر بڑی مشکل سے حضرت عمروؓ بن العاص نے دو صد درہم دے کر سائل کو راضی کرلیا اور اس نے اپنی شکایت واپس لے لی۔ تاہم گورنر مصر کو تنبیہ فرمادی کہ آئندہ ایسی شکایت نہ آئے۔

ہر ایک کے ساتھ مساویانہ سلوک

جہاں وہ عدل وانصاف کے تحت بڑے بڑے گورنروں اور جلیل القدر صحابہؓ کا محاسبہ کیا کرتے تھے وہاں وہ اپنی ذات اور اہل وعیال کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کرتے تھے۔ شام کے ملک سے واپسی کے وقت امیرالمومنین کو ایک بڑھیا کی جھونپڑی نظر آئی۔ اس سے امیرالمومنین نے پوچھا کہ عُمر کا کیا حال ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا اب ملکِ شام سے چل پڑا ہے، خدا اسے غارت کرے اب تک اس نے ایک حبہ مجھے روزینہ کے طور پر نہیں بھیجا! ۔ آپ یہ سن کر کہنے لگے کہ یہ علاقہ بہت دور دراز کا ہے عمر بیچارہ کیا کرے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اگر چیک نہیں کر سکتا تو ملک کو قبضہ میں کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ یہ سن کر امیرالمومنینؓ کانپ اُٹھے اور اس علاقہ کا انتظام کرنے کا حکم دیا (یہ علاقہ میدانِ کارزار بنا ہوا تھا)

امیرالمومنینؓ اپنے آپ کو بھی احتساب سے بَرّی الذمّہ نہیں ٹھہراتے تھے

ایک دفعہ ایک اعرابی نے آکر اپنی تنگدستی کی حالت اشعار میں اس طرح بیان کی کہ اے عمر! اگر لطف ہے تو جنت کا، اے عمر! میری لڑکیوں کو کپڑا پہنا خدا کی قسم! تجھے یہ کرنا ہوگا۔ امیرالمومنینؓ نے سن کر یہ فرمایا کہ اگر میں تمہارا کہنا نہ مانوں تو کیا ہوگا؟ اعرابی نے کہا کہ تجھ سے میرے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا اور تو ہکا بکا رہ جائے گا پھر تجھے دوزخ کی طرف بلا شبہ جانا ہوگا یہ سُن کر امیرالمومنینؓ دھاڑے مار مار کر رونے لگے اور اس قدر روئے کہ داڑھی مبارک تر ہوگئی۔ اس کے بعد غلام کو فرمایا کہ اس کو میرا کُرتہ دے دو اس وقت اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ (الفاروق از شبلی نعمانی)

بہرحال امیرالمومنینؓ کا سارا دورِ خلافت عدل وانصاف کے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی مثال ایسی نہیں آتی جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے نفس کو احتساب سے بچا لیا ہو۔ قلب و فکر کی آزادی کی وجہ سے ہر ایک سے بہت کچھ سنتے اور خندہ پیشانی کے ساتھ اس کی باتیں سن کر اپنی اصلاح فرماتے۔ منبر پر بیٹھ کر کئی بار اپنے نفس کی اصلاح فرمائی ہے۔ ہر ایک کو اجازت تھی کہ ان کی خلوت و جلوت کی مجلس میں جہاں کہیں ان کی غلطی دیکھیں ان کو ٹوک دیا کریں امیرالمومنین اس ٹوکنے والے کی بہت قدر و منزلت فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنی بڑی سلطنت میں کسی ایک کو بھی اجازت نہ تھی کہ

قانون کی خلاف ورزی ادنی سے ادنی معاملہ میں بھی کر دکھائے ۔ یہ مساویانہ اور روادارانہ سلوک تھا جس نے لوگوں کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا تھا ۔ ذمی ، باجگذار اور غلام کثرت سے مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور اس اسلامی حکومت کو ایک رحمت سمجھنے لگے ۔

حضرت عمر فاروق نے اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کے اخلاقی ، سماجی ، معاشرتی اور اقتصادی حالات کو ایسی طرح صحیح مقام پر منطبق (SET) کر دیا تھا جس کی نظیر رہتی دنیا تک نہیں مل سکتی ۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ امیر المومنین ؓ بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ ان کی مملکت میں دریائے نیل کے کنارے پر کوئی بھوکا اونٹ دم توڑ رہا ہے تو اس کا جواب دہ قیامت کے دن عمر ؓ ہو گا ۔

امیر المومنین ؓ کی طرزِ حکومت دنیائے عالم کے حکمرانوں کے لیے ایک چیلنج ہے

اب مجھے ان کی طرزِ حکومت کو پیش کرنا ہے جو تا قیام قیامت ہر حکومت کے لیے ایک روشنی کا مینار ہے ۔ شاید افرنگ زدہ مسلمان یہ باور کرنے میں متردّد ہوں کہ ایک گلیم پوش ، فقیر منش انسان جس نے کسی یونیورسٹی سے لاء (LAW) کی ڈگری حاصل نہ کی ہو ، اور جس نے کسی فوجی انسٹی ٹیوٹ سے ڈپلومہ نہ لیا ہو اور جو کسی یونیورسٹی کے ابتدائی درجوں میں بھی متعلم کی حیثیت سے نہ رہا ہو وہ دنیائے عالم کے ریفارمروں ، سیاستدانوں ، قانون دانوں ، سپہ سالاروں ، ڈکٹیٹروں اور جمہوریت کے دعویداروں کو ببانگ دہل اپنے عمل سے اعلان کر رہا ہے کہ میرے اپنائے ہوئے طریق کو اختیار کرو تو دنیا میں امن و امان قائم رہ سکتا ہے ورنہ دنیا تباہی اور بربادی کے گہرے غار میں جا گرے گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ان حضرات کے لیے صرف اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ اس گلیم پوش ، صاحب بصیرت انسان نے ۶ سنہ نبوی میں آستانہ نبوت پر حاضری دی ہے اور اس وقت سے لے کر ۱۱ ھ تک پورے اٹھارہ سال اس امی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دبستانِ نبوت میں بیٹھ کر تمام علوم و فنون کی تکمیل کر لی اور اس کے بعد سوا دو سال تک اپنے محترم پیشرو خلیفہ اوّل کی رفاقت کا التزام کر کے عملی طور پر جہانگیری اور جہانبانی کے اصول کے تجربات حاصل کر لیے اور ۱۳ ھ سے لے کر ۲۳ ھ تک پورے ساڑھے دس سال میں انہیں حاصل کردہ اصولوں کو عملی زندگی میں پیش کر دکھایا ہے ۔ اس لیے کہنا پڑتا ہے کہ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ معجزہ ہے ، ان پر نازل شدہ کتاب قرآن مجید معجزہ ہے ۔ اس امی رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعلیم معجزہ ہے وہاں خلفائے راشدین کا دور خلافت دنیا کے حکمرانوں کے لیے اعجاز سے کم نہیں ہے جس نے نہایت مختصر سے عرصہ کے اندر تمام داخلی اور خارجی فتنوں کو کچلنے کے بعد علیٰ منہاج نبوت ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دکھائی ہے ، بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ساڑھے دس سالہ دور خلافت تو دنیا کو ہمیشہ محو حیرت میں ڈالتا رہے گا اور دنیا کے حکمران شعوری یا لاشعوری طور پر ان کے وضع کردہ اصولِ جہانگیری اور جہانبانی سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ آئندہ صفحات میں آپ مطالعہ کریں گے کہ حکمرانی اور سیاستدانی کا کونسا ایسا شعبہ ہے جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اولیت نہیں ہے۔ ان کا دورِ خلافت ببانگِ دُہل زبانِ حال سے حق کا اعلان کر رہا ہے

اگر خیریتِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہر چہ مے خواہی تمنا کن

خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت

خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت نہ تو برطانوی پارلیمانی کی طرح سے ہے جہاں برطانوی بادشاہ گاڑی کا پانچواں پہیہ سمجھا جاتا ہے جس میں بادشاہ کبھی غلطی نہیں کرسکتا ہے اور نہ ہی اس حکومت کے نزدیک بادشاہ کبھی مرتا ہے، جس کے ملک پر ملکہ راج کرتی مگر حکم نہیں چلاتی۔

خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت نہ ہی صدارتی اور وفاقی ہے جو ہمیشہ سے ہر مقام پر ترامیم کا محتاج رہتا ہے جہاں نسلی امتیازات کا چکر اس قدر واضح ہے کہ اس متمدن دور کے اندر بھی انسانیت سسکتے ہوئے دم توڑتی نظر آتی ہے اور ایک بہت بڑے لاوا کے پھٹنے کی نشاندہی کر رہی ہے۔

خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت نہ ہی سوستانی (سوئٹزرلینڈ کا جمہوری نظام) نظام ہے جس میں ستائیس لاکھ عوام کے بلا واسطہ تسلط کو تو تسلیم کیا گیا ہے تاہم عوام کی قانون میں عدم واقفیت اس جمہوری نظام کے نافذ ہونے میں غیر معمولی تاخیر کا سبب بنتی رہتی ہے پھر معیشت کو ہی انسانیت کی تکمیل کا سبب سمجھا گیا ہے۔

خلافتِ راشدہ کا اسلامی نظامِ حکومت نہ ہی اشتراکی ہے جو سوویٹ روس اور جمہوریہ چین میں اس وقت رائج ہے جہاں مزدور اور کسان کو روٹی کا چکمہ دے کر اس کے مذہب اور اخلاق پر بے دریغ دست درازی کی جاتی ہے۔ جہاں چلتے پھرتے ذی روح انسان کو لوہے کی مشینوں کا پرزہ سمجھ کر اس سے کام لیا جاتا ہے۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

خلافتِ راشدہ کا اسلامی نظام حکومت نازی حکومت کی طرح آمرانہ بھی نہیں ہے جس میں فردِ واحد کی رائے قانون کا ماخذ بن کر لوگوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرتی ہے۔

خلافت راشدہ سے مراد ایسی امارت شرعیہ ہے جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں ان کے متصلاً علی منہاج نبوت ظہور پذیر ہوئی ہو۔۔۔۔۔۔

اسلامی دستور و قوانین کا ماُخذ

اس کے آئین ودستور کا ماخذ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس کی دو شقیں ہیں :۔

i (و) ایسے احکام جن کی صراحت کتاب اللہ میں بطور اوامر ونواہی موجود ہے۔

(ب) ایسے احکام جو احادیث صحیحہ میں سنتِ رسول اکرم کی صورت میں پائے جائیں اور ان کے بارے میں حکم صادر ہو۔

ii ۔ ایسے احکام جو اُمتِ مسلمہ کو بصورتِ فرد و قوم صراحتاً کتاب وسنت میں نہ مل سکیں مگر کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا جائزہ لیا جا سکے۔

پہلی صورت میں جب کہ احکام کتاب وسنت میں موجود ہوں خلیفہ وقت اس میں ہرگز ردوبدل نہیں کر سکتا۔

دوسری صورت میں وہ احکام جو صراحتاً کتاب وسنت میں نہ مل سکیں خلیفہ وقت جو فقیہ بھی ہو ان احکام کا کتاب وسنت میں جائزہ لے کر کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں کتاب وسنت کی روشنی میں استنباط واستخراج کلی یا جزوی طور پر خلیفہ وقت سے نہ ہو سکے تو وہ اس مسئلہ کو مخصوص افراد کی مجلس شوریٰ میں رکھ دیتا ہے۔ اگر وہ مجلسِ شوریٰ بحث وتحیص کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ کر مطمئن ہو جائے تو بہتر ورنہ اس مسئلہ کو عوام کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے جو کتاب وسنت کی روشنی میں مسئلہ کا حل تلاش کرتے ہیں۔

سلامی طرزِ حکومت کا طریق اور اس کا ماخذ

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات نقل کر دینے ضروری ہیں جو انہوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے ہوئے فرمائے تھے اور ان کا امتحان بھی اس معاملہ میں لیا تھا تاکہ امت کے لیے اس سلسلہ میں ایک دستور العمل پیش کر دیا جائے۔

" بِمَا تَحْكُمُ يَا مُعَاذُ ؟" اے معاذ! تمہارا طریقِ حکومت کیا ہوگا؟

حضرت معاذؓ نے عرض کی:۔

" اَحْكُمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ " میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

" فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ " اگر تو کتاب اللہ میں نہ پائے؟

حضرت معاذؓ نے عرض کیا:۔

" فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ " سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کروں گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

" فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّتِيْ " اگر تو میری سنت میں نہ پائے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کی:۔

" اَحْكُمُ بِرَأْيِيْ " اپنی فکر صوابدید سے فیصلہ کروں گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحمد للہ کہ اس نے اللہ کے رسول کے پیامبر کو صحیح راستہ دکھایا۔

خلفائے راشدین کے تیس سالہ دورِ خلافت میں انہیں مندرجہ بالا اصولوں کے تحت امور متنازعہ فیصلے ہوتے رہے ہیں۔ جو ترمذی شریف کی حدیث کے مطابق " اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ " یعنی میرے بعد تیس سال خلافت ہوگی پھر بادشاہت ہو جاوے گی۔ یہ تصریح اس مقام پر اس لیے کی گئی ہے کہ دنیوی سلطنتیں جو موجود ہیں ان کے آئین کا ماخذ صرف انسانی دماغ ہے اور سب کا منتہائے مقصد صرف معیشت ہے اور بس۔ لیکن خلافت راشدہ جو منہاج نبوت پر قائم ہے کا ماخذ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ حیاتِ طیبہ ہے۔

اس طرزِ حکومت میں معاش و معاد دونوں کا حل موجود ہے

اس خلافت میں معاش کے علاوہ معاد کے مسائل بھی حل کیے ہیں۔ سیدھے اور صاف الفاظ میں یوں سمجھ لیا جائے کہ جسم و جان کی بالیدگی اور حفاظت کے بارے میں جہاں قوانین موجود ہیں وہاں قلب و روح کے لیے بھی غذا کا سامان ہر کس و ناکس کے لیے مہیا ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ انسانی شرف کا تمغہ اور اشرف المخلوقات کہلانے کا حق اس صورت میں ہے کہ حضرت انسان اس کائنات میں اخلاقی اور روحانی قدروں کا مجسمہ نظر آئے اور وہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ انسان اپنے خالق و مالک کے احکام کی بجاآوری عقل کی پیچ در پیچ وادیوں سے ہٹ کر ہدایتِ وحی کی روشنی میں کرے اور اپنے شب و روز اس کی اطاعت میں گزار دے۔

اسلامی حکومت میں ہر سو برکت ہی برکت ہوگی

خلیفہ راشد جب ہدایتِ وحی سے مستفیض ہو کر معاشرہ میں قدم رکھے گا تو اس معاشرہ میں چار سو خیر و برکت ہی نظر آئے گی۔ اس کے برعکس اگر حکمران اور اس کے مشیر اپنی انسانی عقل کے بل بوتے پر نظامِ حکومت چلانے کا خیال رکھتے ہوں تو وہ کتنا ہی درد خلوص اپنے دل میں اپنے ابنائے جنس کے بارے میں لیے بیٹھے ہوں لیکن ان کا اپنا حال اس اندھے کی طرح ہوگا جو اپنا راستہ ٹامک ٹوئیاں کے طور پر طے کر رہا ہو اور اگر حکمران اور اس کے مشیر "وزیرے چنیں شہر یارے چناں" کے طور و طریق پر تمام کے تمام ایک حمام میں ننگے ہوں اور ذاتی عناد کی خاطر قوم کو قربان کرنے کے لیے تلے ہوئے ہوں تو اس معاشرہ میں فساد برپا نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا؟

اب مجھے خلیفہ راشد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نظامِ حکومت کا خاکہ پیش کرنا ہے جس سے کہ

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

کا صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ اتنی وسیع و عریض سلطنت کو کس طریق سے چلایا جاتا تھا۔ ہزاروں میل بیٹھے ہوئے خلیفہ وقت کو عوام اور عہدہ داروں کے بارے میں پوری پوری اطلاع ملتی رہتی تھی یہ اس زمانے کا ذکر ہے جبکہ ذرائع آمد و رفت بہت ناقص تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر ہوتا تھا اس کے باوجود جہاں کہیں اس حکومت کے کل پرزے میں تھوڑا بہت نقص واقع ہوا فوراً

پرزہ کی بجائے دوسرا پرزہ فٹ کر دیا گیا۔

ممالکِ محروسہ کے صوبہ جات

۱۔ مکہ مکرمہ
۲۔ مدینہ منورہ
۳۔ مصر
۴۔ فلسطین
۵۔ شام
۶۔ بصرہ
۷۔ کوفہ
۸۔ الجزیرہ
۹۔ اصفہان
۱۰۔ آذر بائیجان
۱۱۔ فارس

ان صوبہ جات میں بعض بہت بڑے بڑے صوبہ تھے جن کو ضرورت کے تحت دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا مثلاً فلسطین، مصر اور شام وغیرہ۔

ہر صوبہ میں عہدیداران کا تقرر

ہر صوبہ میں ذیل کے عہدیداران کی تقرری عمل میں آیا کرتی تھی:۔

۱۔ والی (گورنر)
۲۔ کاتب (چیف سیکرٹری)
۳۔ کاتب دیوان (فوج کا میر منشی)
۴۔ صاحب الخراج (کلکٹر)
۵۔ صاحب احداث (سپرنٹنڈنٹ پولیس)
۶۔ صاحب بیت المال (افسر خزانہ)

۷ ۔ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس)

ہر صوبہ میں بہت سے ضلع ہوا کرتے تھے۔

صاحب الخراج (کلکٹر) صاحب احداث (سپرنٹنڈنٹ پولیس) صاحب بیت المال (افسر خزانہ) اور قاضی کا تقرر ضلع میں بھی ہوا کرتا تھا۔

صوبہ کے یہی عہدیداران صوبائی نظام حکومت میں اپنے محکمہ کے انچارج متصور ہوتے تھے جو ضلع کے کام کی بھی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔

گورنروں کی تقرری کے وقت ان کی سابقہ خدمات کا خیال رکھا جاتا تھا

امیر المومنینؓ حضرت عمر فاروقؓ ان عہدیداروں کی تقرری بہت غور و فکر سے کیا کرتے تھے بعض اوقات ان کے امتحان بھی لیا کرتے تھے۔ والیوں (گورنروں) کی تقرری میں امیر المومنینؓ ان کی سابقہ خدمات کو مدنظر رکھتے اور کوشش کرتے کہ جلیل القدر صحابہؓ میں سے ہوں جن کی دیانت و شجاعت اور تدبر پر پورا بھروسہ ہوتا اور مقرر کرتے وقت ایک پروانہ ان کو دیا جاتا جس میں ان کے اختیارات درج ہوتے اور ان کو حکم ہوتا ہے کہ مجمع عام میں کھڑے ہو کر ان پروانہ جات کو پڑھ سنائیں تاکہ پبلک بھی ان کا محاسبہ بروقت کر سکے جب کہ وہ کسی معاملہ میں اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے نظر آئیں

امیر المومنینؓ کے دور خلافت کے گورنرز

امیر المومنین عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں حسب ذیل گورنر تھے۔

۱ ۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح	۲ ۔ یزید بن سفیان	۳ ۔ امیر معاویہ
۴ ۔ عمرو بن العاص	۵ ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص	۶ ۔ عتبہ بن غزوان
۷ ۔ ابو موسیٰ اشعری	۸ ۔ مغیرہ بن شعبہ	۹ ۔ عتاب بن ولید
۱۰ ۔ نافع بن عبد الحارث	۱۱ ۔ خالد بن العاص	۱۲ ۔ عثمان بن ابی العاص
۱۳ ۔ یعلیٰ بن امیہ	۱۴ ۔ علاء بن الحضرمی	۱۵ ۔ عیاض بن غنم
۱۶ ۔ عمرو بن سعد	۱۷ ۔ حذیفہ بن الیمان	۱۸ ۔ عتبہ بن ولید

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ان والیان ملک کے اسماء گرامی کو سرسری نظر سے دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو تہائی

میں سے ہیں اور بقیہ قریب قریب جلیل القدر صحابہؓ ہیں۔ فاروقیؓ انتخاب کی داد دینی چاہیے کہ ان گورنروں کی تقرری کرنے میں نہایت دور اندیشی سے کام لیا گیا ہے، وہی صوبہ جات ان کے سپرد کیے گئے جہاں ان کی فطری صلاحیتیں ملک وملت کے لیے مفید ثابت ہوتی رہیں مثلاً ملک مصر کو جب عمروؓ بن العاص نے نہایت تدبر اور سمجھ داری سے تھوڑے عرصہ میں فتح کیا تو امیر المومنینؓ نے انہیں وہاں کا گورنر بنادیا کیونکہ حضرت عمروؓ بن العاص جہاں ملکِ مصر کی چپہ چپہ زمین سے واقفیت رکھتے تھے وہاں مصریوں کے تمدن اور بود و باش کے طریقہ سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ ملک گیری کے بعد جب امیر المومنینؓ کے حکم سے ملک داری کے اصولوں پر وہ ملکِ مصر پر حکومت کرنے لگے تو بچہ بچہ ان کے گن گانے لگا اور اسلام بہت جلد وہاں پھیلنے لگا۔

نہر سویز کی تیاری کے بارے میں

چند خدشات کے تحت اجازت نہ دی

رفاہِ عامہ کے کاموں میں بیشتر رقم خرچ ہوتی تھی۔ نہر امیر المومنین دریائے نیل سے نکالی گئی۔ اس طرح سویز نہر کی تیاری کے بارے میں حضرت عمروؓ بن العاص نے امیر المومنینؓ سے اجازت طلب کی کہ بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کو ملا دیا جائے اور اس کو ملانے کا کام فرما کے مقام پر تجویز کیا گیا جہاں بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کا باہم فاصلہ صرف ستر میل رہ جاتا ہے۔ امیر المومنین نے اس نہر کی اجازت صرف اس لیے نہیں دی کہ یونانی اس دریائی راستہ سے آکر حاجیوں کے قافلہ کو نقصان پہنچائیں گے اور بحری راستہ سے اپنے وطن واپس پہنچ جایا کریں گے۔ یہ خطرہ المومنین کا اس وقت کے لحاظ سے حقیقت پر مبنی تھا اس لیے کہ عربوں نے سمندر میں جہاز رانی کی مشق ابھی حاصل نہیں کی تھی اور بحری جنگ کے لیے عرب ابھی تیار نہیں ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے بھی بار بار جزیرہ سائیپرس (قبرص) کو فتح کرنے کی اجازت طلب کی لیکن امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو سمندری خطرہ میں نہ ڈالا جائے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ فتوحات کے دامن کو پھیلانے کی بجائے سمیٹا جائے۔ اسی طرح عمروؓ بن العاص کو برقہ اور طرابلس سے آگے جنوبی افریقہ کی طرف بڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ پبلک کے فائدے کے لیے مصر کے دو حصے کر دیئے گئے ایک حصہ پر عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو گورنر بنادیا اور دوسرے حصہ پر دوسرا والی مقرر کر دیا اور حضرت عمروؓ بن العاص کو گورنر جنرل مقرر کر دیا۔ امیر المومنین کے پیش نظر عدل وانصاف کی بنا پر

جہانبانی تھی محض جہانگیری نہ تھی۔

شام کی گورنری

اسی طرح ملک شام میں پہلے یزیدؓ بن ابوسفیان کو گورنر بنایا پھر ان کی وفات پر ان کے بھائی امیر معاویہؓ کو شام کی گورنری عطا کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یزید بن ابی سفیان اور ان کے بھائی امیر معاویہؓ بہترین جنگی صلاحیتوں کے مالک تھے اور اصول جہانداری کو خوب سمجھتے تھے چونکہ وہ ان علاقوں میں بطور نائب سپہ سالار فتوحات میں حصہ لیتے رہے ہیں اس لیے ان کو (امیر معاویہؓ) وہاں کا گورنر بنا دیا گیا۔

اس کے علاوہ شام کا ملک بہت زرخیز تھا جہاں یہودی اور عیسائی قومیں آباد تھیں اور یہ شام کا ملک ایشیائی اور یورپین اقوام کی گزرگاہ تھا۔ عرب کی تاریخ نے مغیرہ بن شعبہ، عمروؓ بن العاص اور امیر معاویہؓ کے دماغ کی ہمیشہ داد دی ہے۔ ملکِ شام کی حدود ملکِ حجاز سے ملتی ہے اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو شام جیسے ملک میں والی مقرر کر کے روم اور اسپین کی سرحدات کا خاطر خواہ انتظام فرمایا تھا۔ اس کے باوجود حضرت عمر فاروقؓ کی صولت اور دبدبہ کا یہ عالم ہوتا کہ جب کبھی امیرالمومنین کی طرف سے والی شام کو حکمنامہ پہنچتا تو ان کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی اور کسی حکم کی بجا آوری میں توقف ہرگز نہ ہونے پاتا تھا۔

کوفہ کی گورنری

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ملک ایران کی فتح میں ان کا نمایاں حصہ ہے جنگ قادسیہ میں انہوں نے ایرانی قوت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ فتح قادسیہ کے بعد انہیں پہلے مدائن پھر کوفہ کا گورنر بنا دیا گیا۔ لیکن معرکہ نہاوند کے موقعہ پر چند لوگوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے خلاف کچھ شکایات کیں۔ امیرالمومنین نے تمام حالات سے بے نیاز ہو کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو دارالخلافہ طلب کر لیا اور ان کی بجائے عبداللہؓ بن الیمان کو گورنر بنا دیا اور حضرت نعمان بن مقرن کو سپہ سالار مقرر فرما کر حکم دیا کہ وہ البرز پہاڑی کی طرف بڑھیں اور نہاوند کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیں بہر حال امیرالمومنین والیوں کے تقرر کے بارے میں پوری طرح تحقیق فرما لیتے اور جہاں کہیں کوتاہی پائی جاتی اس کو دور فرماتے اور اس گورنر کو معزول کر دیتے اور ایسا کرنے میں بڑے سے بڑے خطرہ کو مول لے لیا کرتے۔ بس ان کے پیش نظر عوام کی بہبودی تھی اور بس۔

قاضیوں کی تقرری

قاضیوں کی تقرری کے بارے میں خاص طور پر امیر المومنینؓ جانچ پڑتال کرتے بعض اوقات ان کا امتحان بھی لیتے۔ قاضی شریح کی تقرری کے بارے میں امیر المومنینؓ کا ایک واقعہ معنیٰ خیز ہے کہ امیر المومنین نے ایک گھوڑا خرید کیا اور کسی سوار کو دے دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغدار ہو گیا حضرت عمرؓ نے گھوڑے کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کر دیا۔ قاضی شریح سے اس کا فیصلہ لینا چاہا قاضی شریح نے فیصلہ دیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی ہے تو وہ واپس کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں...... امیر المومنینؓ نے فیصلہ سُن کر خوشی کا اظہار کیا اور اس کے بعد انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

رشوت کا انسداد

رشوت کو ختم کرنے کے لیے عہدیداران کی تنخواہیں بیش بہا تھیں۔ والی کی تنخواہ ایک ہزار درہم ماہوار تھی۔ قاضی کی تنخواہ پانچ سو درہم ماہوار تھی۔

امیر المومنینؓ جہاں گورنروں کو سادہ زندگی گزارنے کی تلقین فرماتے وہاں ان کی تنخواہوں کا بھی خیال رکھتے تھے اور ان کو معقول مشاہرہ دیتے تاکہ بحیثیت عامل کسی سے معمولی سے معمولی چیز بھی تحفہ کے طور پر وصول نہ کرنے پائیں اور کوئی دکاندار ان کو صوبہ کا والی سمجھ کر بازار کے نرخ سے کم قیمت پر کوئی چیز انہیں نہ دے۔ قاعدہ ہے کہ عہدہ داروں کی سادگی دیکھ کر عوام میں بھی ان کی تقلید کا خیال پیدا ہو جاتا ہے، اس طرح ملک اقتصادی بحران سے دوچار نہیں ہوتا۔

یوں تو امیر المومنینؓ کو پرچہ نویسوں کے ذریعہ ہر صوبہ کی اطلاع ہوتی رہتی اور جہاں کہیں ضرورت ہوتی اس کی اصلاح فرما دیتے لیکن بعض اوقات پرچہ نویسوں کی مبہم رپورٹ کے تحت اچھے صالح لوگوں پر مشتمل ایک کمشن بھیج دیا جاتا اور پھر ان کی جائزہ رپورٹ پر امیر المومنین فیصلہ فرماتے۔ اس کے بعد بھی گنجائش ہوتی کہ معتوب علیہ اگر چاہے تو اپنی صفائی پیش کر سکتا ہے۔

صوبہ عراق کی پیمائش

صوبہ کی آمدنی بڑھانے کے لیے حضرت امیر المومنینؓ نے عراق کے صوبہ کی پیمائش کروائی۔ اس

علاقہ کی پیمائش کا خیال سب سے پہلے اس لیے ہوا کہ امیر المومنینؓ نے ارادہ کیا کہ مفتوحہ علاقہ کی زمین ان کے سابقہ کاشتکاروں کو دے دی جائے اور زمین کی تہائی آمدنی ان سے لے لی جائے۔ صحابہ بار بار اس بارے میں مخالفت کرنے لگے۔ ان کو اصرار تھا کہ جن مجاہدین کی تلواروں نے علاقہ کو فتح کیا انہیں میں یہ زمین تقسیم کر دینی چاہیے اور وہاں کے لوگوں کو ان کا غلام بنا دیا جائے۔ امیر المومنینؓ کے سامنے خیبر کی مثال تھی، وہ چاہتے تھے کہ عراق کی زمین بھی وہاں کے اصلی کاشت کاروں کے سپرد کر دی جائے اور ان سے اس زمین کی تہائی آمدنی لے لی جائے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور چند حضرات کو یہ اصرار تھا کہ زمین کو مجاہدین میں تقسیم کر دینا چاہیے کیونکہ ان کی تلواروں نے ان علاقوں کو فتح کیا ہے۔

اس سلسلہ میں امیر المومنینؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کوفہ کے گورنر کو لکھا کہ عراق کی پہلے مردم شماری کروائی جائے تاکہ صحیح اندازہ ہو سکے کہ زمین کے بارے میں کیا کیا جائے؟ مردم شماری کی گئی تو یہ اوسط نکلی کہ ہر مجاہد کے حصے میں تین تین غلام آئیں گے اور اسی نسبت سے زمین آئے گی۔

عراق کی زمین کاشتکاروں کو دی گئی

مجلس شوریٰ بلائی گئی۔ سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ اگر مجاہدین میں زمین تقسیم کر دی گئی تو آئندہ فوج وغیرہ کے اخراجات کہاں سے پورے ہوں۔ امیر المومنین نے قرآن مجید کی آیت سے استدلال کیا کہ "لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ" اگر مجاہدین میں زمین تقسیم کر دی گئی تو وہاں کی بسنے والی قوموں کے ورثہ کے لیے کچھ باقی نہ رہے گا۔ اس نصِ قطعی کی روشنی میں اصول قائم کیا گیا کہ جو ممالک مفتوح ہوں گے ان کی اراضی فوج میں تقسیم نہ ہوگی بلکہ تمام علاقہ حکومت کے قبضہ میں رہے گا اور پہلے قابضین کو بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے تحت عراق کا بندوبست کروایا گیا۔

عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان نے پوری پوری پیمائش کی۔ قابل کاشت زمین کا رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوا۔ اس سے اوقاف، شاہی خاندان کی جاگیریں، جنگل، دریا بردا اور سڑکوں وغیرہ کی درستی میں آنے والے قریبی رقبہ جات کو خالصہ قرار دیا گیا جس کی سالانہ آمدنی ستر لاکھ تھی۔ یہ تمام رقم رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف کرنے کے لیے مختص کر دی گئی۔ بقیہ زمین کاشت کاروں کے قبضہ میں رہنے دی اور اس پر جنس وار لگان کی شرح مقرر کی گئی۔

شرح لگان	فی بیگھہ	نام جنس
دس درہم سالانہ	ایک بیگھہ	انگور، کھجور
چھ درہم سالانہ	"	نیشکر (گنا)
پانچ درہم سالانہ	"	کپاس
دو درہم سالانہ	"	گیہوں
ایک درہم سالانہ	"	جو

عراق کی کل آمدنی

اس طرح عشر وغیرہ سے عراق کی کل آمدنی پہلے آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ سالانہ تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی نرم پالیسی کے باوجود عراق کی مالگزاری دس کروڑ اٹھائیس لاکھ درہم وصول ہوئی۔

زیاد کے زمانہ میں دس کروڑ پانچ لاکھ سالانہ درہم۔

حجاج بن یوسف کے زمانہ میں دو کروڑ آٹھ لاکھ سالانہ درہم

مامون الرشید کے زمانہ میں پانچ کروڑ اڑتالیس لاکھ سالانہ درہم سے زیادہ نہیں ہوئی۔

دفاتر کی زبان وہی رہنے دی جو پہلے تھی

عراق کے علاوہ امیر المومنینؓ نے کسی اور علاقہ کی پیمائش نہیں کروائی بلکہ سابقہ بندوبست کو ہی قائم رہنے دیا اور دفتر کی زبان وہی رہنے دی جو پہلے تھی یعنی عراق اور ایران کا دفتر فارسی زبان میں، شام کا رومی زبان میں اور مصر کا قبطی زبان میں رہنے دیا۔

قبطی، پارسی اور یونانی لوگ جو ملازم تھے ان کو ان کی جگہوں پر برقرار رکھا البتہ جہاں غلطی معلوم ہوئی ان کی اصلاح کر دی۔

محکمہ آب پاشی

افتادہ زمین کو قابلِ کاشت بنانے کے لیے نہریں کھدوائی گئیں، بند باندھے گئے، تالاب تیار کروائے گئے اور محکمہ آبپاشی مستقل طور پر قائم کر دیا گیا۔

آبپاشی کے لیے صوبہ جات میں جو نہریں تیار کروائی گئیں۔ ان میں نہر امیر المومنین " مصر بہت قابل ذکر

ہے جس کے تیار کروانے کے لیے ایک لاکھ بتیس ہزار مزدور سال بھر تک کام کرتے رہے۔ اس کا تمام خرچ بیت المال سے ادا ہوتا تھا۔ اس طرح خوزستان اور آہواز کے علاقہ جات میں آبپاشی کے لیے بہت سی نہریں کھدوائی گئیں۔ بڑی بڑی نہروں کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں میٹھے پانی کی غرض سے تیار کی گئیں۔

نہر ابو موسیٰ

بصرہ کے لوگوں کا وفد امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ بصرہ کا علاقہ شور اور کلر ہونے کی وجہ سے ویران ہو رہا ہے۔ پینے کا پانی بہت دور سے لانا پڑتا تھا۔ اس کا خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیے امیر المومنینؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری گورنر بصرہ کو لکھا کہ دجلہ سے نو میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں پہنچائی جائے چنانچہ یہ نہر ابو موسیٰؓ کے نام سے تیار ہوئی جس کی وجہ سے بصرہ میں پانی گھر گھر پہنچ گیا۔

نہر معقل

یہ نہر دریائے دجلہ سے نکالی گئی۔ چونکہ اس نہر کی تیاری حضرت معقلؓ ایک صحابی نے کروائی تھی اس لیے اس کا نام نہر معقل پڑ گیا۔

نہر سعد

انبار والوں نے اس نہر کے کھدوانے کے بارے میں یزدجرد شاہ ایران کے پاس درخواست دی تھی لیکن علاقہ مفتوح ہونے کے بعد انبار والوں نے یہی درخواست حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے امیر المومنینؓ کے حکم سے سعد بن عمرو کو متعین کیا کہ اس نہر کو کھدوایا جائے۔ پہاڑی راستہ میں آ گئی جس کی وجہ سے کھدوائی کا کام قدرے رک گیا۔ اس کی تکمیل حجاج بن یوسف کے عہد ولایت میں ہوئی تاہم اس کا نام نہر سعد ہی رہا۔

یہ وہ نہریں ہیں جو آبپاشی کی وجہ سے تیار کی گئیں۔ ویسے کنوئیں، تالاب بند اور جوہڑوں کے ذریعے بھی آبپاشی ہوتی تھی اور جہاں کہیں آسانی سے مقامی طور پر نہر نکال کر آبپاشی کے فوائد متصور ہوتے اس کی اجازت دینے میں امیر المومنینؓ نے کبھی دریغ نہیں کیا۔ کھیتی باڑی کی طرف توجہ دینے سے ملک کی آمدنی میں معتد بہ اضافہ ہوا۔

آمدنی کی مدات

اس خراجی زمین کے علاوہ عشری زمین سے بھی بہت آمدنی ہوئی۔
عشری زمین کی تین قسمیں سمجھی جاتی تھیں :۔

۱ ۔ وہ زمین جس کے قابض شروع سے اسلام لے آئے جیسا کہ مکہ، مدینہ اور طائف کی زمین۔
۲ ۔ وہ زمین جو کسی ذمی کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی ہو اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں :۔

- مالک اراضی کے لاوارث ہونے کی وجہ سے
- حکومت نے اراضی اس کی بغاوت کی وجہ سے ضبط کرلی ہو۔
- اسلامی سلطنت کو چھوڑ کر خود ہی چلا گیا ہو۔
- اپنی مرضی سے زمین کسی کے حق میں چھوڑ دی ہو۔

۳ ۔ افتادہ زمین جو ویران ہونے کی وجہ سے کسی کی ملکیت نہ ہوئی تھی اس کو مسلمان نے آباد کرلیا ہو۔
مندرجہ بالا ہر سہ آئیٹمز عشری زمین کی تعریف میں آتے ہیں۔

عشری زمین پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فصل کا دسواں حصہ مقرر کردیا تھا جو زکوٰۃ کی مد میں شمار ہوتا تھا۔ عشری طریق پر زمین کا بہت سا ویران علاقہ آباد ہوگیا اور حکومت کے خزانہ میں اضافہ ہوگیا۔
ان مدات کے علاوہ آمدنی کے اور ذرائع بھی تھے۔ عشور، غنیمت کا مال خمس، زکوٰۃ وغیرہ بالخصوص عشور کی وجہ سے ملکی اور غیر ملکی تجارت کے مال کی بہت جگہ منڈیاں قائم ہوگئی تھیں، تجارت کے گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ لگادی تھی جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

اخراجات کی مدات

۱ ۔ فوج کے اخراجات
۲ ۔ پولیس کے اخراجات
۳ ۔ محکمہ قضاۃ کی تنخواہیں
۴ ۔ والیانِ ملک اور ان کے عملہ کی تنخواہیں۔
۵ ۔ وظائف
۶ ۔ روزینہ

۷ - متفرقات

۸ - نظارت نافع (پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ) کے تحت حسب ذیل عمارات تقسیم ہوا کرتی تھیں:۔

i - سرکاری عمارات

ii - نہریں

iii - سڑکیں

iv - پُل

v - شفاخانہ

vi - چوکیاں، مسافر خانہ، کنویں اور تالاب وغیرہ۔

vii - نئے شہروں کا آباد کرنا

محکمۂ دفاع

دفاع میں اچھی خاصی رقم خرچ ہوتی تھی۔ امیرالمومنینؓ نے اس محکمہ کی طرف خاص توجہ فرمائی۔

فوجی صدر مقامات

ممالک محروسہ میں فوجی صدر مقامات بنا دیئے گئے۔

۱ - مدینہ منورہ

۲ - کوفہ

۳ - بصرہ

۴ - موصل

۵ - فسطاط

۶ - دمشق

۷ - حمص

۸ - اُردن

۹ - فلسطین

فوجی چوکیاں

ان فوجی صدر مقامات پر بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں جو فوجی نقطہ نگاہ کے تحت بنائی گئی تھیں، اس کے علاوہ ضرورت کے تحت فوجی چوکیاں بے شمار تھیں۔ بعض صوبوں میں کثرت سے چھاؤنیاں بنائی گئیں مثلاً خوزستان کے علاقہ میں تھوڑے تھوڑے مقام پر چھاؤنیاں اور چوکیاں بنائی گئیں جو ضلعی ضروریات کے تقاضا کو پورا کرتی تھیں۔ ان کے لیے صحت افزا مقام کا ہونا نہایت ضروری تھا اور گرمی، سردی کے موسم کے مطابق فوج کشی کا حکم دیا جاتا تھا۔ گرم ملکوں میں سردیوں میں اور سرد ملکوں میں گرمیوں میں فوج کشی کی جاتی تھی۔

سپاہی کی ٹریننگ

سپاہی کو پانچ باتوں کی ٹریننگ ضروری تھی:۔

۱۔ تیراکی

۲۔ تیر اندازی

۳۔ شمشیر زنی

۴۔ شہ سواری

۵۔ پیدل چلنا

سپاہیوں کی چھٹیوں کا انتظام

تنخواہ باقاعدہ ہر سپاہی کو ماہوار ملتی رہتی۔ راشن اور بھتہ کا بھی مستقل انتظام تھا۔ باہر جنگی محاذات پر جو فوجیں ہوتیں ان کو سال بھر میں دو بار گھر آنے کے لیے چھٹی ملا کرتی۔ اس طرح اس کے بیوی بچوں کا بھی خیال رکھا جاتا اچھی کارکردگی پر ان کو انعام بھی ملتا اور ترقی بھی ہوتی۔

ہر کلمہ گو سپاہی ہے

اسلام نے چونکہ تمام مسلمانوں کو جہاد کی وجہ سے فوجی بنا رکھا ہے اور کوئی کلمہ گو اپنے آپ کو جہاد سے بری الذمہ نہیں ٹھہرا سکتا۔

اسلامی فوج کی قسمیں

اس لیے اسلامی فوج کی دو قسمیں ہیں :۔

۱ ۔ مستقل فوج

۲ ۔ ریزرو فوج

شروع شروع میں حضرت ابوہریرہؓ حاکم بحرین پانچ لاکھ درہم خراج کی صورت میں مدینہ منورہ لے کر آئے تو اس بارے میں تردد ہوا کہ کیا طریق اختیار کیا جائے۔ بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ ہوا کہ تمام مہاجرین اور انصار کے نام رجسٹر میں درج کیے جاویں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری کا خیال رکھا جاوے۔ چنانچہ رجسٹر میں نام درج ہوئے اور امیر المومنینؓ نے وظائف کی شرح مقرر فرمائی۔

نمبر شمار	وظیفہ حاصل کرنے والے کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں	سالانہ رقم بطور وظیفہ
۱ ۔	غزوہ بدر میں شریک ہونے والے	پانچ ہزار درہم سالانہ فی کس
۲ ۔	ہجرت حبشہ اور غزوہ احد میں شریک ہونے والے	چار 〃 〃 〃
۳ ۔	فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہونے والے	تین 〃 〃 〃
۴ ۔	فتح مکہ کے وقت مسلمان ہونے والے	دو 〃 〃 〃 〃
۵ ۔	قادسیہ یا یرموک کی جنگ میں شریک ہونے والے	〃 〃 〃 〃 〃
۶ ۔	اہل یمن	چار سو درہم سالانہ فی کس
۷ ۔	قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	تین سو 〃 〃 〃
۸ ۔	بلا امتیاز مذاہب	دو صد 〃 〃 〃
۹ ۔	مہاجرین اور انصار کے اہل و عیال	دو صد تا چار صد 〃 〃 〃
۱۰ ۔	شرکاء بدر کے اہل و عیال کے وظائف	دو ہزار درہم سالانہ فی کس
۱۱ ۔	غلاموں کے وظائف اسی نسبت سے مقرر ہوئے جس گروہ سے ان کے آقاؤں کی نسبت تھی یعنی آقا اور غلام میں کوئی فرق نہ تھا۔	

اس طریق پر فوجی چھاؤنیوں میں رجسٹرات تیار کیے گئے اس طرح ان کی تنخواہوں کا مسئلہ حل ہو گیا ہر سال فوج میں نئی بھرتی تیس ہزار کے قریب ہوتی۔ فوج میں عرب تو تھے ہی ان کے علاوہ رومی شامی، ایرانی اور ہندوستان کے زُط دجاٹ، بھی فوج میں شامل ہوتے تھے۔

مندرجہ ذیل محکمہ جات فوج سے منسلک تھے :۔

۱۔ پرچہ نویسی کا محکمہ

۲۔ سفر مینا کا محکمہ

۳۔ رسد وغیرہ انتظام کرنے والوں کا محکمہ

ان ہر سہ محکمہ جات کا تعلق محکمہ دفاع سے ہوتا تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں تمام ممالک محروسہ کی فوج آٹھ نو لاکھ کے قریب تھی۔

شہری انتظامات کے لیے پولیس کا محکمہ

شہری انتظامات کے لیے احداث کا محکمہ وجود میں آیا جن کا کام شہروں اور علاقہ جات میں لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کرنا اور انکی امداد کرنا تھا۔ صوبہ میں بھی ان کا بڑا افسر ہوتا جس کو صاحب احداث کہتے اور اضلاع میں بھی یہ محکمہ پھیلا ہوا تھا تاکہ عوام امن و امان کی زندگی بسر کریں۔ اس محکمہ پر بھی خاصا خرچ ہوتا تھا۔

محکمہ قضاۃ

امیر المومنینؓ نے عدلیہ میں عدل و انصاف کی اصل روح کو بیدار کیا۔ قاضی کا امتحان بھی لیا کرتے تھے جہاں کہیں مدعی یا مدعیٰ علیہ کی نسبت تھوڑی بہت طرف داری کا خیال محسوس کرتے وہیں قاضی کو ٹوک دیا کرتے تھے اور ان کی اصلاح فرما دیا کرتے تھے۔ قاضی سے توقع رکھتے کہ قاضی فریقین مقدمہ کو انصاف کی نظر سے دیکھے خواہ فریقین مقدمہ میں سے ایک فریق خلیفۂ وقت ہی کیوں نہ ہوں محکمہ قضاۃ کی شاخیں ہر ضلع میں پھیلی ہوئی تھیں اور ان کی تنخواہ بھی معقول ہوتی۔ مکانات وغیرہ کی بھی انہیں سہولت ہوتی۔ انہیں کے تحت جیل خانہ جات بھی ہوا کرتے تاکہ عدلیہ اور انتظامیہ کو لوگوں کے مقدمات وغیرہ میں دقت نہ ہو۔ اور مناسب انتظام وقت پر ہو جایا کرے۔ عادی مجرموں کو جیل خانوں میں کچھ عرصہ کے لیے بند رکھا جاتا تھا تاآنکہ وہ اپنے جرم کی سزا نہ بھگت لیں۔ ہر صوبہ اور ہر ضلع میں ایسی عمارات تھیں جن کو مجرموں کی سزا کے لیے بنایا گیا تھا۔

مارکیٹ کمیٹی

اشیاء خوردنی، پوشیدنی اور دیگر اشیاء صرف کی خرید و فروخت کے بارے میں چیکنگ کے

لیے محکمہ بنا ہوا تھا جو دکانداروں کے باٹ پیمانہ جات اور نرخ وغیرہ کو صحیح طور پر جانچ پڑتال کرتا تھا

محکمہ انسداد بے رحمی جانوراں

ایک اور محکمہ ہر ضلع میں ہوتا جو جانوروں پر زیادتی کرنے والوں کو اور ان پر زیادہ بوجھ لادنے والوں کو چیک کرتا تھا۔

وظائف کی تقسیم کا محکمہ

وظائف کی تقسیم کے سلسلہ میں اپاہج ، معذور ، لنگڑے لولے لوگوں کو وظیفہ ملتا تھا اور ان کا باقاعدہ ریکارڈ ہوتا تھا۔

پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ

عشور ، زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ کی وصولی کے لیے اگرچہ صاحب الخراج کا محکمہ تھا تاہم انتظامیہ کے تعاون سے ہی یہ محکمہ اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا۔

فوج یا فوج کے لگ بھگ جس محکمہ کے اخراجات تھے وہ نظارت نافعہ (پی ڈبلیو ڈی) کا محکمہ تھا۔ اس محکمہ کی سپردگی میں مندرجہ ذیل کام تھے جو مختلف مدات کے تحت آتے تھے۔

عمارات

۱۔ مذہبی عمارات مثلاً مساجد اور مکاتب وغیرہ کا تعمیر کرنا

۲۔ فوجی عمارات — قلعہ جات، چھاؤنیاں ، بارکیں وغیرہ تیار کرنا

۳۔ ملکی عمارات بنانا :

(ا) صوبہ میں دارالامارت کے عملہ کے لیے رہائشی مکانات بنانا اور ضلع میں سرکاری عمارات تیار کرنا۔

(ب) نہریں کھدوانا اور ان کے ہیڈ تیار کروانا

(ج) سڑکیں — شاہراہیں اور شہر کے گلی کوچہ کو تیار کرنا

(د) دریا اور نہروں پر پل وغیرہ کا انتظام

(ہ) فوجی چوکیاں — مسافر خانہ ، کوئیں ، تالاب اور بند وغیرہ تیار کروانا۔

(س) شفاخانہ یا پبلک کی عمارات کا بنوانا

(ص) نئے شہروں کا تیار کروانا اور آباد کروانا

مساجد کی تعمیر

مساجد کی تعمیر کا سلسلہ حضرت فاروق ؓ نے بڑے وسیع پیمانہ پر کیا۔ کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد کرنے کے لیے جب حکم دیا تو اس میں خاص طور پر ہدایت جاری کی کہ شہر کے مرکز میں ایک عظیم الشان مسجد بنائی جائے جہاں کم از کم چالیس پچاس ہزار نمازی نماز ادا کر سکیں۔ پھر حکم دیا کہ ان ہر دو شہروں میں جہاں جہاں عرب قبائل آباد کیے جائیں وہاں ان کے محلوں میں مساجد تعمیر کی جادیں۔ اسی طرح فسطاط کے شہر میں بھی مساجد تعمیر کی گئیں۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ کے دورِ خلافت میں قبائل جوق در جوق مسلمان ہو رہے تھے مسلمان ہونے کے بعد جس چیز کی سخت ضرورت ہے وہ مسجد ہے چنانچہ سرکاری خرچ سے بہت سی مساجد تیار ہوئیں پبلک نے بھی اپنی ضرورت کے تحت خود مساجد بنائیں۔ چنانچہ سرکاری خرچ سے جو مساجد تیار کی گئیں ان کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے۔

مکاتب کی عمارات بنائی گئیں

مکاتب کی عمارات جہاں جہاں ضرورت تھی وہاں بنا دی گئیں، مذہبی عمارات کا کام بھی نظارت نافعہ کے سپرد تھا۔ شروع شروع میں فوجی چھاؤنیاں گھاس پھوس کی ہوتیں جن کو بدستور رہنے دیا۔ لیکن بصرہ کی چھاؤنی میں آگ لگ جانے کی وجہ سے عامو میں تمام عمارتیں قریب قریب پختہ بنا دی گئیں۔

قلعہ جات پرانے ہی رہنے دیئے لیکن جہاں ضرورت ہوئی وہاں از سرِ نو تعمیر کر دیئے گئے یا حسب ضرورت ان کی مرمت کر دی گئی۔ گھوڑوں کے لیے اصطبل بنا دیئے گئے۔

عمارات کی دیکھ بھال کا کام بھی محکمہ نظارت نافعہ کے سپرد تھا تاکہ عمارات ضائع نہ ہوں۔ نہریں، پل، فوجی چوکیاں، سڑکیں اور رفاہ عامہ کی عمارات کی دیکھ بھال محکمہ نظارت نافعہ کے سپرد تھی۔

محکمہ زراعت اور آب پاشی

محکمہ زراعت کی ترقی کے سلسلہ میں نہروں کی کھدوائی اور تالاب وغیرہ کی تیاری میں بیت المال سے

اچھی خاصی رقم صرف ہوتی رہتی تھی۔ اس کے لیے سال بھر کا تخمینۂ خرچ لگایا جاتا تھا۔

تعلیم اور اشاعت اسلام

دُور دراز بستیوں میں قرآن پاک کی تعلیم کو ترویج دینے کے لیے مساجد اور مکاتب کو استعمال کیا جاتا تھا معلمین کی تنخواہیں مقرر تھیں۔ ذہین طلباء کو وظائف بھی ملا کرتے تھے وہ لوگ جو اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دلاتے ان پر سختی بھی ہوتی تھی۔ قرآن مجید کی تعلیم دینے میں خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا کہ صحیح طور پر پڑھایا جائے اور اعراب کی غلطی نہ ہونے پائے۔ جو شخص لغتِ عرب سے واقف نہ ہوتا اس کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کا حق نہیں ہوتا تھا۔

صحابہؓ میں پانچ قراء مشہور ہیں

مدینہ منورہ میں پانچ صحابہؓ مشہور قراء کی حیثیت سے معروف تھے۔

۱ ۔ حضرت ابی بن کعب

۲ ۔ حضرت ابوایوب انصاری

۳ ۔ حضرت معاذ بن جبل

۴ ۔ حضرت عبادہ بن صامت

۵ ۔ حضرت ابوالدرداء

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی ہے تین قراء کو حمص، دمشق اور فلسطین کی طرف تعلیم کی غرض سے بھیج دیا تھا۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوجہ بیماری باہر جانے سے معذرت پیش کر دی تھی۔ چنانچہ ہر سہ قراء کو مندرجہ ذیل مقامات پر بغرض تعلیم بھیجا۔

۱ ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو فلسطین بھیجا گیا۔

۲ ۔ حضرت عبادہؓ بن صامت کو حمص روانہ کر دیا۔

۳ ۔ حضرت ابوالدرداءؓ دمشق پہنچ گئے

یہ حضرات وہیں مقیم ہو گئے۔ فجر کی نماز کے بعد تعلیم دیا کرتے۔ ایک بار حضرت عبادہؓ بن صامت نے حمص

یں شاگردوں کا شمار کیا تو ایک ہزار چھ سو تھے۔

فوج میں بھی قرآن مجید کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا

فوج میں بھی سرکلر جاری کر دیا گیا کہ سپاہیوں اور ان کے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دی جائے۔ ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے امیر المومنینؓ کو لکھ بھیجا کہ میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں اور ناظرہ سب پڑھ سکتے ہیں۔

امیر المومنینؓ نے سپہ سالاروں اور والیان کو لکھا کہ ہر عہدیدار اور اہلکار کو سورۃ بقرہ، نسا، مائدہ حج اور نور سورتیں حفظ یاد ہونی چاہیے۔

علم وادب کی تعلیم

علم وادب کی تعلیم بھی لوگوں میں عام پھیلا دی تھی تاکہ قرآن فہمی میں سہولت پیدا ہو سکے لیکن شعراء کو سوقیانہ اشعار پڑھنے سے منع کر دیا تھا اسی طرح شعراء کو عہد قدیم کے طریق کے خلاف حکم دیا تھا کہ تشبیب لکھتے وقت عورتوں کے نام اور ان کے معاشقہ کے ذکر سے اجتناب کیا کریں۔

حدیث کی تعلیم

حدیث شریف کی تعلیم کے لیے بہت سے مرکز کھول رکھے تھے لیکن ہر شخص کو حدیث بیان کرنے کی اجازت نہیں تھی تا وقتیکہ وہ دو گواہ نہ لائے۔

فقہ کی تعلیم

فقہ کے بارے میں خال خال کو اجازت تھی کہ وہ فقہ کی تعلیم دیں۔ ویسے تو جمعہ کے روز بہت سے فقہی مسائل امیر المومنینؓ خود بیان کر دیا کرتے تھے اور اہم مسائل کے بارے میں سرکلر جاری کر دیئے جاتے تھے۔ بعض اوقات جب کسی مسئلہ میں الجھن پیدا ہو جاتی تو منتخب صحابہؓ کو دعوت دی جاتی، اگر وہ اس مسئلہ کو حل نہ کر سکیں تو جنرل اسمبلی میں اس کو رکھ دیا جاتا تاکہ کتاب وسنت کی روشنی میں متفقہ طور پر اس کا حل تلاش کیا جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عراق کی زمین کے بارے میں یہ صورت پیدا ہو گئی کہ زمین کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے یا ان ذمیوں کے پاس ہی رہنے دیا جائے جو پہلے سے کاشت کار چلے آ رہے ہیں۔ اجلہ صحابہؓ نے جب امیر المومنین کی مخالفت کی تو انہوں نے اس مسئلہ کو جنرل اسمبلی میں رکھ دیا چنانچہ

متفقہ طور پر یہ قانون پاس ہوا کہ عراق کی زمین کو سابقہ قابضین کے قبضہ میں رہنے دیا جائے۔

ترسیلِ ڈاک

ڈاک کی ترسیل کا خاطر خواہ انتظام تھا، پرچہ نویسوں کے ذریعے عوام کے نجی خطوط کے بھیجنے کا بھی بند و بست تھا اور مدینہ پاک میں تو بعض دفعہ امیر المومنین رض لوگوں کے گھروں میں جا کر خطوط دے آتے اور ان کے جواب بھی خود لکھ دیا کرتے۔

انتظامیہ کے ہر کام میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض کو اوّلیت کا حق پہنچتا ہے

اسی طرح دور دراز کے علاقوں میں بھی نجی خطوط وغیرہ سرکاری فرامین کے ساتھ آتے جاتے رہتے امیر المومنین رض کے نظامِ سلطنت کے بارے میں سطورِ بالا کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ عہدِ حاضرہ کا کونسا ایسا محکمہ ہے جس کی داغ بیل حضرت عمر فاروق رض نے نہیں ڈالی۔ ملکی، صوبائی اور ضلعی انتظامات میں کونسی خامی رہ گئی ہے جس پر موجودہ متمدن دور کا انسان انگلی رکھ سکتا ہے کہ یہ محکمہ اس زمانہ میں نہیں تھا۔

مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کی کون سی ایسی شق ہے جس میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض کے دورِ خلافت کو اولیت کا حق نہیں پہنچتا ہے۔ مقننہ کے بارے میں تو وضاحت ہو چکی ہے کہ اس کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول ہے اور اس کی روشنی میں بعض نئے مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے اگر مل گیا تو فبہا ورنہ مخصوص صحابہ کی مجلس میں وہ مسائل رکھے جاتے ہیں پھر اگر وہاں بھی تسلی و تشفی نہ ہو سکے تو جنرل اسمبلی میں عوام کے سامنے مسائل رکھ کر کتاب و سنت کی روشنی میں ان کا حل تلاش کر لیا جاتا ہے اور وہی اجماعِ امت کہلاتا ہے۔

امیر المومنین رض نے عدلیہ کو اس قدر آزاد رکھا تھا کہ وہ اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ کسی عدالت میں اگر وہ خود فریقِ مقدمہ بن کر جائیں تو ان کے ساتھ امتیازی سلوک رکھا جائے۔

انتظامیہ کے معاملہ میں کسی شہر یا اس کے مضافات میں کونسا ایسا شعبہ ہے جو آج عوام کے فائدہ کے تحت قائم کیا ہو اور اس کی ابتداء امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض کی خلافت میں نہ ہوئی ہو صوبائی اور ضلعی انتظامیہ کے دفاتر رفاہِ عامہ کے محکمہ جات، آبپاشی، نظارتِ نافعہ، انسدادِ بے رحمی جانوراں، مارکیٹ کمیٹی، ڈاک خانہ جات، شفا خانہ جات اور تعلیم و تدریس وغیرہ کے کون کون سے

ایسے محکمہ جات ہیں جن کا قائم کرنا دورِ حاضرہ کی متمدن اقوام نے ضروری سمجھا ہو اور اس کی اصل امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کے ساڑھے دس سالہ دورِ خلافت میں نہ ملتی ہو۔

شاید کسی کے دل میں یہ خیال چٹکیاں لے رہا ہو کہ ان کے زمانہ میں ذرائع آمدورفت میں بڑی دقت ہوا کرتی تھی لیکن اب سہولتیں ہی سہولتیں ہیں۔ اس بارے میں یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ دنیا میں اسٹیم سے کام پندرھویں صدی عیسوی سے لیا گیا ہے ورنہ اس سے پہلے دنیا کے کسی حصہ میں بھی اسٹیم انجن وغیرہ کا وجود نہ تھا۔ تاہم ذرائع آمدورفت میں جن سہولتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام مسافروں کو مہیا تھیں۔ کھانے پینے اور رہائش کے لیے خاطر خواہ انتظام ہوا کرتا تھا۔ جیب کترول لیٹروں اور ڈاکوؤں کا وجود نہیں تھا۔ لیکن آج اس متمدن دنیا کے اندر یہ گروہ مسافر کے ساتھ سایہ کی طرح متحرک ہے۔

شاید یہ خیال بھی پیدا ہو کہ سینما، جیم خانہ، کلب اور ریسٹورنٹ اس زمانہ میں نہیں تھے جہاں مسافر کو تفریحی مشاغل کا موقعہ مل سکے۔ مسلمان نہ سہی غیر مسلم اور ذمیوں کے لیے تو ان باتوں کی پابندی نہیں ہو سکتی جس معاشرہ کا ذکر ہو رہا ہے اس زمانہ میں خدا خوفی کا یہ عالم تھا کہ ایک مسلم نوجوان لڑکی اپنی ماں کو شام کے جھٹپٹے میں کہہ رہی ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے حکم جاری ہوا ہے کہ کوئی شخص دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کرے اس لیے دودھ میں ہمیں پانی نہیں ملانا چاہیے اس کی بوڑھی ماں نہ معلوم کس نظریہ سے کہتی ہے کہ اس وقت امیرالمومنینؓ تو دیکھ نہیں رہے۔ نوجوان لڑکی کتنا سیدھا، سادہ اور صاف جواب دیتی ہے کہ امیرالمومنینؓ تو نہیں دیکھ رہے مگر اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے۔ اتفاقاً امیرالمومنینؓ باہر کھڑے ہوئے یہ گفتگو سن لیتے ہیں جب کہ وہ اس خیمہ کے قریب گشت کی صورت میں پہنچے ہوئے تھے۔ خیمہ کا نمبر نوٹ کر لیا۔ صبح کو اس کی ماں سے اس لڑکی کا رشتہ اپنے لڑکے کے لیے طلب کرتے ہیں اس لیے کہ وہ لڑکی کی دیانت سے بہت متاثر ہو چکے تھے۔ آخر نکاح ہو جاتا ہے کچھ مدت کے بعد اسی لڑکی کا نواسہ عمر بن عبدالعزیزؒ اموی خلیفہ کی حیثیت سے مسندِ خلافت پر متمکن ہوتا ہے جس نے اپنی سوا دو سالہ دورِ خلافت میں ملوکیت کی تمام اختراعی رسم رواج کو توڑ کر از سرِ نو خلافتِ راشدہ کے اصول و نہج پر حکمرانی کی۔ تاریخ نے ان کے نیک اعمال اور نیک مقاصد کو کبھی فراموش نہیں کیا اور ان کا نام ہمیشہ خلیفہ راشد کی حیثیت سے لیا ہے۔

رہا ذمیوں اور غیر مسلموں کا مسئلہ کہ ان کے لیے تفریحی مشاغل کا ہونا کہاں تک ضروری ہے؟

حضرت عمر فاروقؓ کو ایک گورنر نے لکھا کہ اس صوبہ میں غیر مسلم کی اکثریت ہے اور وہ سؤر اور شراب

کا استعمال کرتے ہیں ان کو منع کر دیا جائے ۔ آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ ان کے کھانے پینے کی اشیاء ہیں البتہ ان سے کہا جائے کہ خفیہ طور پر ان کا استعمال کریں ، مذہبی معاملات میں بھی ان کی عبادت گاہوں میں کسی کو دخل دینے کی اجازت نہیں تھی ۔ گانا بجانا وغیرہ تو شاید ان کی عبادت کا ہی حصہ ہے ۔۔۔۔۔۔

یوں تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ کے اخلاقی اور روحانی اثرات تھے جس کی وجہ سے بڑے سے بڑا ظالم اور فتنہ پرداز انسان بھی ان کے سامنے دم نہیں مار سکتا تھا ۔ شکل دیکھ کر اتنی ہیبت طاری ہوتی کہ برائیوں سے توبہ کر لیتا ۔ بعض اوقات محض شکل دیکھ کر ہی مسلمان ہو جاتا اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ " کے تحت صدق و صفا ، دیانت و پاکیزگی اس دور کے معاشرہ کے خدوخال تھے جو آج عنقا ہیں ۔

اندریں حالات واشگاف الفاظ میں کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ کی خلافت سراپا رحمت تھی ، ان کی خلافت جملہ قسم کی سیاسی ، ملکی ، سماجی ، اقتصادی ، معاشرتی اور تمدنی ضروریات کے تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کر رہی تھی بلکہ ان کا نظام حکومت ہر راہ رو منزل کے لیے ایک روشنی کا مینار ہے جس کی روشنی میں چل کر ہی شرفِ انسانیت حاصل کیا جا سکتا ہے ۔

گزشتہ صفحات میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ کے نظامِ حکومت کے بارے میں بحث آ چکی ہے لیکن ان حقائق کے باوجود مخالفینِ اسلام نوجوان طبقہ کو بالخصوص اور عوام الناس کو بالعموم یہ تاثر دے رہے ہیں کہ ۔۔۔۔۔

اسلام صرف اعتقادات ، عبادات اور متقشفانہ طرز زندگی کا درس دیتا ہے اس میں معاملات کا بہت تھوڑا حصہ ہے وہ بھی جو ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت وغیرہ تک محدود ہے اور اس میں ملکی سیاسیات کا جزو مفقود ہے ۔ اگر ہے بھی تو کتابوں کی زینت ہے اور بس ۔ اس میں ملکی آئین بننے کی صلاحیت نہیں ہے جو زمانہ کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کو پورا کر سکے ۔ اس لیے مسلمانوں کو مجبوراً دنیا تے عالم کے مروجہ آئین کی طرف نظر اٹھانا پڑتی ہے ۔ اگر اسلام میں بھی ملکی سیاست کا وجود ہوتا تو صدارتی ، وفاقی ، پارلیمانی ، اشتراکی اور سوستانی نظام ہائے حکومت کی طرف للچائی نگاہوں سے کیوں دیکھا جاتا ؟ ۔۔۔۔۔۔ اور ان کے دروازوں پر بھکاری بن کر مسلمانوں کو کیوں جانا پڑا ؟ ۔۔۔۔۔۔۔

مخالفین اسلام کے ہتھکنڈے

ایسی ہی بے شمار فضول اور لایعنی قسم کی باتیں ہیں جو آئے دن مسلمانوں کے دل و دماغ پر مسلط کرنے کے لیے پراپگنڈا کی صورت میں پیش کی جاتی ہیں جس کی بنا پر کہنا پڑتا ہے

داستانِ عہدِ گل را بشنو از مُرغِ چمن
زاغہائے آشفتہ کے دانداں افسانہ را

اصل میں اسلام کے مخالفین نے اس بات کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ اسلام کے خلاف جہاں تک ممکن ہو سکے زہریلے جراثیم پھیلاتے رہیں اس طرح مسلمان نوجوانوں کو اسلام سے نفرت دلائی جائے گزشتہ کئی صدیوں سے استحقاقِ خلافت کے مسئلہ میں لوگوں کو الجھائے رکھا حالانکہ صحابہ کرامؓ نے چند گھنٹوں میں اس اہم مسئلہ کو حل کر لیا تھا۔ لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان قوم آج تک اسی طرح خلفشار میں الجھی ہوئی ہے جس طرح مخالفینِ اسلام نے ان کے ذہنوں میں یہ الجھن ڈال رکھی ہے۔ اس سلسلہ میں بارہا قیل وقال سے گزر کر تلوار بھی میان سے باہر آئی لیکن معاملہ جوں کا توں ہی رہا۔

سپہ سالار کی تلوار میں وہ کاٹ نہیں ہے
جو ایک مفتی کے قلم میں ہے

واقعات گزر جاتے ہیں لیکن منظم سازشوں کے اثرات نسلاً بعد نسلٍ قائم رہتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں شکست کھانے کے بعد فاتحین اقوام سے انتقام لینے کا بہترین طریق یہ سمجھا گیا ہے کہ ان کے خلاف کثرت سے بغض و عناد کے طومار کھڑے کر دیئے جائیں اور ان کے صحیح کردار کو کریہہ صورت میں پیش کر کے تحریرات کو "علمی سرمایہ" کی شکل میں اس طور پر چھوڑ دیا جائے کہ آنے والی نسلیں ان واقعات کی صحت اور عدمِ صحت کے بارے میں وُندنیں صرف کر دیں لیکن معاملہ میں نرمی کی بجائے شدت ہی پیدا ہوتی جائے۔ کسی بہت بڑے دانشور نے سچ کہا ہے کہ سپہ سالار کی تلوار میدانِ جنگ میں وہ کاٹ نہیں کر دکھاتی جو کسی مفتی کا قلم گھر بیٹھے بٹھائے خونچکانی کرتا رہتا ہے۔

استحقاقِ خلافت کے بارے میں تابڑ توڑ حملے ابھی ہو رہے ہیں کہ مغرب کے راستہ سے

الحادیت اور دھریت کا امنڈتا ہوا سیلاب "ریسرچ" کی صورت میں بڑھتا ہوا آرہا ہے۔ اس ریسرچ کا مقصد تحقیقِ حال نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو اپنے مذہب سے متنفر کرنا ہے۔ اسلام پر "استحقاقِ خلافت" کے سلسلہ میں پہلا وار ذاتی اور ملی انتقام کے لیے کیا گیا تھا لیکن مغرب کی طرف سے جو حملہ ہو رہا ہے وہ براہِ راست اسلام پر نہیں کیا جا رہا بلکہ اساطینِ اسلام کو ایک ایک کر کے گرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح اسلام کی چھت خود بخود نیچے آرہے گی

ادھر تو تاک میں صیاد اور ادھر بجلی
میں اپنی خیر مناؤں کہ آشیانہ کی

پہلے حملہ آوروں نے "اصحابِ ثلاثہ" کو ہدفِ طعن و تشنیع بنایا تھا اب "شیخین" کو اپنی جگہ پر رہنے دیا ہے لیکن خلیفہ ثالث کی ذاتِ گرامی کو تشتت و افتراق کا واحد سبب ٹھہرایا جارہا ہے اور ایسا مترشح ہو رہا ہے کہ اگر "ریسرچ" کی یہی حالت رہی تو خلیفہ ثانی کو ہی محور قرار دیا جائے گا، وہ بھی کسی مذہبی عقیدت کے تحت نہیں بلکہ اس لیے کہ اس اقتصادی بحران میں "محققین" کے پاس اس جلیل القدر خلیفہ کے نظامِ حکومت کو اپنی مدافعت میں پیش کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرق اور مغرب کی ان یلغاروں سے ہمارے ایمانوں کو بچائے اور صحیح سمجھ بوجھ عطا کرے! (آمین)

امیر المومنین کا نظامِ حکومت محض تجرباتی عمل نہیں تھا

راہ چلتے چلتے ان عوامل کی نشاندہی کی گئی ہے جو ایک سیدھے سادھے مسلمان کو راہِ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں ورنہ اصل موضوع امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے جس کے بارے میں بعض کوتاہ بین حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت محض تجرباتی عمل ہے جو ایک امیر نے ایک مختصر سی قوم اور محدود علاقہ کے اندر کر دکھایا ہے۔۔۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نظامِ حکومت تجرباتی عمل نہیں تھا بلکہ روزِ روشن کی طرح ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل زمین پر مختلف عقیدہ اور مختلف تہذیب و تمدن کے کروڑوں انسانوں میں جاری و ساری تھا۔

کاش اس نظامِ حکومت کا عشرِ عشیر بھی اس دکھیا دنیا کو نصیب ہو جائے تو یہی دنیا بہشت بن جائے۔

اے تصور پھر دکھا دے وہ صبح و شام تُو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تُو

غیر مسلم میدان جنگ میں مسلمانوں کے کردار کو دیکھ کر مسلمان ہو جایا کرتے تھے

دورِ خلافت میں سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلام کی اصل اور حقیقی روح کو قائم رکھا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ عین ..... میدانِ جنگ میں بھی بہت سے سردار مسلمان ہو جایا کرتے تھے اور ان کی وجہ سے ان کی تمام فوج حلقہ بگوشِ اسلام ہو جایا کرتی تھی۔ ملکِ شام کے عرب قبائل فوج کے کردار کو دیکھ کر ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ اس طرح ملکِ مصر میں قبطیوں نے مسلمانوں کے فوجی کردار کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔

یزدجرد شاہ ایران کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہر مقام پر اس کی فوج ٹکر لیتی رہی تاہم ہزاروں کی تعداد میں مجوسی مسلمان ہو گئے۔ وہ کام جو ایک تلوار میدانِ جنگ میں نہیں کر سکتی وہ فوج کے اخلاق نے آن واحد میں کر دکھایا۔ خاقان ترک نے جب یزدجرد شاہ ایران کی التجا پر مسلمانوں پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے اس نے خفیہ طور پر مسلمانوں کے اخلاق کے بارے میں اطلاعات حاصل کیں۔ خاقان ترک کو جب مسلمان سپاہیوں کے متعلق معلوم ہوا تو کہنے لگا کہ ایسی قوم سے لڑنا بے کار ہے۔

اسی طرح ایک محاذ میں ایک بہادر ایرانی سردار اسلامی لشکر سے شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ ایرانی سپہ سالار اس کو پکڑ کر سزا دینا چاہتا تھا۔ اس ایرانی سردار نے اپنے تیر کو ایک پتھر پر مار کر اس پتھر کے دو ٹکڑے کر دیئے اور کہنے لگا جس قوم پر یہ ہمارے تیر کچھ اثر نہیں کر سکتے اور اس قوم کے اپنے تیر جو محض لوہے کے تکلے ہیں انہوں نے بڑے بڑے سورماؤں کے سینے چھید کر رکھ دیئے ہیں، ایسی قوم کے ساتھ اللہ کی امداد ہے اس قوم سے لڑنا بے فائدہ ہے۔

یوں تو آپ نے گزشتہ صفحات میں پڑھا ہوگا کہ رستم وزیر دفاع کے دربار میں ایک صحابیؓ سفیر بن کر جاتے ہیں۔ اس کی جرأت، بے پروائی اور بے باکی کو دیکھ کر تمام دربار سناٹے میں آجاتا ہے۔ رستم اس صحابیؓ سے پوچھتا ہے تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ بھرے دربار میں وہ صحابیؓ اسلام کی تبلیغ کرتا ہے اور اپنا موقف پیش کرتا ہے۔ ..... اس کے بعد رستم اس کے تیر کو دیکھ کر ازراہِ تمسخر کہتا ہے کہ یہ لوہے کے تکلے میدانِ جنگ میں کیا کام آتے ہوں گے؟ جواب میں وہ صحابیؓ فرمانے لگے کہ دشمن کے سینہ میں ٹھیک پیوست ہو جاتے ہیں۔ پھر نیزے کی انی دیکھ کر رستم نے کہا کہ لڑائی میں

یہ کیا کام آئے گی؟ جواب دیا کہ دشمن کے سینے کو چھید دیتی ہے.....

بہر حال ہر مقام پر فوج کے کردار کو دیکھ کر لوگ حیران ہو جاتے تھے..... کردار کی بلندی کا خیال کیجئے کہ ایک محاذ میں شاہ مقوقس کی بیٹی قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہو کر آتی ہے. وہ قیصر روم کے لڑکے قسطنطین سے بیاہی گئی تھی اور اب تمام گرد و فر کے ساتھ اپنے نئے گھر میں جا رہی تھی کہ راستہ میں قلعہ بلبیس (مصر) کے محاصرہ کے ٹوٹنے پر وہ بھی گرفتار ہو جاتی ہے پھر حضرت عمرو بن العاص سپہ سالار کے سامنے اسیر جنگ کی حیثیت سے پیش کی جاتی ہے۔

لوہے کی تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق کی تلوار سے اسلام پھیلا ہے

سپہ سالار اسلام کیا کام کرتا ہے؟ اس لڑکی ارمانوسہ کو نہایت احترام کے ساتھ بمعہ ساز و سامان اس کے باپ شاہ مقوقس کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ پھر وہ باپ اگر سپہ سالار اسلام اور فوج کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کی بجائے ان سے صلح کر لیتا ہے اور ان کا معاون بن جاتا ہے تو وہ کون سی سیاسی غلطی کر بیٹھتا ہے؟ اس کی رعایا اگر ہر مقام پر مسلمان فوجوں کے اخلاق کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیتی ہے تو اسلام کے مخالفین "اسلام تلوار سے پھیلا ہے" کہہ کر کیا اپنے بغض کا ثبوت پیش نہیں کر رہے ہیں؟

ان واقعات کو دیکھ کر اقرار کیوں نہیں کر لیتے کہ "اسلام اخلاق کی تلوار سے پھیلا ہے" "لوہے کی تلوار سے نہیں پھیلا" وہ شاید اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ لوہے کی تلوار جسم کے ٹکڑے کر سکتی ہے دل کو فتح نہیں کر سکتی اور اخلاق کی تلوار جسم و قلب دونوں کو مفتوح کر لیتی ہے۔

دام ہر کس کے بگیرد در بیابان وحش و طیر
دست اعجاز محبت گردن آہو گرفت

مسلمان سپاہی میدان جنگ میں بھی اپنے قول و فعل سے سراپا تبلیغ ہوتا ہے

حقیقت میں اسلام کے مجاہد جو میدانِ جنگ میں جایا کرتے تھے وہ اپنے قول و فعل سے

سراپا تبلیغ تھے، جہاں وہ گئے ان کی بدولت اسلام گھر گھر پھیلتا رہا۔ ہر مقام پر لڑنے سے پہلے سپہ سالار کو ہدایت ہوتی تھی کہ وہ دعوتِ اسلام پیش کرے، اگر اس سے انکار ہو تو ذمی ہو کر رہنے کی شرط کو پیش کیا جاتا تھا، اگر یہ شرط بھی قابلِ قبول نہ ہو تو تلوار فیصلہ کے لیے میان سے باہر آتی تھی۔ پھر لڑائی میں بھی بچوں، بوڑھوں، اپاہجوں، راہبوں اور عورتوں پر کسی وقت بھی دست درازی نہ کی جاتی تھی حتیٰ کہ جانوروں کو بھی بلا وجہ ذبح نہیں کیا جاتا تھا۔ پھل دار درخت نہ کاٹا جاتا، کسی کے معبد کو نہ گرایا جاتا تھا، ان کے رسم و رواج میں مداخلت نہ کی جاتی تھی۔ ان باتوں میں اگر تجاوز ہوتا یا عہد پورا کرنے میں کوتاہی ہوتی تو فوراً امیر المومنینؓ کی طرف سے بازپرس ہوتی اور وہ بازپرس اتنی سخت ہوتی کہ بڑے بڑے جیالے اور نڈر سپہ سالار جی چھوڑ بیٹھتے اور ان کو امیر المومنینؓ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ ایسے بے شمار واقعات تھے جن سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے تھے۔

میدان جنگ میں مجاہدین کی تعداد کفار کے مقابلہ میں ہمیشہ بہت کم ہوا کرتی تھی

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے فتوحات کے باب کو مختصر لکھا ہے...... تفصیلات اور جزئیات میں جانے کی کوشش نہیں کی اس لیے نہیں کہ مجاہدین کے واقعات کو کم اہمیت دی جائے اور اس کی بجائے امورِ سلطنت پر زیادہ بحث کی جائے بلکہ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت سے لے کر حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت تک اور مابعد کے خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی کون سی ایسی جنگ لڑی گئی ہے جس میں مسلمان فوج کی تعداد کفار لشکر کے برابر ہی رہی ہو.. مسلمان فوج اور کفار کے لشکر کی تعداد میں اکثر ایک، دس کی نسبت رہی ہے ایسا تو کوئی محاذ جنگ پایا ہی نہیں گیا جہاں مسلمان فوج کی تعداد کفار کے مقابلہ میں تہائی سے تجاوز کر گئی ہو۔

پھر ساز و سامان اور اسلحہ کے لحاظ سے کفار کے ساز و سامان سے بھی مسلمانوں کی کوئی نسبت نہیں رہی۔ بھوکے پیاسے صحابہؓ نے تنکے جیسے تیروں سے دیو ہیکل پہلوانوں کو ان کی سرزمین میں خاک و خون میں تڑپا دیا ہے۔

عراق، شام اور ملک مصر میں کُل جنگیں

۳۵/۳۰ کے قریب ہیں

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سب سے زیادہ عراق عجم اور ایران میں اس سے کم ملکِ شام میں اور سب سے کم ملکِ مصر میں جنگیں لڑی گئی ہیں۔ ان تمام جنگوں کی تعداد کو شمار کیا جائے تو تیس ۳۰، پینتیس ۳۵ سے زائد نہیں ہیں جو ان ہر سہ ممالک کو فتح کرنے کے لیے عہد فاروقی میں مجاہدین کو لڑنا پڑی ہیں۔ یوں تو جب دشمن کے ملک میں فوجیں گھس جائیں تو ہر مقام پر اور ہر قدم پر جنگ ہوتی ہے...... آگے رستہ لینے کے لیے رسد اور سفر مینا کے انتظامات کے سلسلہ میں، اور مفتوح علاقہ کو قبضہ میں رکھنے کے لیے ہر محاذ پر فاتحین کو چوکس رہنا پڑتا ہے۔ اگر ایسی اتفاقی، حادثاتی اور مدافعاتی جنگوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو تعداد سینکڑوں تک پہنچ جائے گی لیکن اصل جنگیں جو باقاعدہ الٹی میٹم دے کر لڑی گئیں ہیں ان کی جانچ پڑتال کی جائے تو تعداد.... بہت کم رہ جاتی ہے مثلاً ملک عراق اور فارس میں بویب، قادسیہ، بصرہ، شہر، مدائن، جلولاء، الجزیرہ، آہواز، نہاوند وغیرہ مقامات پر ایسی جنگیں لڑی گئی ہیں جہاں دشمن نے اپنی طاقت کا پورا پورا مظاہرہ کیا ہے۔ ایک ایک لاکھ کے لگ بھگ دشمن کی فوج ہر محاذ جنگ پر ہوتی تھی۔ قادسیہ، جلولاء اور نہاوند کے مقامات پر تو دشمن نے دو، دو، تین، تین لاکھ فوج کیل کانٹے سے لیس کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں بھیجی تھی اور اس کے علاوہ کمک ہر مقام پر باقاعدہ پہنچ رہی تھی۔ ادھر مسلمان فوج ہر محاذ پر تیس چالیس ہزار سے متجاوز نہیں ہوتی تھی۔ عام حالات میں تو آٹھ دس ہزار یا پندرہ بیس ہزار کی تعداد کو ہی کافی سمجھا گیا ہے۔

پھر مسلمان فوج کے پاس مقابلہ کے لیے ہتھیار کون سے ہیں؟ یہی نا، تلوار، نیزہ، تیر اور وہ بھی پرانی طرز کے اور اکثر زنگ آلود، تیر ہیں تو بے ڈھنگے سے جیسے چرخے کے تکلے ہوتے ہیں...... گھوڑے اور اونٹ جنگ میں سواری یا سفر مینا اور رسد وغیرہ پہنچانے کے لیے ہوتے تھے۔ البتہ عربی گھوڑے عربوں کا قیمتی سرمایہ ہوتا تھا جو جنگ میں اپنے مالک کا پورا پورا ساتھ دیتا تھا۔

اوّل تو دشمن کی فوج ہی زرہ پوش ہوتی پھر دیو پیکر جنگی ہاتھیوں کی مکمل قطاریں بھی میدان جنگ میں لا کھڑی کی جاتی تھیں۔ ان مہیب اور وحشت خیز جانوروں کو دیکھ کر عربی گھوڑے بھی بدک بدک

جایا کرتے تھے۔ عربوں کو ان وحشی جانوروں کے دیکھنے کا اتفاق ہی میدان جنگ میں ہوا کرتا تھا ورنہ اس سے پہلے تو عربوں نے انہیں دیکھا بھی نہ تھا۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ ملک عربوں کا اپنا نہ ہوتا تھا جس کے خفیہ راستوں اور گھاتوں سے مسلمان سپاہی واقف ہوں۔

عربوں کے مقابلہ میں ایرانی لشکر کو ہر طرح کی سہولت ہوتی

فریقین میں قلت وکثرت کا فرق ہر محاذ پر نمایاں تھا۔ اس کے علاوہ عربوں کے مقابلہ میں وہ لوگ تھے جو قوت کے نشہ میں سرشار تھے اور صدیوں سے حکمران چلے آ رہے تھے۔ جس نے پندرہ سال پہلے رومیوں کو ناک چنے چبوا دیئے تھے پھر کچھ عرصہ کے بعد تاج وتخت کی تبدیلیوں کی وجہ سے رومیوں سے مار کھا کر ان سے مصالحانہ رویہ اختیار کر چکے تھے۔ تاہم کیانی اور ساسانی خاندان کی عظمت اور شہرت نے بڑے بڑے دیو پیکر جنگجو اور بہادر سپہ سالار پیدا کر دکھائے تھے۔ ان کے مقابلہ میں عرب بادیہ نشین ہونے کے علاوہ فنون سپہ گری کے اصولوں سے ناواقف تھے ..... ہاں اگر انہوں نے کچھ واقفیت بھی حاصل کی تھی تو یہی کہ میدانِ جنگ میں ایسا کوئی موقعہ آگیا تو فوراً اس کا توڑ سوچ لیا اور بس۔

پھر بھی تو ایک حقیقت ہے کہ ان عربوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی دنیا کی جنگ آزمودہ فوج سے لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ان تمام مادی قوتوں کے فقدان کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ کسی محاذِ جنگ میں بھی عربوں نے شکست نہیں کھائی۔ اس کے مقابلہ میں کسریٰ طاقت اور کسریٰ اقتدار ملیامیٹ ہوگیا۔ لکھوکھا انسانوں کے خون سے زمین لالہ زار ہوگئی۔

ان تمام فاتحانہ برتری کے باوجود مجاہدینِ اسلام کی ایک مثال بھی تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی جہاں دشمن سے معاہدہ کر چکنے کے بعد یا علاقہ کو مفتوح کر لینے کے بعد انہوں نے عہد شکنی کی ہو یا حربی دشمنوں کے علاوہ کسی بوڑھے، بچے، اپاہج، راہب اور عورت کو قتل کیا ہو حتیٰ کہ پھل دار درخت کو بھی نہیں کاٹا گیا۔ ایسا تو ہوا کہ سپہ سالار جابان کو نمارق کے محاذ پر ایک مجاہد حضرت مطرؓ بن فضہ

ؔ جنگ جسر شعبان ۱۳ھ میں ہوئی یہ شکست نہیں تھی بلکہ سپہ سالار اور مجاہدین کے دل میں جذبہ شہادت کارفرما تھا اور بس۔ یہی جذبہ جنگ موتہ ۸ھ میں سپہ سالار کو اور مجاہدین کو رومیوں کے مقابلہ میں لے گیا تھا۔

زندہ گرفتار کرلایا۔ سپہ سالار جابان دھوکے سے اپنے بدلے میں دو غلام دے کر اس مجاہد سے امان حاصل کرلیتا ہے اور وہ سپہ سالار آزاد ہوکر جارہا ہے کہ دوسرا مجاہد اس سپہ سالار کو پہچان کر اپنے سپہ سالار ابوعبیدہ بن مسعود ثقفیؓ کے پاس لے جاتا ہے۔ سپہ سالار جابان کہتا ہے کہ آپ کے سپاہی نے مجھے امان دے دی ہے اور آپ کے ہاں عہد شکنی نہیں ہے۔ حضرت مطرؓ بن فضہ کو بلایا گیا انہوں نے کہا کہ واقعی میں نے اسے امان دے دی ہے۔ مسلمان سپہ سالار نہ صرف دشمن کی فوج کے سپہ سالار کو چھوڑ دیتا ہے بلکہ بحفاظت تمام اس کو اس کے کیمپ میں پہنچا دیتا ہے۔ ایسی مثال ایک بھی نہیں ملتی جہاں سپہ سالار تو درکنار، امان کے معاملہ میں ادنیٰ سپاہی نے بھی عہد شکنی کی ہو۔ اگرچہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کو قومی نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

مسلمانوں کے دو ہتھیار حوصلہ اور اخلاق کی بلندی

اخلاق کی بلندی ان بادیہ نشینوں میں کہاں سے پیدا ہوگئی اور اس قدر جرأت اور دلیری سیدھے سادھے مسلمانوں میں کہاں سے آگئی؟ ...... یہ ایک سوال ہے جو ہر کس و ناکس کے ذہن میں شعوری یا لاشعوری طور پر ابھرتا۔ اس کا تسلی بخش جواب تو آپ آئندہ سطور میں مطالعہ فرمائیں گے یہاں تو یہ بتانا ہے کہ مسلمان فوج کے پاس لوہے اور فولاد کے بنے ہوئے ہتھیاروں کے علاوہ دو ہتھیار اور بھی تھے، حوصلہ اور اخلاق کی بلندی۔

دشمن کی فوج کے پاس ہر قسم کی مادی قوت تھی لیکن حوصلہ بالعموم اور اخلاق کی بلندی بالخصوص یہ دو ہتھیار نہیں تھے ورنہ تعداد کی کثرت، اسلحہ کی فراوانی اور قومی عصبیت کا جذبہ یہ تمام باتیں ان میں موجود تھیں اس کے باوجود وہ میدانِ جنگ سے یہ کہہ کر بھاگ جاتے کہ "دیواں آمدند، دیواں آمدند" ....

بہرحال حوصلہ اور اخلاق کی بلندی کے دو ہتھیار مسلمان مجاہد کے پاس ہر وقت موجود رہتے تھے اور ان دونوں ہتھیاروں سے وہ ہر وقت کام لیتا تھا۔

حوصلہ سب ہتھیاروں سے بڑا ہتھیار ہے

کہتے ہیں کہ اکبر بادشاہ (شہنشاہِ ہند) باوجود ان پڑھ ہونے کے چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہمیشہ غور کیا کرتا تھا جو اس کو ملک گیری اور ملک داری کے معاملہ میں کام دیتی تھیں۔ ایک دن وہ آگرہ قلعہ میں بیٹھا

ہوا تھا ایک وزیر سے بات چل نکلی کہ ہتھیاروں میں سب سے بڑا اور کام آنے والا ہتھیار کون سا ہے؟ وزیر نے سوچ کر عرض کی کہ حوصلہ سب سے بڑا ہتھیار ہے جو وقت پر ہمیشہ کام آتا ہے۔ بادشاہ کے لیے یہ جواب تسلی بخش ثابت نہ ہوا۔ بادشاہ نے بات تو سن لی لیکن اس کی عملی صورت دیکھنے کے لیے ایک تدبیر نکالی۔ وزیر دو گھنٹے کے بعد جب رخصت ہو کر گھر جانے لگا تو شاہی فیل خانہ کے ایک مست ہاتھی کی زنجیر کھلوا دی اور جونہی وزیر قلعہ سے نکل کر گھر جا رہا تھا، سامنے وہ مست ہاتھی اس وزیر پر حملہ آور ہوا۔ وزیر کے ہوش بجا تھے اور حوصلہ قائم تھا، وہ بھاگنے کی بجائے وہیں رک گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کس چیز سے مدافعت کی جائے۔ قریب ہی کتے کا ایک پلا سویا پڑا تھا وزیر نے ٹانگ سے پکڑ کر ہاتھی کی سونڈ پر دے مارا۔ پلے نے پہلے چلانا اور بھونکنا شروع کر دیا اور اب جو ہاتھی کی سونڈ پر لگا تو اور زیادہ کریہہ آواز سے بھونکنے لگا۔ مست ہاتھی نے اس آواز کو سنا اور ناگہانی حملہ کو دیکھ کر اپنا پیچھا چھڑانا چاہا۔ جس راستہ سے آیا تھا اسی راستے سے چنگھاڑتا ہوا فیل خانہ کی طرف بھاگ گیا۔ اکبر بادشاہ یہ تمام نظارہ قلعہ کے جھروکہ سے دیکھ رہا تھا۔ وزیر نے اسی وقت بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ حضور نے دیکھا کہ اس وقت میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا صرف حوصلہ کا ہتھیار تھا اسی سے میں نے اپنی مدافعت اور بچاؤ کی صورت نکالی ہے۔

حوصلہ، اخلاق کی بلندی، ایمان والیقان
کی دولت ہر مجاہد کے پاس ہوا کرتی تھی

اس واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حوصلہ بہت زبردست ہتھیار ہے اور جب اس حوصلہ کے ساتھ کردار کی بلندی شامل ہو جائے اور ایمان والیقان کی دولت مسلمان مجاہد کے پاس ہر وقت ہر آن موجود رہے تو دنیا کی کونسی طاقت ہے جو اس مجاہد پر غالب آ سکتی ہے؟ اور ایسا کونسا محاذ ہے جو یہ مجاہد سر نہ کر سکے؟ اور ایسا کونسا دل ہے جس کو یہ چند منٹوں میں جیت نہ لے؟ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حوصلہ اور اخلاق کی بلندی اور ایمان والیقان کی دولت اس مجاہد کو کہاں سے میسر آئی ہے؟

آیا کہاں سے نالہ نَے میں سرور مے؟
اصل اس کی نَے نواز کا دل ہے یا چوب نَے؟

عراق اور ایران کی طرح سے ملک شام میں یرموک، دمشق، بیسان، حمص، انطاکیہ، حلب،

اجنادین، بیت المقدس وغیرہ مقامات پر مسلمانوں کو عہدِ فاروقیؓ میں جنگیں لڑنا پڑیں اور اگر دیکھا جائے تو یرموک، دمشق، انطاکیہ، اجنادین میں دشمن نے بے انتہا فوج میدان ہائے کارزار میں مقابلہ کے لیے بھیج رکھی تھی جس کی تعداد بعض مقامات پر دو تین لاکھ تک پہنچ جایا کرتی تھی، ان کے مقابلہ میں مسلمان بمشکل تمام پچیس، تیس ہزار ہوتے لیکن نتیجہ وہی برآمد ہوتا جو قدرت کو منظور ہوتا۔

اخلاق کی بلندی مسلمانوں کو ہر مقام پر فتح دلواتی رہی

رومی ایرانیوں کی نسبت تدبر اور سیاست میں ماہر تھے۔ قلعہ بند ہو کر لڑنا خوب جانتے تھے مگر محاصرہ خواہ دو ماہ رہے یا چار ماہ آخر جب بھی رومی میدان میں نکل کر حملہ آور ہوتے تو عبرتناک شکست کھاتے، لاکھوں انسانوں کو خاک و خون میں تڑپا کر معاہدہ کر لیتے۔ ایرانیوں کی نسبت رومیوں نے بہت جلد اپنی شکست کو تسلیم کر لیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جب ہرقل نے مسلمان مجاہدین کے اوصاف اپنے کسی جاسوس کی زبان سے سنے کہ مسلمان سپاہی دن کو گھوڑوں کی پیٹھوں پر رہتے ہیں اور رات مصلّٰی پر عبادت میں گزارتے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ "اگر ان کی حالت یہ ہے تو وہ عنقریب اس جگہ پر بھی قابض ہو جاویں گے"۔

ویسے دمشق کی فتح میں رومیوں نے دیکھ لیا تھا کہ سارے شہر کو صلح کے ذریعہ مفتوح سمجھا گیا ہے۔ کسی کے جان و مال سے تعرض نہیں کیا۔ اسی طرح کی اخلاق کی بلندی ان کو اس فیصلہ سے سمجھ آگئی جبکہ اہلِ حمص کو جزیہ کی لاکھوں روپے کی وصول شدہ رقم صرف اس لیے واپس کر دی گئی کہ مسلمان اس وقت اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کما حقہٗ کر سکیں۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو مسلمان مجاہدین کے اخلاق کی بلندی کو ظاہر کر رہے ہیں۔ اور ان کے اس اخلاق سے متاثر ہو کر تمام ملکِ شام مفتوح ہو گیا اور فلسطین بغیر کشت و خون کے مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

فوجیوں کے کردار سے متاثر ہو کر مصر کے لوگ جلد مسلمان ہو گئے

ملکِ مصر میں فرما، بلبیس، باب لیون، کریون اور اسکندریہ کے مقامات پر مسلمانوں کو جنگیں لڑنا پڑیں۔ اس میں باب لیون، کریون اور اسکندریہ کی جنگوں میں دشمن نے پوری طاقت سے حملہ کیا، جہاں تعداد میں بعض محاذات پر دشمن نے دو، تین لاکھ سے مدافعت کی۔ مسلمان

فوج مقابلہ میں بیس و پچیس ہزار کے لگ بھگ ہوتی لیکن ہر مقام پر فیصلہ کن شکست رومیوں کو ہی ہوا کرتی تھی۔ برقہ اور طرابلس کی طرف پیش قدمی کرنے میں بھی مسلمانوں کو کوئی دقت پیش نہ آئی۔

حوصلہ اور اخلاق کی بلندی کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟

ان تمام جنگوں کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کا مقابلہ ہر مقام پر اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقت رکھنے والے دشمن سے ہوتا رہا جو مسلح ہونے کے علاوہ اپنے ملک میں بیٹھے ہوئے ہر طرح کمک اور رسد وغیرہ کی سہولتوں سے بہرہ ور ہوتے رہتے تھے۔ اس کے برعکس مسلمان ہزاروں میل کا سفر طے کر کے پہنچتے، راستہ کی صعوبتوں اور ان گنت دشواریوں میں مالی اور جانی نقصان اٹھاتے تاہم فتح اور نصرت ان کے قدم چومتی، مصری، شامی، قبطی، مجوسی ان بادیہ نشین دورافتادہ عربوں کے آگے گھٹنے ٹیک دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ دیکھتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مادی قوت کے علاوہ ان عربوں کے پاس حوصلہ اور اخلاق کی بلندی کے نہ ٹوٹنے والے ہتھیار ہوتے اور ایمان والیقان کی دولت کے خزانہ ان کے جلو میں ہوا کرتے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان عربوں نے اس دولت کو کہاں سے حاصل کیا؟ حوصلہ اور اخلاق کی بلندی کے ہر دو ہتھیار ان کو کس فیکٹری سے دستیاب ہوئے ہیں؟ جن کی کاٹ کے سامنے بڑے سے بڑا ٹڈی دل لشکر بھی مولی گاجر کی طرح کٹ کر ختم ہو جاتا تھا، اور جب دشمن اخلاق کی بلندی کے ہتھیار سے ان کے چوکھی وار کو دیکھتا تو اپنے آپ کو بے اختیار پاکر ان کا دل و جان سے گرویدہ ہو جاتا ہے اور پھر مصاحبت کے شرف سے ایسا متاثر ہوتا کہ اپنی چال ڈھال کو ان عربوں کے سانچے میں ڈھال کر فخر محسوس کرتا یہ دونوں ہتھیار جس فیکٹری سے تیار ہوتے ہیں اور ایمان والیقان کی دولت جس خزانہ سے دستیاب ہوتی ہے اس کے نام و نشان سے تو آپ واقف ہو چکے ہونگے۔

دُنیا کی تمام بُرائیاں سمٹ کر عربوں میں جمع ہو گئی تھیں

مجھے تو رہ رہ کر ان عرب بادیہ نشینوں کی ابتدائی زندگی پر تعجب ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام بُرائیاں سمٹ سمٹا کر جزیرہ نمائے عرب کے بسنے والوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھیں۔ عورت کو ایک بکاؤ مال سمجھا جاتا تھا، کھلے بندوں اس کی تشہیر کی جاتی، قصائد کی تشبیب میں ان کے معاشقے کا ذکر نام لے کر کیا جاتا اور پھر اس پہ بھی فخر کیا جاتا...... لڑکی کسی کے گھر میں پیدا ہو جائے جب تک اس کو زندہ درگور نہ کر لیتے چین سے نہ بیٹھتے تھے اور ایسا بھی ہوا کہ ماں نے ماتا کے تحت خاوند کی عدم موجودگی میں اس نومولود بچی

کو کسی پڑوس کے ہاں تربیت اور پرورش کے لیے چھوڑ دیا اور جب وہ سن بلوغ کو پہنچتی تو راز کھلنے پر باپ کو غیرتِ قومی مجبور کرتی کہ وہ اسے تن تنہا جنگل میں لے جا کر گہرا گڑھا کھودے اور اس میں اس نوخیز بیٹی کو شماتتِ اعداء کی وجہ سے دھکا دے اور پھر منوں مٹی اپنے ہاتھوں سے اس پر ڈالتا ہے اور وہ معصوم بچی اپنے باپ کو توتلے منہ سے فریادی بن کر پوچھے کہ اے میرے آبا! کس جرم کی پاداش میں تو مجھے زندہ دفن کر رہا ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ، بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ؕ" ایسے دل خراش مشاغل سے دل بہلانا ان لوگوں کا عام طریقہ ہو گیا ہو، جہاں ماں کے ساتھ بھی بیٹا نکاح کر سکتا ہو اور سگی بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھ لینا ان کا روزمرہ کا معمول ہو، اپنے اونٹ کو سب سے پہلے پانی پلانے پر اگر جھگڑا کھڑا ہو جائے تو صدیوں تک خاندانوں میں تلوار چلتی رہے اور زمین ان نوجوانوں کے خون سے لالہ زار ہو جائے اور پھر وہ جنگ بھی نو باقاعدہ جم کر نہ لڑی جاتی جو ایک دوسرے کے کس بل دیکھ کر خود بخود ٹھنڈی ہو جاوے۔ انتقام کو بطور وصیت اولاد کے ذمہ لگایا جاتا ہو اور ایسے فخر و مباہات کو قومی شعار سمجھ کر بڑے بڑے میلوں اور اجتماعات میں شعراء بیان کر کے از سر نو جنگ کی آگ بھڑکاتے رہتے ہوں ...... زنا، شراب، جوا، پانسہ اور ڈکیتی کو کوئی عیب نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ اس پر فخر کیا جاتا ہو آزادی اور خود سری کا یہ عالم کہ تمام عرب کو نہ کشور کشائی کا کبھی موقعہ ملا ہو اور نہ ہی ایک جھنڈے تلے جمع ہونے کی انہیں سعادت نصیب ہوئی ہو، ہاں ایک بات میں ان کا اتفاق ہو جاتا ہے کہ رجب، ذلیقعد، ذوالحجہ اور محرم الحرام کے مہینوں کا احترام کرتے۔ یہ چار ماہ حج کے اہتمام میں گزر جاتے کیونکہ وہ لوگ اپنے آپ کو خانہ کعبہ کے متولی سمجھتے تھے اس لیے وہ موسم گرما اور سرما میں مختلف ممالک میں بے خوف و خطر تجارت کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔ شام، مصر، فلسطین اور عراق کے لوگ ان متولیانِ کعبہ کی عزت کرتے، ان کو اپنے ہاں پناہ دیتے ایسے ہی اوصاف تھے جو ان چٹیل پہاڑوں کے دامن میں بسنے والے لوگوں میں پائے جاتے تھے۔

ایسے علاقہ میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے

پھر اللہ کی شان ہے کہ ایسی سرزمین میں ایک نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، جن کی پاکیزہ تعلیم سے تیئس سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ جزیرۃ العرب مشرف باسلام ہو گیا۔ اس تیئس سال کے عرصہ میں بالتدریج حسبِ ضرورت قرآن پاک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ انہوں نے اپنی حیاتِ طیبہ میں قرآن پاک کا درس اپنے قول و فعل سے دیا۔ ان کی پاک صحبت میں

رہ کر وہ لوگ ایسے بدل گئے کہ اب لڑکیوں کو قتل کرنے والے لڑکیوں کو جائیداد میں حصّہ دینے والے، چور اور ڈاکو انسانیت کے رکھوالے، بدکردار اور بدکار عفت اور عصمت کے محافظ بن گئے۔ بلکہ یوں سمجھا جائے کہ انسان کے روپ میں وہ فرشتے نظر آنے لگے۔ چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، مرنا جینا سب کچھ ان کا اللہ کے حکم کی بجاآوری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کے تابع ہو گیا۔ ان کی اپنی کوئی مرضی نہ تھی جہاں بٹھایا بیٹھ گئے، جہاں کھڑا کیا کھڑے ہو گئے، لڑنے کے لیے کہا تو لڑ پڑے اور جب صلح کے لیے کہا تو صلح کر لی یعنی ان کا ہر لمحہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت، خوشنودی اور رضا جوئی میں گزرتا تھا۔ بیوی بچوں سے تعلقات قائم کرنے کے لیے حکم دیا تو تعلقات قائم ہو گئے، جب ان سے تعلقات منقطع کرنے کا حکم دیا تو منقطع ہو گئے۔ بہرحال اس تیئس ۲۳ سالہ زندگی میں ایسی قوم پیدا ہو گئی جس کے سامنے کتاب اللہ اور سنت رسول کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری صحابہ کرامؓ کا مقصد حیات تھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کی وجہ سے روحانیت میں اتنا بلند مقام حاصل ہو گیا کہ دنیوی اور مادی اشیاء ان کی نظر میں پرکاہ کی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ سر میں سودا ہے تو یہی کہ دین کی سربلندی ہو، خیال ہے تو یہی کہ اشاعت دین اور تبلیغ اسلام کا کام سرانجام ہو، آرزو ہے تو یہی کہ موت آئے تو شہادت کی ہو۔

ہر وقت توجہ الی اللہ، عبادت میں استغراق، خشوع و خضوع، صفائی قلب اور قطع علائق کے اوصاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہ کر حاصل کرتے رہے پھر قرآن پاک کی تعلیم دل و جان سے قبول کرتے اور اس پر عمل کرتے۔ سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں وقت گزارتے...... اطاعت گزاری کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" کی آیت مبارکہ کو سن کر ایک صحابیؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے میرا باغ بہت پسند ہے اب میں اس کو اللہ کی راہ میں وقف کرتا ہوں۔ اللہ کے رسول نے جب کبھی اپیل کی ہے تو استطاعت سے بڑھ کر حصّہ لیا۔ ایک نے نصف مال لا کر پیش کر دیا، دوسرے نے ایک تہائی فوج کا خرچ برداشت کیا اور ہزار سرخ دینار لا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ڈال دیئے، تیسرے نے گھر کا تمام اثاثہ خدمت اقدس میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ کسی نے سوچا کہ میں اس معاملہ

میں کیوں پیچھے رہوں - وہ رات بھر کسی کے کھیت میں آبیاری کرتا رہا - صبح کو حق الخدمت کے عوض کچھ کھجوریں ملیں وہی چھپا کر پیش کرنے کی کوشش کی صرف اس خیال سے کہ حقیر شے ہے لیکن قبول کرنے والے نے کس شان سے اس کی پیش کش کو نوازا کہ سب سے اونچی جگہ پر ان کھجوروں کو رکھا۔ حق تو یہ ہے کہ اس کے ہاں خلوص کی قیمت ہے اور بس۔

عورتوں میں یہ تبدیلی پیدا کر دی کہ ایک عورت کو بتایا جاتا ہے کہ تیرا بھائی غزوۂ اُحد میں شہید ہو گیا ہے - وہ سن کر پوچھتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اور ساتھ ہی اُحد پہاڑ کی طرف بھاگی جا رہی ہے کہ راستہ میں اسے بتایا گیا کہ تیرا باپ شہید ہو گیا ہے - وہ بیقراری میں بھاگی جا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد کچھ لوگ آتے ہیں اور اس کو بتلاتے ہیں کہ تیرا لڑکا شہید ہو گیا ہے - وہ بے قراری میں پوچھتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر اس کی نظر پڑتی ہے، دیکھتے ہی کہتی ہے کہ الحمد للہ! اب سارے دُکھ دور ہو گئے اور رنج و غم جاتا رہا۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(غزوۂ بدر میں دو کمسن بچوں کا کارنامہ)

بارہ بارہ، تیرہ تیرہ سال کے دو بچے جنگِ بدر میں شریک ہوتے ہیں - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوٹے کمسن سمجھ کر میدانِ جنگ میں نہیں لے جاتے - ان میں سے ایک لڑکا اپنے پنجوں کے بل تن کر کھڑا ہو گیا - اس طرح اس کا قد ذرا بڑا معلوم ہوا - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچہ کو بھرتی کر لیتے ہیں لیکن دوسرا بچہ بضد تھا کہ اسے بھی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت فرمائی جائے نہیں تو میری اس لڑکے سے کشتی لڑوا دی جائے جس کو ابھی ابھی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دی ہے۔ اگر میں اس کو پچھاڑ دوں تو مجھے بھی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے - دونوں میں کشتی ہوتی ہے - کشتی میں بعد کا لڑکا پہلے منتخب لڑکے کو پچھاڑ لیتا ہے - آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو کو جنگ میں شریک کر لیتے ہیں۔

جنگ شروع ہوتی ہے تو وہی دونوں لڑکے ایک صحابیؓ سے پوچھتے ہیں کہ ابو جہل کون سا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا کرتا تھا انہوں نے اشارہ سے بتایا، فوراً دونوں

لڑکے باز کی طرح ابوجہل پر جھپٹتے ہیں اور اس کو مار گراتے ہیں اگرچہ ان میں سے ایک خود بھی اس جنگ میں جامِ شہادت نوش کر جاتا ہے لیکن جذبۂ محبت اور عشقِ رسول کے قربان جایئے کہ اس آہن پوش دشمنِ اسلام کو قتل کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ یہ عشق و محبت کے جذبات اس لیے پیدا ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرمایا ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهِ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ۝

"یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو کھول کر بیان کر دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی اور اپنی بیویاں اور تمہارے اپنے کنبے کے لوگ اور مال و متاع جس کو تم جمع کرتے ہو اور تجارت جن کے خسارہ سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے اپنے مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو یہ تمام خویش اقارب اور تمام اشیاء جن کا ذکر ابھی ابھی گزرا ہے نہیں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پسند ہیں تو پھر کچھ دیر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں قطعی حکم صادر فرمائے اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے"۔

اس واضح حکم کے نزول کے بعد جو کوئی مسلمان جس کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے سے دنیاوی علائق مانع ہو سکیں اور رکاوٹ پیدا کریں تو قرآن پاک کے الفاظ میں ایسے لوگوں کو اللہ کی ناراضگی کے احکام سننے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

پھر جو شخص میدانِ جنگ سے بھاگے اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور ساتھ ہی فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہو جاتے ہیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس بات کا شعور نہیں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کو رزق پہنچایا جاتا ہے لیکن تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے۔

پھر مقابلہ کے لیے تو واضح طور پر فرما دیا کہ قلت وکثرت کا خیال نہیں رکھنا چاہیے اور بعض دفعہ قلیل تعداد کثیر تعداد پر غالب آجاتی ہے اللہ کے حکم سے۔

جہاد کی ترغیب

سورۃ انفال میں کھلے الفاظ میں فرمایا ہے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ○ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○

یعنی اے نبی! شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا اگر ہوں تم میں سے بیس شخص ثابت قدم غالب ہوں دو سو پر، اگر ہوں تم میں سے سو آدمی تو غالب ہوں ہزار کافروں پر اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب ترا بوجھ ہلکا کیا اللہ نے تم پر اور جانا کہ تم میں سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سے سو آدمی غالب ہوں دو سو پر، اگر ہوں تم میں سے ہزار آدمی غالب ہوں دو ہزار پر اللہ کے حکم سے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اسی طرح کی بے شمار آیات ہیں جن میں جہاد کے بارے میں تاکید فرمائی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی زندگی کے تیرہ سال تک صبر اور جفاکشی کی تعلیم دی مصیبت، دکھ اور ظلم وستم کو برداشت کرنے کا عملی درس دیا۔ آخر ہجرت کا حکم ہو جاتا ہے اس وقت دس سالہ مدنی زندگی میں کفار سے لڑنے کی اجازت مل جاتی ہے۔

شوق شہادت کا جذبہ ہر صحابی میں پایا جاتا تھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں صحابہ کرامؓ غزوات میں شرکت کرتے رہے۔ مادی سامان یعنی اسلحہ وغیرہ تو ان کے پاس مختصر سا ہوتا ہے لیکن ایمان وایقان کی دولت نے انہیں

شہادت کی موت مرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ لکھو کھا ایسے واقعات ہیں کہ شوق شہادت میں صحابہ کرامؓ نے کبھی قلت و کثرت کا خیال نہیں کیا بلکہ عراق کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اسلامی سپہ سالار نے وہاں کے حکمرانوں کو کیا خوب الفاظ لکھ بھیجے کہ اسلام قبول کر لو تم ہمارے بھائی ہو، ورنہ ذمی کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کر دو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو میں ایک ایسی قوم لے کر آیا ہوں جو موت کو ایسا ہی پسند کرتی ہے جیسے تم جینے کو یا موت کو ایسا پسند کرتی ہے جیسے تم شراب کو پسند کرتے ہو.....

کیا ان الفاظ میں حقیقت نہیں ہے؟

یوں تو جو شخص یا قوم مرنے سے نہیں ڈرتی اس کا مقابلہ کوئی نہیں کرتا۔ روزمرہ کے واقعات میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو سر ہتھیلی پر رکھ لیتا ہے وہ کر گزرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یہی مرنے کا سبق جب شوق شہادت کی شکل میں پیش کیا جائے تو بڑی سے بڑی طاقت مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی۔ پھر اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تو مقام ہی کچھ اور ہے، اس لیے یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ خلفائے راشدینؓ کے دورِ خلافت میں جتنی جنگیں لڑی گئی ہیں ان میں دشمن کی فوج کئی گنا ہوتی اور پورے طور پر کیل کانٹے سے بھی لیس ہوتی۔ مسلمان مقابلہ میں ایک اور دس کی نسبت سے ہوتے پھر بھی فتح مسلمانوں کو ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا کہ بیس ثابت قدم مسلمان دو سو کفار پر غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اور سو ثابت قدم مسلمان ایک ہزار کفار پر غالب آئیں گے اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ پھر صحابہؓ کا تو معاملہ ہی کچھ اور ہے، وہ تو یقینیات کے اس درجہ تک پہنچے ہوتے تھے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو جنتی ہونے کی بشارت دیتے ہیں تو وہ جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ پاتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو سن کر صحابہ کرامؓ کو یقین کی دولت ہاتھ آجاتی تھی

ایک صحابیؓ ایک غزوہ میں کھجوریں لاپرواہی سے کھا رہا تھا اتنے میں وہ نوجوان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتا ہے کہ اگر میں لڑ کر مر جاؤں تو مجھے جنت مل جائے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ اس نوجوان نے ہاتھ سے بقیہ کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سونت کر میدانِ جنگ میں کود پڑا اور دشمنوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ گویا حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر ہی جنت اسے نظر آگئی۔ جو اس کا انتظار کر رہی ہے۔ اس لیے اس نے بلا توقف لڑ کر جان دے دی۔

یہ تو میدانِ جنگ کا حال ہے عام مجالس میں بھی صحابہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو آنکھوں دیکھا سمجھتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور اس کی عقل اس کو باور کرے یا نہ کرے لیکن صحابہؓ کے دل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان کو قبول کرتے تھے۔

ایک صحابیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتا ہے کہ یا رسول اللہ! مجھے جنت کیسے مل سکتی ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کلمہ توحید پڑھ، پانچ وقت نماز ادا کر، رمضان المبارک کے روزے رکھ، زکوٰۃ کی ہمت ہے تو زکوٰۃ دے اور حج کرنے کی استطاعت ہے تو حج کر۔ وہ صحابی دوبارہ عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ! ایسا کرنے سے میں جنت میں چلا جاؤں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ہاں" وہ صحابیؓ کہنے لگا کہ خدا کی قسم! نہ میں اس سے زیادہ کروں گا اور نہ کم۔ یہ جواب سن کر حضور اکرم فرمانے لگے کہ جس نے جنتی کو دیکھنا ہو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ یہ جملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر فرطِ مسرت سے بے قابو ہو گیا۔ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کہہ کر جان بحق ہو گیا یقینیات کا مقام اس سے بڑا اور کون سا ہو سکتا ہے؟

صحابہؓ کو قلت و کثرت سے کوئی واسطہ نہیں تھا

اس لیے ایسی قوم جو صحابہؓ کے نام سے پکاری جاتی ہے وہ اگر قادسیہ، نہاوند، جلولار، یرموک، انطاکیہ، دمشق، باب لیون، کریون اور اسکندریہ کے جنگی محاذات میں اپنے سے ذرا چند زیادہ افواج سے بے سروسامانی کے باوجود لڑ کر فتح یاب ہو جاتی ہے تو کونسی اچھنبے کی بات ہے؟ ایسی قوم سے تو دنیا کی کوئی قوم بھی ٹکر نہیں لے سکی۔ اس بارے میں تعداد کی قلت و کثرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

صحابہؓ میدان جنگ کے سپاہی نہیں تھے بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتے آسمان سے اتر آئے ہیں

اسلام لانے سے پہلے عرب کیا تھے؟ اعرابی، غیر مہذب، بھیڑ بکریاں اور اونٹوں کو چرانے

والے نخلستان کی تلاش میں در بدر مارے مارے پھرتے لیکن اسلام لانے کے بعد دنیائے عالم کے متمدن ترین انسان اور زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرنے والے ہو جاتے۔

یہی وجہ ہے کہ "صحابیت" نے ان کے مقام کو بہت بلند کر دکھایا۔ ان عربوں کے اخلاق میں بلندی پیدا ہو گئی تھی اور شوقِ شہادت کے جذبے نے انہیں بے پناہ جرأت اور حوصلہ پیدا کر دیا تھا یہی وجہ ہے کہ میدانِ جنگ میں وہ مجاہد ہی نہ تھے بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے فرشتے اتر آئے ہیں جو ملکوں میں امن و امان قائم کر رہے ہیں۔

اب اصل موضوع کی طرف لوٹتا ہوں کہ

اگر حضرت عمرؓ کا ملکوں کو فتح کرنے کا ہی منصوبہ پیش نظر ہوتا اور تاریخ میں فاتح عالم بننے کا انہیں خیال ہوتا تو حضرت خالدؓ بن ولید کو ادنیٰ سی لغزش پر پہلے نائب سپہ سالار اور پھر معزول کر کے انہیں گھر کیوں بٹھا دیا ہوتا؟

تاریخ نے آج تک حضرت خالدؓ بن ولید ایسا سپہ سالار نہیں دیکھا جس کا نام ہی بڑے بڑے سورماؤں اور بہادروں کے جسموں میں کپکپی پیدا کر دیا کرتا تھا، ان کے ہاتھ میں کمان کا ہونا دشمن کی موت تھی، دعوتِ مبارزت میں بڑے سے بڑا سورما اور بہادر اپنی جان بچا کر واپس اپنے کیمپ میں نہیں جا سکتا تھا۔

سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید کا رعب اس قدر تھا کہ دشمن فوج کا سپہ سالار اپنے فوجیوں کا دل اس طرح سے بڑھایا کرتا تھا کہ اب کمان خالدؓ بن ولید کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ ایسی تلوار (سیف اللہ) کے ذریعہ فاتح عالم کہلانے کے لیے عہد فاروقیؓ میں اسے ہمیشہ کے لیے بے نیام رکھتے لیکن ہوتا کیا ہے؟ کہ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلا کام امیر المومنینؓ نے یہ کیا کہ عین محاذِ جنگ میں حکم بھیجا جاتا ہے کہ خالدؓ بن ولید کو نائب سپہ سالار بنا دیا جائے۔ اور ان کی بجائے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے۔

امیر المومنینؓ محض فاتح نہیں تھے بلکہ فوج کے مورال کو بلند کرنے والے تھے

یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ امیر المومنینؓ فوج میں بھی کردار کی پختگی اور اخلاق کی بلندی کا درس عملی طور پر

دینا چاہتے تھے۔ امیرالمومنینؓ کے پیش نظر فتوحات نہ تھیں بلکہ اسلام کا اخلاقی آئیڈیل (IDEAL) تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۷ھ میں حضرت خالدؓ بن ولید کو معزول کر کے گھر بٹھا دیا گیا تاکہ فوج کا مورل (MORALE) نہ گرنے پائے۔ اس کی مفصل بحث صفحات گزشتہ میں گزر چکی ہے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران کو اس وقت معزول کیا جب کہ نہاوند کا فیصلہ کن معرکہ ہونے والا تھا۔ مغیرہؓ بن شعبہ، ابوموسیٰؓ اشعری اور عمارؓ بن یاسر کو ایسی ہی وجوہات کی بنا پر ان کو فرائض منصبی سے سبکدوش کیا گیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ کا خیال تھا کہ ان کو معزول کر دیا جائے، اپنی شہادت کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے اگرچہ بعد میں حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ثالث نے فاروقیؓ منشا کے مطابق انہیں معزول کر دیا تھا۔

امیرالمومنینؓ کا اسکندر یا چنگیز خاں وغیرہ سے مقابلہ

اندریں حالات حضرت عمر فاروقؓ کا اسکندر مقدونی، چنگیز خان اور ہلاکو خاں وغیرہ فاتحین سے مقابلہ کرنا عدل و انصاف کا منہ چڑانا ہے۔ اسکندر وغیرہ ..... فاتحین کے پیش نظر ملکوں کا فتح کرنا ہوتا تھا انسانیت سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہ ہوتا تھا۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے تو فوج کے ادنیٰ سے ادنیٰ سپاہی کے بھی کردار میں بلندی پیدا کرنا تھا۔ ملک مصر میں اسکندریہ کے محاذ پر جب محاصرہ کیے کئی مہینے گزر گئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے جولیس رز، اسکندر مقدونی، چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کی طرح یہ نہیں فرمایا کہ اس شہر کو تباہ و برباد کر کے کھنڈرات میں تبدیل کر دیا جائے اور وہاں ایک بھی ذی روح زندہ نہ رہنے پائے۔ اور زمین کو خون سے لالہ زار کر دیا جائے وغیرہ وغیرہ .... بلکہ سپہ سالار حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم سے کتاب و سنت پر پورے طور پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہی ہوئی ہے ورنہ حق کے مقابلہ میں باطل اتنی دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ تمام لوگوں کو جمع کر کے سنا دیا جائے اور وہ غور کریں کہ کون سی کوتاہی ہوئی ہے.....

سپہ سالار نے امیرالمومنینؓ کا فرمان پڑھ کر سنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جانباز جان ہتھیلی پر رکھ کر سیڑھیوں کے ذریعہ قلعہ کے اندر کود پڑے اور اسی دن شہر فتح ہو گیا۔ پھر مفتوحین کو امان دی گئی۔

اللہ اللہ! کتنا پاکیزہ اور بلند خیال ہے کہ حق کے مقابلہ میں باطل اتنی دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ آپ لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کی بجاآوری میں کوتاہی کی ہے اس کا محاسبہ ہونا چاہیے۔

ان فتوحات کو دنیا کے فاتحین کی فتوحات سے مقابلہ کرنے کی کونسی تک ہے؟ چہ نسبت خاک

رابعہ عالم پاک۔

ے در عشق و ہوسناکی دانی کہ تفاوت چیست
آں تیشہ فرہادی ایں حیلۂ پرویزی

بدیں وجہ مقابلہ میں ہر محاذِ جنگ پر دشمن کی ڈیڑھ لاکھ فوج کو پچیس تیس ہزار مجاہدین اگر شکست دیں تو اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ اس لیے کہ جس قوم کے دستور میں یہ وضاحت کر دی گئی ہو کہ اللہ کے حکم سے بیس ثابت قدم مسلمان دو سو کافروں پر غالب آئیں گے اور ایک سو ثابت قدم مسلمان ایک ہزار پر غالب آئیں گے۔

پھر ان لوگوں نے اس ثابت قدمی کا درس اور عملی سبق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر سیکھا بھی ہو اور وہ صحابہؓ کے مقدس نام سے بھی موسوم ہوں جس سے بڑا شرف نبوت کے بعد اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان صحابہؓ کے مقابلہ میں دنیا کی کونسی طاقت ہے جو ٹھہر سکے اس لیے یوں سمجھنا چاہیے کہ ان قدسی صفات انسانوں کا کفار سے مقابلہ حق و باطل کا مقابلہ ہے۔

امیر المومنینؓ کا عربوں کو غیر ممالک میں آباد نہ کرنا

حضرت عمر فاروقؓ کا عربوں کو عراق میں زمین نہ دینے اور کاشت وغیرہ سے روکنے کا مطلب بھی یہی تھا کہ اس طرح ان صحابہؓ اور ان کی اولاد میں جرأت، دلیری، ثابت قدمی کی صفات اور جہاد کا شوق آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گا وہ محض صبح سے شام تک زمین کو بونے اور کاٹنے کے چکر میں لگے رہیں گے اور اپنے اصلی جوہر کو کھو دیں گے۔

ویسے اگر دیکھا جائے تو زرعی علاقہ جات کے باشندے زمین کے ہیر پھیر میں اپنے شب و روز ایسے گزار دیتے ہیں کہ دنیا کے حالات سے انہیں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ بھی انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے پڑوس کے علاقہ جات میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ ان کے پڑوس میں بسنے والے سیاسیات میں کتنے آگے نکل گئے ہیں۔ حکومت کے ادلنے بدلنے نے ملک کو کہاں تک نفع یا نقصان پہنچایا ہے کاشتکار کو تو اپنے کام سے ہی غرض ہوتی ہے اور بس۔ اس کا حساب و کتاب سال

ے عشق اور ہوسناکی میں تو جانتا ہے کہ کیا فرق ہے؟ وہ فرہاد کا تیشہ ہے اور یہ پرویز کی حیلہ جوئی ہے۔

کے اہتمام پر ہوتا ہے۔ اس کی اولاد دینی اور دینوی علوم سے بے بہرہ رہتی ہے۔ اس کے برعکس وہ علاقہ جات جہاں فیکٹریاں اور کارخانہ جات ہیں اور مزدور ان میں کام کرتے ہیں وہ ان کاشت کاروں کی نسبت ملکی سیاست کے بارے میں زیادہ واقفیت رکھتے ہیں۔ اگران مزدوروں کے حقوق کو کوئی کسی وقت غصب کرنا چاہتا ہے تو اس کا محاسبہ کرنے کے لیے وہ مزدور اجتماعی طور پر کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسے مشاہدات روزمرہ دیکھنے میں آتے ہیں۔

یہ اس لیے کہ مزدور نے روز کا روز یا زیادہ سے زیادہ مہینہ کا حساب کرنا ہے جب کہ کاشتکار نے سال کے بعد اپنے نفع اور نقصان کو دیکھنا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کاشتکاری کا پیشہ اچھا نہیں سمجھا گیا۔ آج کل تو اکل حلال " کی تھوڑی بہت صورت اسی پیشہ میں ہی پائی جاتی ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کاشتکار کو حق گوئی بے باکی۔ جرأت اور تدبر کے اصلی جوہر کی تربیت کے مواقع بہت کم میسر ہوتے ہیں۔

ع ہر کسے را بہر کارے ساختن

امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ نے خوب غور کیا کہ صحابہ کرام ؓ اور ان کی اولاد میں جہاد فی سبیل اللہ کے جوہر آہستہ آہستہ ختم ہو جاویں گے، پھر تبلیغ و ارشاد اور جہاد وغیرہ کے لیے انہیں تیار کرنا بہت مشکل ہو جاوے گا اس لیے امیر المومنین ؓ نے صحابہ کرام ؓ اور ان کی اولاد کو مفتوحہ علاقہ کی زمین اور جاگیریں دے کر آباد کرنے کی تجویز کو مسترد کر دیا تھا۔ ویسے کسی کسی جگہ عرب آباد ہوئے ہیں لیکن بہت کم تعداد میں مجدد شمر اسی میں ہے کہ مسلمان اللہ کے پیغام کو پہنچانے میں ہمہ وقت کفن بردوش رہے تاکہ دنیا سے کفر و ضلالت دُور ہو جائے۔

بہر حال امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ کا دور خلافت دس سال چھ ماہ اور چار دن ہے۔ اس عرصہ میں انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں حضرت عمر ؓ کو اولیت حاصل نہیں ہے۔ امیر المومنین نے اپنے شب و روز کا ہمہ وقتی پروگرام اسکندریہ کے قاصد کے سامنے کہہ سنایا تھا کہ اگر میں دن کو آرام کروں تو لوگوں کا نقصان ہے اور اگر رات کو آرام کروں تو میرا اپنا نقصان ہے پھر اس قدر مصروفیت کے باوجود علم و فضل کی مجالس بھی قائم رہتی تھی۔

حضرت عمر فاروق ؓ کا اجتہاد میں مقام

اجتہاد میں قرآن کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ اجتہادی مسائل میں جہاں کہیں حضرت عمر فاروق

نے رائے قائم کردی ہے وہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے حُجت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین اجتہادی مسائل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خوشہ چینوں میں سے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگلی امتوں میں کچھ لوگ مُحدّث ہوتے تھے میری امت میں اگر ہوگا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ خیر و برکت کا زمانہ جا تا رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے الفاظ کس قدر حقیقت پر مبنی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا اسلام کی فتح، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہجرت کرنا اسلام کی نصرت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سراپا رحمت ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت دنیا کے حکمرانوں، صدروں، ڈکٹیٹروں، جمہوریت کے دعویداروں اور اشتراکیت کے علمبرداروں کو ببانگ دُہل دعوتِ حق پیش کر رہا ہے کہ

اگر خیریت دنیا و عُقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا وہر چہ میخواہی تمنا کُن

زاویہ پبلشرز

۶ مرکز الاویس (مستا ہوٹل) دربار مارکیٹ
لاہور۔ فون ۷۲۳۸۶۵۷ — ۰۴۲
موبائل ۹۴۶۷۰۴۷ — ۰۳۰۰

نام کتاب	مصنف/مرتب	قیمت
کشف العرفان	ڈاکٹر نور محمد ربانی	۱۴۰ روپے
اللہ والے	ظہور الحسن شارب	۱۱۰ روپے
اللہ والیاں	احمد مصطفیٰ صدیقی راہی	۱۱۰ روپے
تاریخ مشائخ نقشبند	محمد صادق قصوری	۲۰۰ روپے
افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم	محمد صادق قصوری	۹۰ روپے
مکاشفات و روحانیات	پروفیسر عبدالصمد الصارم الازہری	۱۲۰ روپے
کراماتِ صحابہ رضی اللہ عنہ	عبدالمصطفیٰ اعظمی	۷۵ روپے
جنتی زیور	عبدالمصطفیٰ اعظمی	۱۲۰ روپے
تاریخ ساز اقوال	رائے محمد کمال	۱۳۵ روپے
اولاد کو سکھاؤ محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی	ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی ترجمہ ڈاکٹر محمد مبارز ملک	۹۰ روپے
اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ	ثریا بتول علوی	۱۰۰ روپے
فیضانِ اویس	حضرت خواجہ نور الحسن تارک اویسی رحمۃ اللہ علیہ	۶۰ روپے
تحفہ جوانی	ابن کرم	۶۰ روپے
حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	بشیر حسین چشتی نظامی	۷۰ روپے
کشف المحجوب	حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویریؒ	۱۶۰ روپے
اسلام میں شادی کا تصور	از پروفیسر سعید احمد چشتی	۷۰ روپے
ملفوظات و فوائد حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ	خواجہ بشیر حسن چشتی نظامی	۱۰۰ روپے
شیریں حکایات	محمد امین شرقپوری	۱۰۰ روپے
گلدستہ احادیث	حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ بیربلوی	۹۰ روپے
بزرگوں کے عقیدے	مفتی جلال الدین احمد امجدی	۹۰ روپے
محفلِ اولیاء	حضرت علامہ شاہ مراد سہروردی	۱۵۰ روپے
اسلام کی اخلاقی تعلیمات	حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۰ روپے
تاریخ اولیاء	حضرت خواجہ حسن چشتی نظامی	۱۷۰ روپے
زُلف و زنجیر مع لالہ زار	علامہ ارشد القادری	۹۰ روپے
القاعدہ	مقبول ارشد	۱۵۰ روپے
تاریخ کے گمشدہ اوراق	علامہ نیاز فتح پوری	۱۴۰ روپے
جنت کا میوہ	قاری محمد رمضان	۹۰ روپے
حضرت عثمانؓ کا عہد تاریخ	ڈاکٹر نور احمد	۸۰ روپے
پیارے رسول کی پیاری باتیں	فیاض سید	۸۰ روپے
حضرت علیؓ کا دورِ خلافت	قاری محمد علی نقشبندی	۸۰ روپے
نورانی قاعدہ		۳۰ روپے
یسرنا القرآن		۶ روپے
اولاد کو سکھاؤ محبت اہل بیت کی		۱۰۰ روپے
منتخب حدیثیں		۶۰ ”
شرح قصیدہ بردہ شریف		۸۰ ”

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت

علامہ خالد محمود

زاویہ پبلشرز
6۔ مرکز الاویس (مستا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور
فون : 042-7248657 موبائل : 0300-9467047